CALL No. { ٨٩١٫٥٤٣١ / ١١ ن ر ACC. NO. ٢٠٤٢٩

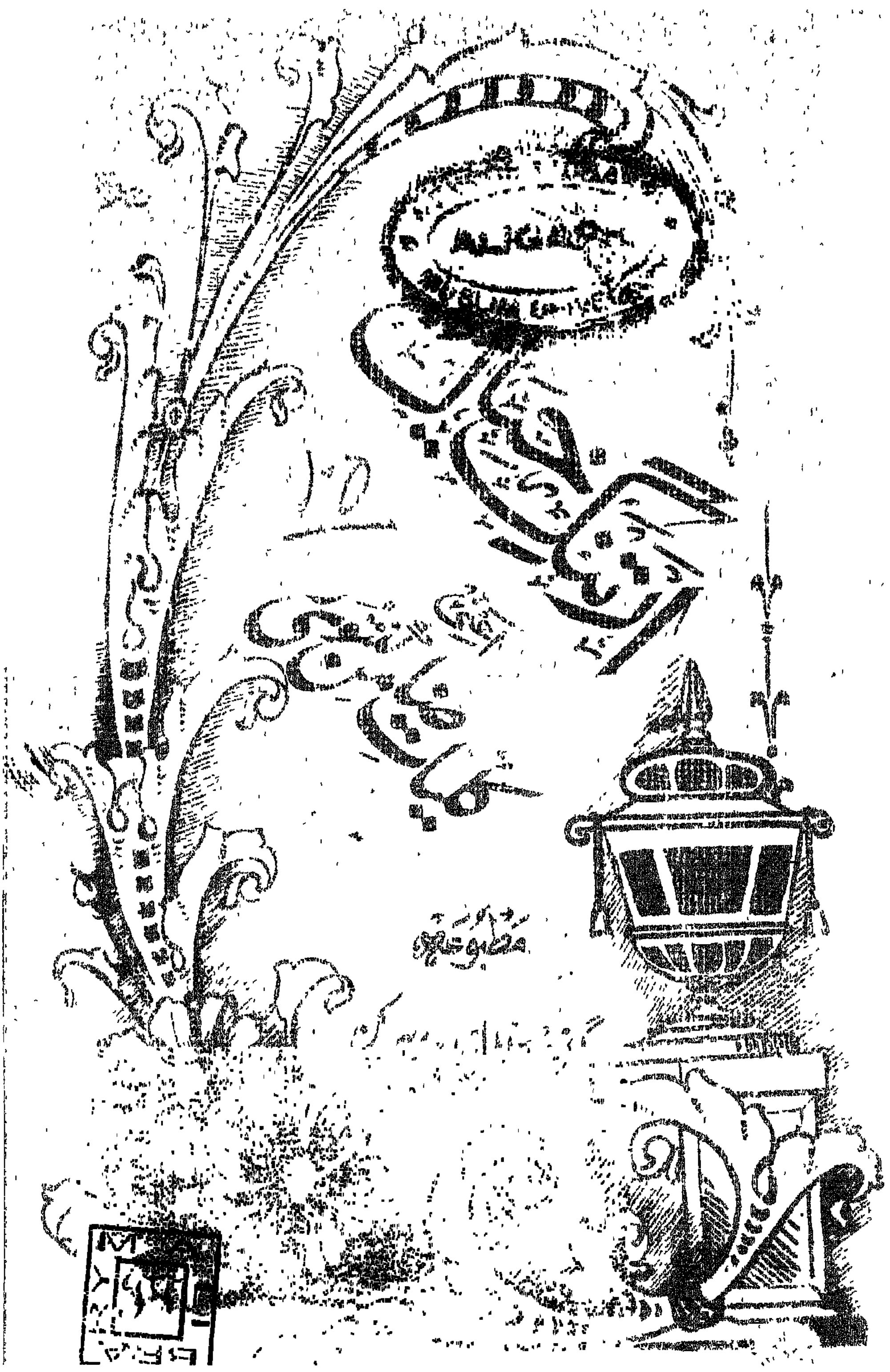
AUTHOR

TITLE

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over - due.



ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحراً

ارژنگ خیال

استغنا

حصہ اول

کلیات عمدۃ الشعرا و زبدۃ الادبا لسان الملک و الملۃ عالیجناب مستغنی
عن الالقاب مولوی سید محمد ضامن صاحب ضامن کنتوری

مولف و مترجم
ارمغان فرنگ - عبرتکدۂ سندھ - آثار عرب وغیرہ سابق مدیر رسالہ
استبصار رائے بریلی

مرتبہ

خاکسار محمد فیاض لکھنوی المتخلص بہ فیاض

مطبوعہ

گورنمنٹ سنٹرل پریس حیدرآباد دکن

اظہر نوشت

هو المتکلم

دیباچۂ مصنف

حامدًا و مصلیًا

اس زمانہ کساد بازاری میں جبکہ شاعری ایک بانگ بے ہنگام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کسی شاعر کا اپنے کلام کو طبع اور شائع کرنا اب بہ غربال گرفتن کا مصداق ہے لیکن واردات و کیفیات ہمیشہ واردات و کیفیات ہیں اور حقائق و معارف ابد الآباد تک حقائق و معارف شاعری ایک فطری جذبہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتا البتہ اس کا اچھا یا برا استعمال اکتسابی استعداد اور ذوق خداداد پر منحصر ہے ؎

لفظ بیکاری ندارد نسخۂ باغ وجود ✿ حیرت آئینہ شو ہر سبزہ طوطی ما ست

ہرچند کہ یہ مختصر مجموعہ جو اہل نظر کے پیش نظر کیا جاتا ہے تحفۂ برگ سبز سے بھی مناسبت نہیں رکھتا تاہم اگر دیکھنے والے اتنا دیکھ لیں اور سمجھنے والے اتنا سمجھ لیں کہ ؎ در حسرت دیدار نگہ تا مژہ اشک است تو شاعر کی جگر پالائی کا یہی کافی و وافی صلہ ہے ۔ ؎

جمال تا نہ شود مائل نظارہ خویش ✿ ز آئینہ نتواں عرض ناز فہمیدن

ز ہر دلی کہ بہ این رنگ گل کند آہے ✿ تواں حقیقت چندیں مجاز فہمیدن

بندہ بے نیاز

ضامن کنتوری

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شے میں جلوہ گر ہے نور جمال تیرا
ہر برگ گاہ سے ہے ظاہر کمال تیرا

پردہ اُٹھا کو صحبت خورشید کی ہے بیجا
دل اور خیال تیرا! میں اور وصال تیرا

کون و مکاں کے جلوے چھپتے نہیں چھپے ہیں
سب ہے حبیب سے دیدۂ دل کو جمال تیرا

الفت کا تیری دل کو چسکا بُرا پڑا ہے
چھٹنا محال اِسکا ملنا محال تیرا

دیتا نہیں گذرنے کوئی خیال دل میں
کیسا اکہرا ہے پیارے سے خیال تیرا

رحمت پہ کر بھروسہ توبہ کے در کھلے ہیں
کام آ رہے گا اک دن یہ انفعال تیرا

بس ایک شب کی خاطر ساری ہی داد و دہش کی
اے بدر ہم نے دیکھا اوجِ کمال تیرا

سارے جہاں میں تو نے آزاد کس کو چھوڑا
پھیلا ہوا ہے پھر کیوں صیاد جال تیرا

رہتا ہے کس کی خاطر ہر دم اداس ضامن
ہم نے کبھی نہ دیکھا چہرہ بحال تیرا

یگانۂ عالم خوبی میں وہ حبیب ہوا
یہ حسن خلق کسی کو کہاں نصیب ہوا

سوائے عشق نہ تھا کوئی چارہ ساز اپنا
یہی مرض تھا یہی دارو تھا یہی طبیب ہوا

ہم اپنی جان میں اور اوسمیں فرق کر نہ سکے
بعید رہ کے بھی وہ اس قدر قریب ہوا

کبھی کہے گا نہ کوئی اُسے غریبِ دیار
ترے دیار میں جو آن کر غریب ہوا

شہیدِ عشق کا اللہ رے عروج و وقار
کہ نردبانِ فلک پایۂ صلیب ہوا

ہم اک اُلٹتے رہے نسخۂ وفا کے ورق
کوئی حکیم ہوا اور کوئی ادیب ہوا

ترے سوا کوئی کیا دے صلائے ادعونی
ہیں مستجاب دعائیں کہ تو مجیب ہوا

خدا کے بندوں نے عہدِ الست بھی توڑا
بتوں کے عہد میں یہ حادثہ عجیب ہوا

دکھائیں ہم نے کیا کیا ڈراونی شکلیں
خیالِ غیر کا پتلا بارہ نمیب ہوا

دیارِ دل میں اڑا ائے جو آہ نے جھنڈے
تو نالہ فوجِ غم و درد کا نقیب ہوا

یہ اٹھتے بیٹھتے کی ہے دعائے دولتِ حسن
زمانہ کہتا ہے ضامن ترا نقیب ہوا

قلبِ بیتاب خیالِ رخِ جاناں میں رہا
مرغِ بے پر ہوسِ سیرِ گلستاں میں رہا

دلِ وحشت زدہ میں خارِ الم ایسے چبھا
تار باقی ہو کوئی جیب و گریباں میں رہا

گردشِ بخت یہاں پاؤں کا چکر ہو وہاں
مجھ کو یکساں ہے وطن میں کہ بیاباں میں رہا

گرچہ یوسف نہیں لیکن ہے زمانہ کو عزیز
کوئی بیجرم اگر ظلم کے زنداں میں رہا

دستِ شوق ایک گھڑی کے لئے بیکار نہیں
اون کے دامن سے ہٹا میرے گریباں میں رہا

ایک ہی ہمکو وجود اور عدم آبِ بقا
جو بچا خضر سے وہ چشمۂ حیواں میں رہا

اثر ولولۂ عشق نہ پوچھو ضامن
حیرتِ حسن بنا اور دلِ حیراں میں رہا

شکستہ دل جو یہ ہے اعتبار کیا ہوگا
نظر میں یاروں کی اپنا وقار کیا ہوگا

نہ پاسِ وضع نہ ہے ننگ و نام سے کچھ کام
جہاں میں ہم سا کوئی ہرزہ کار کیا ہوگا

گنہ کی شرم سے خوں ہو کے بہ گیا دل زار
اب اور قبر میں یارب فشار کیا ہوگا

زمین ہی کو ہے جب بار مشت خاک اپنی
سر فلک پہ عروج غبار کیا ہوگا

سنے ہے داغ ہو کے بھی دل لالہ کا گلشن عشق
خزاں جب ایسی ہے رنگ بہار کیا ہوگا

اسیر دام غم روزگار ہیں جو لوگ
غم محبت انہیں سازگار کیا ہوگا

جب آرزو نہیں کیوں لمیں آرزو کے پھول داغ
اس اجڑے گھر میں نقش و نگار کیا ہوگا

وہ نام چھوڑ جو سب کے دلوں پہ نقش رہے
کتابہ سر لوح مزار کیا ہوگا

ریاض عشق کو خون جگر سے سینچا ہے
خزاں یہ باغ ہمیشہ بہار کیا ہوگا

سکون قلب غلط۔ ترک آرزو معلوم
بغیر موت کے حاصل قرار کیا ہوگا

ہماری کشت سے برق فنا کو چشمک ہے
جو ہو بھی ابر کرم آبیار کیا ہوگا

عدو کا قلب ہوس دوست اور داغ وفا
یہ شورہ زار بھلا لالہ زار کیا ہوگا

یہی کہ پھونک دے میرے ہی گھر کا خرمن صبر
ہوئی بھی آہ اگر شعلہ بار کیا ہوگا

دلوں پہ خود غرضی چھاتی جاتی ہے ضامن
جب اپنے غیر ہوئے غیر یار کیا ہوگا

تپش یہی ہے تو انجام کار کیا ہوگا
نال عشق دل بیقرار کیا ہوگا

کب اس کے پاس ہو وہ دل جو خون ہو کے بہے
ہماری طرح سے ابر اشکبار کیا ہوگا

ہمیشہ جام تھا اس میکدہ میں اپنا تہی
سرور ہی نہیں آیا خمار کیا ہوگا

کہاں کہاں نہ لگائیگا آگ رنگ حنا
بنے یہ ہاتھ جو شاخ چنار کیا ہوگا

تھی پہلے دل کی طلب کنج شاہد و شیوا اور اب
دیا تو یہ کہ یہ ہے داغدار کیا ہوگا

ملے گی داد غریبوں کی لوگ کہتے ہیں
پھر آپ جائیے روز شمار کیا ہوگا

اگر اسی شب فرقت کا دوسرا رخ ہے
ہمارا کام بروز شمار کیا ہوگا

مری نگاہ سے چھپنے کو رخ پہ کھولی ہے زلف
اگر الجھ گئے باہم یہ تار کیا ہوگا

کہیں چھلکتے ہیں شیشے کہ ٹوٹی توبہ شیخ
یہ شور دیکھ تو اسے بادہ خوار کیا ہوگا

بہت ہوا تو ہے دوران سر فلک کی طرح | بلند ہو کے سر افتخار کیا ہوگا

ذرا میں دل کو تو پہلو میں دیکھ لوں ضامن
وہ دیکھتے ہیں ادھر بار بار۔ کیا ہوگا

غبار اپنا جو اس دامن سے دور آنازنین ہوگا | کہاں جائیگا ننگِ آسماں بار زمیں ہوگا
چھپے گا دلمیں کبتک شیخ کے ذوقِ ریاکاری | یہ وہ ہے پردہ بڑھتے بڑھتے ایک دن داغِ جبیں ہوگا
تمھیں دلداریاں آتی ہیں تم جانو خبر رکھو | نہ پوچھو بیدلوں سے دل کہاں ہے؟ دل کہیں ہوگا
ہمیں کیا دل گنواؤ جان کھوؤ پر یہ کہتے ہیں | یہ گیسو۔ یہ سیہ گیسو۔ یہ مارِ آستیں ہوگا
کہو تم۔ سنتے ہیں ہم۔ لیکن اُسکی یاد بھولیگی | جو مالک ہیں کے جان و دل کا ناصح دلنشیں ہوگا
مری فریاد۔ اور واں تک پہنچے میں نہ مانونگا | وہ اتنا دور ہوگا؟ جو رگِ جاں سے قریں ہوگا
فریب آہنگ ہے سازِ نشاطِ محفلِ ہستی | جگر چاکی ہے گل کا خندۂ عشرت آفریں ہوگا؟

بہائے گوہر معنی سے ہے تحسین نکتہ سنجوں کی
خریداران جواہر ریزوں کا ضامن نہیں ہوگا

یہی رونا ہے جو اسے دیدۂ تر کیا ہوگا | میں کہاں جاؤں گا یہ شہر یہ گھر کیا ہوگا؟
دیکھیے پوٹ گناہوں کی بڑھی جاتی ہے | کون اٹھائیگا اسے وقتِ سفر کیا ہوگا
عشق ہے عربدہ جو پہلے ہی سے جانتے تھے | جو کچھ آئے ترے جی میں وہی کر کیا ہوگا
حسنِ سیرت نہیں جب ہیچ ہے سب لطفِ حسن | زرِ گل پھر گلِ تصویر کا زر کیا ہوگا
بالِ پرواز نہیں طاقتِ رفتار نہیں | پھر اسیری کا الم قید کا ڈر کیا ہوگا
ہر طرف ناز کے انداز کے پہرے ہوں جہاں | ایسی محفل میں غریبوں کا گزر کیا ہوگا
لیکے دیکھو تو ذرا دل کو یہ ہے گنجِ وفا | ہم نے مانا کہ سہی قطع۔ ضرر کیا ہوگا
جان انمول سہی جائیگی اک روز ضرور | پھر ترے عشق ہی میں جائے اگر کیا ہوگا
ہیچ تو ہے نکلیں جب ارمان ہو تم دلمیں | جیتا شہر ایسی ہوس گھر میں وہ گھر کیا ہوگا

ضامن اب رہنے ہی دو شعر جسے شعر کہیں
ایسی حالت میں سیر راہگذر کیا ہو گا

کیا بتاؤں یار کے کوچہ سے میں کیونکر اٹھا
دل اٹھا دنیا سے اوسکے در سے جب بستر اٹھا

سانس نے دبایا گلا۔ دم رک گیا۔ پھر گر پڑا
محفل جاناں سے اٹھا میں مگر۔ مر کر اٹھا

دیکھ ساقی آسماں پر چھائی رحمت کی گھٹا
طاق سے لے شیشۂ مے ہاتھ میں ساغر اٹھا

تیکھی چتون کس لئے دلدوز باتیں کس لئے
قتل ہی کرنا ہے گر تلوار لے۔ خنجر اٹھا

منعم اتنی حرص دنیا ہے دلیل ابلہی
کس سے غیر از گاؤ یہ بار گراں اے خر اٹھا

میرا داں جانا تھا غیروں پر بلا نازل ہوئی
ایک ہنگامہ مچا آفت کا شور و شر اٹھا

اللہ اللہ موت کو بھی دل لگی سمجھے ہیں وہ
کہتے ہیں بیدار ہو ہم آئے ہیں لے سر اٹھا

قبر میں کچھ پوچھنے کو آئے تھے منکر نکیر
ہو گئے دم بند جب میں یا علی کہکر اٹھا

پھر دل مایوس ابھرا ہے تری امید پر
یا کہ صحرا میں بگولا کھا کے اک چکر اٹھا

جوش طوفاں دب گیا اب کچھ موافق ہے ہوا
ناخدا سے کہئیے پروے چھوڑ دے لنگر اٹھا

لاکھ چاہا چھپ سکا ضامن چھپانے سے نہ راز
نقش الفت دل میں بیٹھا داغ سینہ پر اٹھا

حباب بحر اشک ہے دل کسی کا
کہ داماں ہے دامان ساحل کسی کا

تھا فقط ہے جب تو کیا بحر کیا بر
نہ کشتی کسی کی نہ ساحل کسی کا

قدح میں ہے لالہ کے خون بہار
کہ اک جام مے خون ہوا دل کسی کا

کس انداز سے کہتے ہیں ٹکڑے کرکے
یہی تھا تمنا بھرا دل کسی کا

یہی کارخانے ہیں دنیا کے ضامن
کہ خرمن کسی کا ہے حاصل کسی کا

دل ناداں کی ہوس کا رونے سے کیا ہو گا
اوس کو منظور جو ہو گا وہی اچھا ہو گا

شادیٔ وصل و غم ہجر ہیں کہنے کے لئے
جب دوئی ہو گی تو ہر حال میں رونا ہوگا

غیر اپنا ہو کسی طرح سے ممکن ہی نہیں
تفرقے لاکھ پڑیں غیر نہ اپنا ہوگا

آفتاب آگیا سر پر تو ہیں پھر ایک کے ایک
گو گھڑی بھر کو جدا جسم سے سایا ہوگا

عارضی فصل سے ہے تمہید وصال جاوید
قطرہ سو گردشوں کے بعد بھی دریا ہوگا

ذرہ ذرہ میں وہی شکل نظر آئے گی
عشق گر سرمہ کش چشم تماشا ہوگا

محفل آرائے تصور میری غفلت ہو گی
چشم سربند مگر دیدۂ دل وا ہوگا

اوس کا عشرتکدہ ہوگا دل نیرنگ اساس
اوس کا خلوت کدہ آغوش تمنا ہوگا

عکس جس طرح سے ہے شخص کی ہستی کی دلیل
قیس اک آئینۂ صورت لیلیٰ ہوگا

پھونک دیگی خس و خاشاک ہوس برق جمال
نیر چرخ وفا داغ سویدا ہوگا

ہوگا حائل نہ حجاب من و تو جب ضامن
جلوہ گر رابطۂ صورت و معنیٰ ہوگا

یاں جو سمجھے ہیں بڑے آنکو بھی گرتے دیکھا
اشک شبنم ہی سے منہ پھولونکو دہوتے دیکھا

فکر احساں کی کریموں کو ہوئی وجہ ملال
نفع دہقاں کے لئے ابر کو روتے دیکھا

خواب خرگوش میں افسوس کٹی ساری عمر
اب جو بیدار ہوئے بخت کو سوتے دیکھا

جو کیا تو نے وہ تھا وہم و گماں سے خارج
اپنی خواہش کو نہ پورا کبھی ہوتے دیکھا

بات کیا ہے کہ تمہیں جب کبھی دیکھا ضامن
آستیں آنسوؤں سے ہم نے بھگوتے دیکھا

کب عشق میں برگشتہ مقدر نہ ہوا تھا
کس دن یہ مرے پاؤں کا چکر نہ ہوا تھا

جبتک مرا دل - دل تھا ترا گھر نہ ہوا تھا
ہر نقش تمنا بت آذر نہ ہوا تھا

قد جتنا بڑھا زلف میں اُتنے ہی پھنسے دل
اک دن تھا کہ یہ سرو صنوبر نہ ہوا تھا

یوسف کہیں اس بت کو مگر فکر یہی ہے
مسجود کبھی کوئی پیمبر نہ ہوا تھا

غنچوں سے گلے مل کے صبا ہو گئی رخصت
وا بھی ابھی آغوشِ گلِ تر نہ ہوا تھا

اتنی سی کشش میں ہوئے توبہ کے جدا بند
خمیازہ و بہ خمیازۂ ساغر نہ ہوا تھا

واں اشکِ ندامت سے ہوا سرد جہنم
یاں دامنِ مژگاں بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

کیا قدر تنک مایہ ہو۔ دنیا میں کہیں بھی
شبنم کا گہر زینتِ افسر نہ ہوا تھا

برقِ نظر اور مزرعِ دل پوچھتے کیا ہو
اک تخمِ محبت ہے کہ اخگر نہ ہوا تھا

تھا کلکِ قضا صورتِ یوسف بہ تہِ ناز اں
اُو سوقت کہ تو نقشِ مکرر نہ ہوا تھا

کیا جلد حبیب اُٹھ گئے سر سے ترے ضامن
درسِ سخن اچھی طرح ازبر نہ ہوا تھا۔

غزل

کی بھی جو بے اعتنائی کیا ہوا
وہ بتِ ناآشنا کس کا ہوا

کس نے لیا میرا دل یہ کیا ہوا
دل کی جگہ درد کیوں پیدا ہوا

دل تمہیں دیکر ملا یہ پھل مجھے
خوار ہوا دربدر رسوا ہوا

موسمِ گل ساقیا زوروں پہ ہے
حیف ہے نشہ ہو گرا ترا ہوا

تیغِ نظر کام اپنا کر گئی
جان گئی دل کے ساتھ اچھا ہوا

فوجِ الم نے لیا بس دل کو گھیر
اک علم نالہ کیا برپا ہوا

کہتے ہیں ضامن نہ دل اوس سے لگا
وہ بتِ ناآشنا کس کا ہوا

غزل

زندگی میں تو یہ عذاب نہ ملتا
جاں ملی تھی دل خراب نہ ملتا

گر دکھاتا نہ تو کرامت ساقی
ماہ سے جھک کے آفتاب نہ ملتا

میں بھی ہوتا ترے حجاب کا قائل
غیر سے تو جو بے حجاب نہ ملتا

عشق صادق تھا رہنمائے زلیخا
ورنہ بچھڑا ہوا شباب نہ ملتا

سرد مہری تمہاری جینے نہ دیتی
دل کو اتنا جو التہاب نہ ملتا

کیوں بھپنا کہہ کے بد عذابیں واعظ
گر نہ ملتا ہمیں ثواب۔ نہ ملتا

دل جو غواصِ بحرِ عشق نہ ہوتا
آنکھ کو یہ دُرِ خوشاب نہ ملتا

کیسے سودائی کہیے عیب ہی کیا ہے
ہم کو دربار سے خطاب نہ ملتا

خوش ہوں وہ میری عرض پر جو خفا ہیں
بس یہی کیا تھا جو کچھ جواب نہ ملتا

شکر ہے رحمتوں سے کم ہیں خطائیں
پھر قیامت تھی گر حساب نہ ملتا

تو نہ تھا کیا گدائے میکدہ ضامن
کیوں تجھے ساغرِ شراب نہ ملتا

عشق دشوار بہت تھا مگر آساں سمجھا
درد سمجھے جسے سب میں اُسے درماں سمجھا

باغباں باغ کو ہے گل کی ہنسی چشمک برق
کیا سمجھ کر اسے تو عیش کا ساماں سمجھا

دیدۂ آبلہ اور خارِ بیابانِ جنوں !
تیرا دیوانہ مگر سایۂ مژگاں سمجھا

دل میں ذوقِ گنہ آنکھوں میں فروغِ رحمت
خطِ ساغر کو معافی کا میں فرماں سمجھا

حیرتِ آئینۂ حسن ہے بیتابیٔ عشق
میری وحشت کو وہ تمکین کا عنواں سمجھا

سرگرانی تھی جو ہنگامۂ ہستی سے بہت
کنجِ مرقد کو بھی میں حشر کا میداں سمجھا

جب سے نیرنگِ حقیقت کا تماشا دیکھا
ہم نے ہر قطرہ کو جولانگہِ عماں سمجھا

راحت اس دارِ عنا میں ہے آدمی کیلئے جو
غم کو کم اور مسرت کو فراواں سمجھا

اُف رہی واماندگیِ پائے حقیقت طلبی
ذرہ کے چاکِ جگر کو میں بیاباں سمجھا

شکوہ کو شوخ نے اظہارِ تشکر جانا
تارِ اشکوں کا بندھا سبحۂ مرجاں سمجھا

روح کو جسم کے اندر جو پر افشاں پایا
دل کہ پر شوق نکلتا ہوا ارماں سمجھا

داغ بھر کے تو یہ جانا کہ ہے گلزارِ خلیل
دل ہوا خون تو میں رنگِ بہاراں سمجھا

عرضِ مطلب پہ نہ پایا کبھی مطلب کا جواب
اور جو پوچھا کہو سمجھے ؟ تو کہا ہاں سمجھا

دل کے کھو جانے کی روداد کہوں کیا ضامن
طاقِ نسیاں تھا جسے ابروئے جاناں سمجھا

میں کیا ہوں میرا وجود بھی کوئی وجود تھا
تھا بھی اگر تو بحرِ ہست و بود تھا

بے بود ہے جو کچھ ہے جو تھا بے نمود تھا
اک تیری ذات شئے کے لئے واجبِ وجود تھا

دستِ قضا نے مجھ کو دیا بھی تو وہ لباس
ثابت نہ جس میں تار کوئی اور نہ پود تھا

آدم کو وجہِ قطعِ منازل تھیں لغزشیں
وہ عارضی فراق تو پیدِ خلود تھا

یکساں ہو یاں کی عشرت و عسرت گذشتنی
ہر حال میں کفیل ترا دستِ جود تھا

وہ دن ہوئی ہے نبض کی رفتار آجکل
یاد وہ آہِ دل کا فلک پہ صعود تھا

دل لے گئی نگاہ میں سمجھا کہ دل ملا
یہ کون دیکھتا ہے زیاں تھا کہ سود تھا

نیرنگیاں تھیں پردہ کشِ اعتبارِ رنگ
ق کیا کیا نہ دلفریب طلسمِ وجود تھا

دیکھا بغور جب تو جھلک سیمیا کی تھی
دھوکا نظر کا سرخ و سیاہ و کبود تھا

گر گر پڑا ہوں خوف سے تیرے خیال پر
ظاہر میں پائے بندِ رکوع و سجود تھا

ہر چند دور میں تھی نظرِ حسن بے حجاب
دل پردہ دارِ جلوۂ بزمِ شہود تھا

دنیا سے دل اٹھا کے ترے در پہ آ جمے
اپنی نماز یہ - یہ قیام و قعود تھا

ضامن رہے خموش جو ہم اون کی بزم میں
واں پر کچھ اور شیوۂ گفت و شنود تھا

ہم کو جانا جو تم نے کیا جانا
خیر اچھا کیا برا جانا

نہ پری اور نہ مہ لقا جانا
کھو کے دل تم کو دلربا جانا

جا ملے اوس سے جو تھا خضر طریق
گم کبھی پایا جو راستہ جانا

نہ حقیقت نہ معرفت سمجھے
کچھ نہ جانا کہ ہم نے کیا جانا

میری خواہش میری مراد ہی کیا
شرط ہے اون کے جی میں آجانا

چاہیے رکھو رکھاؤ بھی تھوڑا
سہل ہے دل کسی کا پا جانا

ہڈیاں بھی نہ چھوڑنا اے غم
ہے قسم تجھ کو یوں ہی کھا جانا

ق

حسن کو بے نیاز جب دیکھا
عشق کو درد لا دوا جانا

عشوہ کو محشر آفریں پاکر
پھر میں دل کو مرا ہوا جانا

ہجر میں نالہ نارسا نکلا
شوق کو طاقت آزما جانا

اپنی روداد کیا کہیں ضامن
دل کا آنا تھا جان کا جانا

دل حسرتوں سے عشق کو خالی نظر پڑا
منزل سمجھ کے اپنی یہیں پر اتر پڑا

پہلو میں رہ کے اس نے ہمیں سو کیا فریب
دل پر بھی صحبتوں کا تمہاری اثر پڑا

اوس چشم مست خواب کو چھیڑا غضب کیا
تھا شیر نر کہ ٹوک دیا اور بپھر پڑا

یہ جانتا اگر تو ملاتا نہ ہاں میں ہاں
بیٹھے بٹھائے عشق کا کھٹراک سر پڑا

یوں کون پھینکتا ہے تمہاری گلی میں دل
دو چار ادھر پڑے ہیں تو ایک آدھ ادھر پڑا

پیری کی صبح آئی اور اپنا یہ حال ہے
سوتا ہو جس طرح سے کوئی بے خبر پڑا

ملتی ہے تم کو یوں ہی پڑی گر متاع دل
کیوں ڈھونڈتے نہیں کہیں یہ شہر بھر پڑا

ضامن بتوں سے دل کو بچائے ہوئے رہو
شیشہ ہے ٹوٹ جائیگا پتھر پہ گر پڑا

ہر شے میں ترا جلوۂ زیبا نظر آیا
مجھ کو تو اندھیرا بھی اجالا نظر آیا

تو وہ ہے کہ چمکا جو ترا نیّرِ اجلال
خورشید جہاں تاب بھی ذرہ نظر آیا

دیکھا مری بیتابیِ دل کو بھی کسی نے
مجھ کو تو زمانہ تہ و بالا نظر آیا

واعظ کو بلا لاؤ کہ توبہ کی خبر لے!
ساقی لیے پھر ساغر و مینا نظر آیا

جلوت تھی کہ خلوت تھی حقیقت کہ تصور
ہوں نقش بہ دیوار وہ نقشہ نظر آیا

ہر گوشہ میں دیکھے اوسی جلوہ کی جھلک ہے
ہر داغِ جنوں مجھ کو سویدا نظر آیا

کچھ نظروں ہی نظروں میں ہوئی قیمتِ دل طے
بکتا ہوا کچھ آج تو سودا نظر آیا

پھرتے ہوئے اک چشمِ فسوں ساز کو دیکھا
مٹتا ہوا ہر نقشِ تمنا نظر آیا

یاں گوشۂ عزلت میں ہے سیر اک جہاں کی
کس سے کہیں ضامن ہمیں کیا کیا نظر آیا

ترے علاج سے اے چارہ ساز کیا ہوگا
گھٹا جو دردِ جگر دردِ دل سوا ہوگا

محیطِ آز میں گر دل سا ناخدا ہوگا
ہماری زورقِ ہستی کا حشر کیا ہوگا

میں دل کے دینے میں کرتا نہ اس قدر جلدی
یہ کیا خبر تھی کہ وہ دیر آشنا ہوگا

ہوا نہ آہ سے جب کچھ تو نالہ کیا کرتے
وہ بے اثر تھی جہاں یہ بھی نارسا ہوگا

کسی کے حصہ کا غم ہو ہمیں کو دو اے چرخ
بچے گا آج سے جو کل کا ناشتا ہوگا

فروغِ حسنِ جہاں سوز ہوتا جاتا ہے
خدا ہی جانے کہ انجامِ عشق کیا ہوگا

شراب پی کہ ہے میراثِ جم نہ کھا غمِ دہر
یہی سحابِ الم سایۂ ہما ہوگا

حریفِ شورشِ محشر ہے بیخودی اپنی
نہ گوش زد کبھی واعظ کا ہمہمہ ہوگا

ہے کحلِ چشمِ بصیرت ترا جمالِ جمیل
وہ کور ہوگا جو مرہونِ توتیا ہوگا

ترے کرم پہ جو تکیہ رہے یونہی مالک
سریرِ بادشہی نقشِ بوریا ہوگا

جنابِ شیخ کی گوں کا نہیں ہے ضامنِ رند
یہ پارسا بھی جو ہوگا تو بے ریا ہوگا

غزل

ذوقِ صہبائے طرب اندوہ فزا ہو جائیگا
بڑھتے بڑھتے قطرہ طوفانِ بلا ہو جائیگا

ہو اگر چشمِ تماشا ایک ہیں غیب و شہود
جائیں گے کعبے جو ویراں بتکدہ ہو جائیگا

موجِ بال افشانیٔ بلبل ہے طغرائے بہار
ہونے دیجیے گل کہاں تک خودنما ہو جائیگا

توبہ توبہ ہستیٔ موہوم پہ اتنا غرور
ابنِ آدم آدمی بن کیا خدا ہو جائیگا

دیکھیے بہرِ رگِ اندیشہ نشتر وہم غیر
شکوے کا دفتر بیانِ مدعا ہو جائیگا

ہاں نشاط آہنگ ہے بادِ سحرگاہِ بہار
خندہ لیکن گل کو آوازِ درا ہو جائیگا

عقدہ ہے ضامن یہ تیرے رشتۂ تقدیر کا
ایسی آسانی سے وا بندِ قبا ہو جائیگا؟

غزل

خیالِ داغِ قلب لالۂ حمرا نہیں جاتا
ترا عاشق توہم پیشہ ہے سودا نہیں جاتا

یہ صحرا ہے ہمارا قیس یاں کیوں ٹھوکریں کھائے
کہو اوس سے ادھر سے ناقۂ لیلیٰ نہیں جاتا

مجھے بہلاتے ہیں شیخِ حرم اک زمزمی دیکر
یہ کیا جانیں مذاقِ ساغرِ صہبا نہیں جاتا

تنک اور نہ وشنا ویز آئے واں کدو دل دیو
نہ سمجھے یہ بھی آخر بال ہے چھپکا نہیں جاتا

چلے تھے نقدِ ہستی لیکے تیری جستجو کرنے
وہ نکلا نا روا بے زاد اب جایا نہیں جاتا

دو عالم جلوہ گاہِ حسن ہیں جس کی تماشا ہے
اوسی کا طالبِ دیدار ہے پردہ نہیں جاتا

میں سمجھا تھا ہیں دونوں گھر خدا ہی کی خدائی میں
حرم کو بتکدہ سے شیخ کیا رستہ نہیں جاتا؟

تجلی گاہِ جاناں دل ہے یا کہسارِ سدِ جو تو
جہاں جاتے ہو تم میں اوس جگہ موسیٰ نہیں جاتا

بہت ہموار آتے تھے نظر کوچے محبت کے
وہ ٹھوکر کھائی ہے اس راہ میں سنبھلا نہیں جاتا

نہیں ممکن ہے تجھ سے جب علاجِ وحشت اے ہمدم
تجھے پھر کیا اگر ربطِ سر و خارا نہیں جاتا

جوازِ عام سے ہے ضامن جوازِ خاص میں داخل
نہ جائے قافیہ سے گر کہیں ایطا نہیں جاتا

وہ نقشِ سنگِ درِ زاہد جو طغرائے جبیں ہوتا
نہ یہ داغِ ریا وجہِ فریبِ آن و ایں ہوتا

کہاں سکتے جیب و داماں پنجۂ وحشت مزاجب تھا
جگر کا چاک بڑھتے بڑھتے چاکِ آستیں ہوتا

جو لذت آشنا ہوتا عتابِ نازپرور کا
ترے حق میں بھی اے ناصح یہ سرکہ انگبیں ہوتا

نہ سنتا اور نہ کہتا کوئی قصہ طور و موسیٰ کا
وہ حسنِ عشوہ ساماں برق افگن گر کہیں ہوتا

۱۲۴۲ھ

توہم فطرتی سے وجہِ غفلت ورنہ انساں کو
دلِ ہر ذرہ مجرائے شطِ نورِ یقیں ہوتا!

ہر اک عالم تماشائی حجابِ بے حجابی کا
نہ یوں پہ وہ نشیں ہوتا نہ ایسا دلنشیں ہوتا

جو ہوتا دل کو ذوقِ نغمۂ سازِ حقیقت کچھ
طنینِ پشہ کانوں کو سرود و رامتیں ہوتا

شہود و غیب پردے ہیں تماشا گاہِ قدرت کے
وہاں ہوتا ہے جو کچھ کیا برا تھا گر یہیں ہوتا

غبارِ کوچۂ جاناں ہوا اچھا ہوا ضامن
یہ جسمِ نازنین آخر کبھی رزقِ زمیں ہوتا؟

مرض بڑھتا نظر آتا ہے کچھ اے چارہ گر میرا
تمنائے سکوں دل سے ہے چکر میں سر میرا

تامل کیوں ہے آنکھیں نمود و بود و شبنم کیا
اُدھر چمکے گا مہرِ حسن اِدھر ہوگا سفر میرا

طرب ہو یا طلب کیفیتِ انجامِ حسرت ہے
بھر آتا ہے وہیں دل جام خالی ہو اگر میرا

وہ تمثالِ فنا ہوں صفحۂ ارژنگِ ہستی پہ
کہ سمجھے سے پہلے اڑ جائیگو ہے رنگِ اثر میرا

۱۲۳۴ھ

نویدِ مرگِ ذوقِ تاجِ زر ہے شمعِ محفل کو
خیالِ نفعِ جیب کرتا ہوں ہوتا ہے ضرر میرا

کمندِ شوقِ دل کو لگ گئی بامِ حقیقت تک
فلک پرواز نکلا طائرِ بے بال و پر میرا

دل آہنگِ وفا چھیڑے تو شک ہوتا ہے نالوں کا
عجب وحشت نوا ہے پردۂ سازِ اثر میرا

ہوا ذوقِ تماشا طرح ریزِ خود فراموشی
مثالِ آئینہ آغوشِ حیرت میں ہے گھر میرا

خدا ہی ہے جو ہاتھ آئے نشانِ منزلِ مقصد
ہوس خضرِ طریقت اور ہے رستہ پرخطر میرا

نہیں پابندِ مرکز گردشیں پرکارِ وحشت کی
بنے گا جادہ کھچ کر حلقۂ بیرونِ در میرا

جو از خود رفتہ ہو کیا فکر اسے قطعِ منازل کی
صراطِ مستقیمِ ذوق ہے تارِ نظر میرا

دل روشن رہا کب رہنِ طوفانِ ہوس ضامن
ہوا موجِ طلب کو مہدِ آسائش گہر میرا

مری وفاؤں کا محضر دلِ حزیں نہ رہا
تھا نقش جس پہ ترا نام وہ نگیں نہ رہا

دکھایا شوقِ تصور نے پائے تصدیق
زیادہ دیدۂ دل رہنِ دوربیں نہ رہا

مکانِ دہر نہیں جائے امن و آسائش
بعافیت کوئی دو دن یہاں مکیں نہ رہا

ریاضِ عشق میں ہے فیضِ عام داغوں کا
تہی یہاں کبھی دامانِ خوشہ چیں نہ رہا

دکھایا کیوں تمہیں دل ہم نے وائے نادانی
خیالِ نرگسِ فتانِ سرمگیں نہ رہا

تغافل اسکو ہے اب غیر سے بھی مدِ نظر
مرے لئے کوئی معیارِ مہر و کیں نہ رہا

تھی ہم کو پہلے ہی گردشِ فلک کی پیس چکی
سکون تجھ کو بھی کچھ روز اے زمیں نہ رہا

دکھائے ہم نے بہت سبز باغ ضامن کو
تری گلی کے سوا وہ مگر کہیں نہ رہا

محل اپنا ہی دل ہے ساری کلفت اور مسرت کا
حقیقت میں نہیں معیار کوئی رنج و راحت کا

ہمیشہ سے ہے جویا آدمی اسرارِ قدرت کا
ابھی تک در مقفل ہے مگر گنجِ حقیقت کا

ہے دل پہلو میں یا بجلی کا ٹکڑا کوئی پنہاں ہے
یہ فرقت کی ہے بیتابی کہ دیباچہ ہے وحشت کا

چلے ہیں سامنے مالک کے جنسِ ناروا لیکر
یہ حاصل ہے ہماری زندگی بھر کی ریاضت کا

اٹھا کر حرص کا دامن عبث کانٹوں میں الجھائیں
وہ پیش آئیگا ہر حالت میں جو لکھا ہے قسمت کا

خس و خاشاک سے امواجِ دریا تھم نہیں سکتا
پڑا کب پاس میں پیچھے قدم اربابِ ہمت کا

ہم ان ہوکے میں کتنے واعظ کہ اکدن توبہ کر لینگے
کھلا اب بند کر آیا ہے تو دروازہ جنت کا

تعجب کیا اگر دریائے رحمت کو بھی جوش آئے
ہے طوفان خیز ہر قطرہ مرے اشکِ ندامت کا

ادھر دیکھو ہمارا داغِ دل دیکھی نہیں تم نے
مری اس آخری منزل میں ہے نقشہ باغِ جنت کا

برا ہے عشق کا انجام ضامن سچ ہے یہ لیکن
کسی پر آکے پھر دشوار ہے رکنا طبیعت کا

ٹپکا پسینہ اون کے رخِ بے مثال کا
لبریز تھا چھلک گیا ساغر جمال کا

آئینۂ خیال تجلی اسی سے ہے
تحقیق ودرکرتی ہو زنگ احتمال کا

حملوں سے کیا سباب کے ضرر اہلِ فکر کو
دامن ہوا سے اڑ نہیں سکتا جبال کا

کوشش سے بن ہی جائیگی کوئی نہ کوئی شکل
یہ مدعا ہے گردشِ چاکِ کلال کا

کھوتا ہے حسنِ طبع کو کب نقص ظاہری
روشن تھا نور قلب سے چہرہ بلال کا

گر خود نما ہے خلق میں ہو کوئی مستفیض
پہروں کے عقدہ کھولدے ناخن ہلال کا

ڈرتے ہیں لوگ موت سے کیوں آخر اسقدر
یہ خوفناک نام ہے تغیر حال کا!

دنیا کی صیدگاہ میں آزادیاں کہاں
ہر مرغِ دل اسیر ہے دامِ خیال کا

سرو جہان و سرو چمن میں بہت ہی فرق
ضامن یہ ڈھنگ خوب نہیں ہے مثال کا

چارہ جب ہو نہ سکا عقل کی بیماری کا
نام رکھا گیا تقدیر خطاکاری کا!

مجمعِ حشر میں ہے شرمِ گنہ تیرے ہاتھ
میرے ستار یہی وقت ہے ستاری کا

پیش کر سکتے ہیں کب ہم کوئی بخشش کی دلیل
عذر مسموع نہیں مجرمِ اقراری کا

زخمِ دل نے مجھے اصلاح کی لذت بخشی
کبھی احساں نہ لیا مرہمِ زنگاری کا

لے ہی ڈالا نہ چلا عشق سے آخر کچھ زور
ورنہ دعویٰ تو بہت تھا ہمیں ہشیاری کا

اٹھیے اس باغ سے یوں دوشِ صبا پہ ہو بار
بوئے گل کو ہے بہت ناز سبکساری کا

قافلہ کوچ پہ تیار ہے ضامن اٹھو
ہوچکی نیند بس اب وقت ہے بیداری کا

شمع ساں ہو کے قتیل تپش دل اٹھا
ہوشیار آیا تھا اس بزم میں غافل اٹھا

کشش کافِ کرم تیغ دو دم تھی ہم کو
فرق ہمت سے نہ بار کف مقبل اٹھا

جوشش رحمت حق دیکھیے کیا کرتی ہے
ابر بن کر تہِ حسرت سائل اٹھا

آپ کھل جائیگا ہم کون ہیں اور کون ہو تم
بیچ سے گر کبھی یہ پردۂ حائل اٹھا

بذل بیجا نے کیا گدیہ گردوں کو گستاخ
موج دریا سے غبار لب ساحل اٹھا

لوح ہستی نہیں مانوس حقیقت رقمی
نقش جب اس پہ اٹھا کوئی تو باطل اٹھا

اس کی جا نہیں جز زاویۂ کنج عدم
بہت اچھا رہا دنیا ہی سے جو دل اٹھا

ثمر خدمت ارباب صفا ہے دل صاف
سپہلے غرض نہ لگایا تو یہ حاصل اٹھا

نہ ملی اشک کو نالہ کی رسائی ضامن
قدم شل نہ کبھی جانب منزل اٹھا

دل جا کے کوئے زلف میں پایا نہ جائیگا
اس راہ سے پلٹ کے پھر آیا نہ جائیگا

ساقی پلائے شوق سے جام مے طرب
رنج خمار ہم سے اٹھایا نہ جائے گا!

مانا ہمارے نالہ میں تاثیر بھی سہی!
لیکن کسی کا دل تو دکھایا نہ جائے گا

صہبائے عشق منہ سے لگائیں نہ اہل عقل
پی کر یہ جام ہوش میں آیا نہ جائے گا

کرتے ہیں دوست کیوں میری دیوانگی کا غم
سر سے بلائے عشق کا سایہ نہ جائیگا

دیکھ اے صبا نہ چھیڑ کسی پائمال کو
اٹھا تو یہ غبار بٹھایا نہ جائے گا

ضامن مٹا بھی ہو نہ کہیں دل سے داغ عشق
پتھر کا نقش ہے یہ مٹایا نہ جائے گا

ہے کچھ کچھ موج میں عالم مرے حال پریشاں کا
وہ دریائے الم ہوں جو صدا ہو رہے طوفاں کا

ابھی کشتی امید کا تو کھینے والا ہے !
کہ طوفاں خیز ہے عالم ہوا ہے بحر حرماں کا

ہتے کام جہاں سے ساغر حرماں بدلیں گے
تحمل بھی تو ہونا چاہیئے ساقی کے احساں کا

زلیخا عذر عصمت عشق کے آگے نہیں چلتا
گواہ چہرہ دستی چاک ہے یوسف کے داماں کا

ہوائے نفس ہے برہم زن جمعیت خاطر
بندھے شیرازہ کیونکر دل کے اجزا پریشاں کا

نہ ہو کس طرح سے ننگ اسیری میری آزادی
کہ دل پابند ہے موج ہوائے ساز و ساماں کا

ہم اے ضامن غریق قلزم ذخار حسرت ہیں
ہماری خاک پر احسان نہیں گور غریباں کا

کس کام کا ہے دل گر دلدار تک نہ پہنچا
بے قدر ہے جو سودا بازار تک نہ پہنچا

ہم کیسے ان لبوں پہ نالہ گیا فلک تک
کیا ایسا فاصلہ تھا کیوں یار تک نہ پہنچا

پھیلائے پاؤں طول عمر خضر نے کیا کیا!
پر ان کے گیسوؤں کے اک تار تک نہ پہنچا

کیا میرا پارۂ دل اک پھول سے بھی کم تھا
یہ لعل کیوں تمہاری دستار تک نہ پہنچا!

روز ازل ہوئی تھی دونوں میں شرط لیکن
محشر کا فتنہ موج رفتار تک نہ پہنچا!

کب نبدہ ہوا کو عزت ملی جہاں میں!
نغمہ کا گل کسی کی دستار تک نہ پہنچا!

آتے وہ یا نہ آتے وعدہ تو کوئی کرتے
یہ مژدۂ شفا بھی بیمار تک نہ پہنچا

انعام عام جب ہے تیرا تو پھر یہ کیا تھا
دو چار تک تو پہنچا دو چار تک نہ پہنچا

ضامن یہ پارۂ دل لعل گراں بہا ہے
کیا غم سخن تر اگر بازار تک نہ پہنچا

دل کہاں اونکے پاس یا ہوگا
یا تو رونے میں بہ گیا ہوگا!

کہتے ہیں مر گیا مریض فراق
تم نے بھی کچھ نہ کچھ سنا ہوگا

غزل

اگر نہ سودا بدی کا دنیا میں — کچھ بھلا کر ترا بھلا ہوگا
ہے یقیں میرا نامۂ اعمال! — اشک حسرت نے دھو دیا ہوگا
مایۂ دل ہے ایک داغ اے چشم — دھو گیا یہ بھی گر تو کیا ہوگا
اوسکو دیتے ہیں دل ہمیں چوکے — کیا خبر تھی کہ بیوفا ہوگا
وصل کی بات بن کے پھر بگڑی — کچھ رقیبوں نے کہدیا ہوگا
کیوں ڈراتا ہے عشق سے ناصح — جان جائے گی اور کیا ہوگا

چھیڑتے کیوں یہ جان کر ضامن
باتوں باتوں میں وہ خفا ہوگا

غزل

سودائے زلف ضامن بہر خدا نہ کرنا — سر پر بلا نہ لینا دل پر جفا نہ کرنا!
ناکامیوں کا خطرہ بدنامیوں کا ڈر ہے — بیمار غم کی عیسی ہرگز دوا نہ کرنا
دیکھا زبان و دل ہی باہم رقیب نکلے — افشائے راز الفت پھر یہ ملا نہ کرنا
اپنا عدو ہو جو وہ ناصح کو دوست سمجھے — اپنا کیا نہ کہنا ان کا کہا نہ کرنا!
بیتابی محبت اک شعبۂ جنوں ہے! — میرے کہے سنے پر تم اعتنا نہ کرنا
رنگ پریدۂ رخ تفسیر بیدلی ہے! — عرض نیاز الفت اسکے سوا نہ کرنا
کہنا وہ ہائے اونکا اتنا ہی حوصلہ تھا — ذکر وفا دوبارہ اسے بیوفا نہ کرنا
جیتے ہیں جینے والے مرتے ہیں مرنے والے — عاشق کے غم میں دیکھو تم زلف وا نہ کرنا

ہاتھوں سے اونکی ضامن چھوٹی عناں تنکیں
آہیں تو کر چکے ہو نالے ذرا نہ کرنا

دنیا ہے دل کو لطف نوا ہائے راز کا — نغمہ صریر خامۂ معنی طراز کا!

ہوں ناظرِ ناظرِ اسرارِ کائنات
میرا ہر ایک شعر ہے گنجینہ راز کا

ترکش ضرور تیروں کے رکھنے کو چاہیے
گھر دل میں کیوں نہ ہو مژہ ہائے دراز کا

کچھ اور بڑھ گئی ہیں ادھر بے نیازیاں
الٹا اثر پڑا یہ فسونِ نیاز کا

اب دل کو آرزو بھی نہیں مہر و لطف کی
خوگر میں ہو چکا ہوں ستم ہائے ناز کا

اک عرصۂ دراز سے وہ سنگ آستاں
ہے سجدہ گاہ میری جبینِ نیاز کا

ضامن یہ رعبِ عصمتِ دلدار دیکھنا
وحشت میں بھی خیال ہے اخفائے راز کا

کوئی مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ یاور اپنا
ہاں کچھ ارمان ہیں اور ایک مقدر اپنا

جز غم و رنج و الم وحشت و تنہائی و یاس
عشق کی راہ میں کوئی نہیں رہبر اپنا

ہوگا دنیا میں نہ ہم سا بھی کوئی خانہ بدوش
جس جگہ بیٹھ گئے بس ہے وہی گھر اپنا

ایک دو جام جو ساقی ہمیں دیدیتا ہے
زاہدو بس ہے یہی بادۂ اطہر اپنا

دیکھیں ہے کس کے مقدر میں شہادت لکھی
سان پہ آج چڑھاتے ہیں وہ خنجر اپنا

کوئی اتنا بھی نہیں ہے جو کرے چارہ گری
فائدہ پھوڑ کے اے وحشت دل سر اپنا

پوچھتے حال کچھ اس خانہ برانداز کا ہم
ایک دم بھی جو ٹھہرتا دل مضطر اپنا

کس لیے مفت میں بدنام کریں وحشت کو
کوہ و صحرا میں پھراتا ہے مقدر اپنا

کچھ نہ حاصل ہوا الفت میں تو کیا ضامن
حال تم نے کیا بیفائدہ ابتر اپنا

کچھ حال نہ پوچھیے ہمارا
الفت نے بتوں کی مفت مارا

ان سے تو نہیں امید باقی
ہاں دیتی ہے آرزو سہارا

دل ہی نہ رہا ہزار افسوس — جھگڑا تھا جس کے دم کا سارا
باتیں نہیں کیں یہ سخت تم نے — پتھر مرے دل پہ کھینچ مارا
حیران ہوں خود کہ عرصۂ عمر — کیا جانیے کس طرح گذارا
کیوں سر پہ لیا یہ خون ناحق! — کیوں عاشق بیکسں کو مارا
واللہ تری جفا نے ظالم! — دل کر دیا میرا پارہ پارا
اللہ ری تیری بے وفائی — دل پاتے ہی کر گیا کنارا
کھو بیٹھے اوسے بھی ہائے افسوس — اک دل تھا جو آفتوں کا مارا
دعوی ہے تجھی سے خوں بہا کا — تیری ہی ادا نے مجھ کو مارا
دل سے زچ آ گیا تھا میں بھی — اچھا ہوا کر گیا کنارا!
دل ہی میں رہی امنگ دل کی — گو ہم نے اسے بہت ابھارا
اس بحر الم کا بھی الٰہی — ہوگا آخر کہیں کنارا

رکھیں کس سے امید ضامن
اللہ کا ہے مگر سہارا

جفا کرتے نہ تھا طالب میں تم سے مہربانی کا — مگر اس بیرخی نے لطف کھویا زندگانی کا
خیال یار گھبرایا ہوا ہے تنگی دل سے — اس اجڑے گھر میں کچھ ساماں نہیں ہے میہمانی کا
بقائے محض تھی پہلے مگر تیری اداؤں نے — سکھایا ہے قضا کو یہ طریقہ جاں ستانی کا
شکوں کیونکر نہ مثل اشک شرم بے زبانی سے — کہ شمع بزم ہے شیوہ تری آتش زبانی کا
نہیں زنہار منشائے قناعت پستی ہمت — مگر بے غیرتی کیوں ہو وسیلہ کامرانی کا
دو عالم کی بقا کا ہے فنائے عشق سرمایہ — یہ مرنا غازہ ہے روئے حیات جاودانی کا

نظر یہ انقلاب آئے سرائے دہر میں ضامن
کہ ہے غم کا محل وہ دل جو گھر تھا شادمانی کا

۱۳۱۳ھ

ملال کیا ہو نہیں ہے ضامن زمانہ گر دست دار اپنا
ہے اک مقدر رسا ہمدم اپنا ہے دل سا اک غمگسار اپنا

یتیم معنی کی پرورش کو نہ کیوں رہے وا کنار اپنا
کہ ہم نہ ہوں گے جہاں میں جسدم تو ہوگا یہ یادگار اپنا

وہ ذی حمیت ہے جو کسی حال میں نہ دے اعتبار اپنا
ہزار گردش ہوئی فلک سے مگر نہ کھویا وقار اپنا

عبث ہے اظہار عشق اے دل خموش کیا تجھکو اس سے حاصل
اوسے ترا اعتبار ہوگا نہیں جسے اعتبار اپنا

ہیں کہتے سب لوگ جس کو دنیا وہ ہے طلسمی کوئی مرقع
دلوں کو گرویدہ کرلیا ہے دکھا کے نقش و نگار اپنا

ہے میرا دل نخل زار حسرت یہاں عمل ہے سدا خزاں کا
چمک چمک کر دکھا رہی ہے کسے یہ جلوہ بہار اپنا

ہو کہکشاں جسکو سمجھے سمجھو شگاف تیغ حوادث اوسکو
فلک دلاتا ہے تم کو عبرت دکھا کے سینہ فگار اپنا

غرض نے خودداریوں کو ضامن بدل دیا چاپلوسیوں سے
ہزار افسوس اپنے ہاتھوں سے ہم نے کھو یا وقار اپنا

نہ تو خنجر نہ گلا اور نہ جلاد رہا
آنیکا وعدہ کیے جائیے جاتے جاتے
درسگاہ ہوس اب مدرسۂ عشق بھی ہے
مل گیا ظلم کا دنیا ہی میں ظالم کو عوض
مٹ گیا نام جو تصویر تری کھینچ نہ سکی

۱۳۱۳ھ

قصۂ ظلم زمانے کو مگر یاد رہا
کبھی ہو جائیگا پورا ابھی اگر یاد رہا
نہ وہ شاگرد رہے اور نہ وہ استاد رہا
کر ئہ نار سدا تھا نہ حمدا د رہا
کچھ دنوں شہرۂ نقاشی بہزاد رہا

سرکشی اور ہے اور جرأت اخلاقی اور
دیکھنا خانۂ احساں کو نہ کرنا برباد

چھاؤنی یاس نے چھائی جو امیدیں نہ رہیں
کیا ہوا سرد اگر نام کو آزاد رہا!

یہی اک گھر ہے جو ہر عہد میں آباد رہا
دل ہے وہ شہر اجڑنے پہ بھی آباد رہا

باتیں وہ کیجیے ضامنؔ جو ہوں شایانِ وفا
لطف کیا لب پہ اگر شکوۂ بیداد رہا

۱۲۲

رہے دنیا میں نام نیک حاصل کر کمال ایسا
بقا ہو جس کو غافل ہے جمال ایسا نہ مال ایسا

بڑھایا بے نیازی نے تمہاری دلربائی کو
وگرنہ ہم نے دیکھا ہے بہت حسن و جمال ایسا

شکستِ توبہ سے بھی کم ہے جس کے ٹوٹنے کا غم
کہو جمشید سے رکھتے ہیں ہم جامِ سفال ایسا

الٰہی تو بچا دل کو کسی کی زلفِ پیچاں سے
نظر آتا ہے کچھ مجھ کو اس آئینہ میں بال ایسا

ہوا کیا تجھ کو حاصل ہم غریبوں کی اسیری سے
بچھایا کیوں بساطِ دہر پر صیاد جال ایسا

مریضِ عشق کی رشکِ مسیحا لے خبر جلدی
نہیں دیکھا کسی بیمار کا ہم نے تو حال ایسا

بتائیں کس طرح فرشِ رہِ اغیار ہم اسکو
نہیں پر وسعت اپنا یار داماں خیال ایسا

گراں اب بھی دلوں پر ہے کہ جسم ناتواں میرا
کھٹکتا ہے عدو کے دیدۂ بد بیں میں بال ایسا

سنایا جاں فزا مژدہ کوئی قاصد نے کیا ضامنؔ
نہ دیکھا تھا کبھی ہم نے ترا چہرہ بحال ایسا!

۱۲۳

قلب اپنا مطمئن نہ تہِ آسماں ہوا
ایسا بھی ہوگا دل کوئی جو شادماں ہوا

دنیا میں پاسِ وضع کا وجہ زیاں ہوا
اچھا رہا جو تابعِ رسمِ جہاں ہوا

تقدیر تھی مخالف تدبیر ہر روش
جو کچھ ہمارے پیشِ نظر تھا کہاں ہوا

خوئے کرم کا ہوتا ہے اظہار وقت پر
رنگِ اثر نہ روئے دوا سے عیاں ہوا

اوس کے خفا ہی میں رہنے میں ہو جان دل کی خیر
اچھا ہوا نہ یار اگر مہرباں ہوا

بدلا کبھی نہ مسلک رفتار اہل وضع!
مغرب سے آفتاب نہ اکدن عیاں ہوا

نشو ونما سے پہلے ہی پامال ہو گیا!
میں مثل سبزہ خلق نہ آسماں ہوا

ضامن ہمارا مایۂ ناز ایک دل تھا صرف
آج اونکی اک نگاہ میں وہ رائگاں ہوا

خوبی قسمت سے ساقی ہم کو ہرجائی ملا
بادہ پیمائی میں لطف بادہ پیمائی ملا!

جو ملا در سے ترے درخور دارائی ملا
سر بلند کیا نشان داغ جبیں سائی ملا

دل وہی دل ہے جسے الفت میں داغ و نالہ سے
سوز زردشتی ملا ساز نکیسائی ملا

لگ گئی آخر کھٹکا نے تیزی دندان آز
جب کہ خوان یاس پر حکم جگرخائی ملا

عشق کے ہاتھوں میں ہے اب جیب ناموس حسن
دامن تمکیں سے دست ناشکیبائی ملا

عقل تھی آئینہ دار حیرت انجام کار
کیا کریں خلوت میں وہ محو خود آرائی ملا

کاش ہوتا قیس کو کچھ پاس آداب وفا
سفلہ تھا آخر لقب مجنون صحرائی ملا

خضر فرخ پے کہاں ہیں ہمکو راہ عشق میں
کوئی مجنوں کوئی وحشی کوئی سودائی ملا

بزم مستوں کی ہے ضامن جو دل چاہے ترا
چھیڑ حکمت کا ترانہ ساز دانائی ملا!

عشق عالم میں اگر باعث رسوائی تھا
کس لیے حسن طلب گار تماشائی تھا

اور دل تھا جسے دعوائے شکیبائی تھا
ہاں کبھی وصل کا اوس کے میں تمنائی تھا

تیری امید میں اعجاز مسیحائی تھا
ورنہ دشمن مری جاں کا غم تنہائی تھا

خلوت عاشق و معشوق تھی بزم حیرت
تھا از خود رفتہ وہ یہ محو خود آرائی تھا

عافیت سوز تھی انوار تجلی کی جھلک
اون سے شکوہ ہے تغافل کا عبث اے دل زار
پختہ کاران محبت میں نہیں اون کا شمار
آج کام نہ ہوئی وسعت دامان نظر
خاک بھی ہو مری صرف خم و ساغر ساقی
آپ کے نام سے بھی ہم تو نہ واقف ہوتے

وہی اچھا تھا جو نادیدہ تمنائی تھا
سامعی ناز نرا عذر شکیبائی تھا
قیس مجنون تھا فرہاد بھی سودائی تھا
دولت دید کا مدت سے تمنائی تھا
نام رہجائے کہ یہ بھی کوئی صہبائی تھا
اوسکا احسان ہے جو دیدہ تماشائی تھا

شکل اک آئینہ دل میں دکھا کر ضامن
کہدیا اون سے غلط دعوے یکتائی تھا!

وصف رخ زیبائے بتاں ہو نہیں سکتا
بیتاب ہے دل ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
جو تار ہے تار نفس تفتہ دلاں ہیں
پردرد محبت ہے مرا افسانہ نہ پوچھو
آنکھوں سے یہ ظاہر ہے دعا شوق ہے کسی کا
اک دل کے عوض ملتے ہیں لاکھوں درم داغ
جس شخص کی طینت میں نہیں لطف و مدارا
ہے عشق دل زار کو جس پردہ نشیں کا

اللہ کی قدرت کا بیاں ہو نہیں سکتا
افسوس کوئی راز نہاں ہو نہیں سکتا
اوس زلف پہ سنبل کا گماں ہو نہیں سکتا
کیونکر وہ سنو گے جو بیاں ہو نہیں سکتا
جبتک کہ نہ ہو آگ دہواں ہو نہیں سکتا
ہاں عشق کے سودے میں زیاں ہو نہیں سکتا
ہرگز کبھی ممدوح جہاں ہو نہیں سکتا
اوس تک گذر وہم و گماں ہو نہیں سکتا

خم ہو گئی ضامن کی کمر بار الم سے
اس عمر میں یوں پیر جواں ہو نہیں سکتا

بحر کو قطرہ تو میں قطرے کو دریا سمجھا
ہے طلسم نظری ہستی دنیا سمجھا!

(۱۸۱۶)

کس طرح دے کوئی یارب اسے الفت کا ثبوت
داغ دل میں نے دکھایا تو سویدا سمجھا!

کوئی بیجا تو نہ تھا حالت دل کا اظہار
پھر مرے کہنے کو کیا جانے وہ کیا سمجھا!

شعبدہ چرخ نے تازہ جو دکھایا کوئی
تو اسے بہان ہستی کا میں تماشا سمجھا

ہوگئی میری وفا خود غرضی پر محمول
غیر جو کچھ وہ ستمگر مجھے سمجھا! سمجھا

نہ رہی طاقت پرواز تو شاہین امید
ہستی طائر مقصود کو عنقا سمجھا

میں وہ مایوس تمنا ہوں کہ اے بخت سیاہ
سایۂ بال ہما کو ترا سایہ سمجھا!

کچھ ہوس نے حق و باطل میں نہ کرنے دیا فرق
شعلۂ خس کو بھی میں شمع تجلی سمجھا

کھو دیے ایسے غم فرصت ہستی نے حواس
چشمک برق کو میں زیست کا عرصہ سمجھا

ناز بیجا کے اٹھانے کی ہے طاقت کس کو
ضامن اچھا ہو اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھا

(۱۸۱۸)

لقب ہو اگر ہے مسیحا کسی کا
کیا کچھ کسی نے مداوا کسی کا!

ہے داغ چشم خورشید بہر تماشا
بہت دور پہنچا ہے شہرہ کسی کا

بنا ہے کہیں کوئی گلچین نشرت
اجڑتا ہے باغ تمنا کسی کا

کسی کی شبستان خلوت بنا دل
ہے شمع حرم داغ سودا کسی کا

ستم بھی بجا ہے جفا بھی روا ہے
جو ہو کچھ کسی نے گوارا کسی کا

ہے دلچسپ آہنگ ساز حقیقت
ہو رونا کسی کا کہ ہنسنا کسی کا

چراغ لحد ہوگا داغ تمنا
ہمیشہ رہا دل میں جلوہ کسی کا

ابھی تک ہیں چرچے زخود رفتگی کے
کیا تھا کسی نے نظارا کسی کا

مٹے ہم تو گرویں جینا پڑیگا
ہے موقوف مرنے پر آنا کسی کا

تمنا نے ہیں جو وار پڑتا ہوا اوچھا
اوقفس بھاگیا ہے تڑپنا کسی کا

کوئی زہرہ وش آغوش میں ہے
ہے برج شرف میں ستارا کسی کا

تصور کی صورت گری دیکھ ضامن
کھنچا صفحۂ دل پہ نقشہ کسی کا

سنبھالیگی دل، اک ہمت کسی کا — ہے منہ پھیر لینا قیامت کسی کا
ہوس نے جو کی حسن پڑھنے کی خواہش — تو مانع ہوا رعبِ عصمت کسی کا!
پچھتاتے رہیں گے پسند آگیا ہے — الٹا بساطِ محبت کسی کا!
کہیں کیا سر بزم کیا گراں تھا — نہ کرنا وہ صاحب سلامت کسی کا
تڑپتا ہے دل نالہ کرنے کو لیکن — ہے روکے ہوئے پاس الفت کسی کا
اگر زندگی ہے بتادیں گے اک دن — کہ سچا تھا جذبِ محبت کسی کا

سزا پا چکے دل لگانے کی ضامن
کریں گے پھر اب عشق حضرت کسی کا

ہم پہ ٹوٹا بھی اگر کوہِ الم کیا ہوگا — تم سمجھ لو اسے انجام ستم کیا ہوگا
دل ہیں ہمجوار دل کے آئینۂ اسرار الست — ہاتھ آیا بھی اگر ساغرِ جم کیا ہوگا
نہ زمانہ ہی موافق نہ تعلق ہی وسیع! — جان جائیگا ہم آزادوں کو غم کیا ہوگا
جب یہ ثابت ہے کہ ہے عالم اغراض حباب — پھر کسی کا کوئی ممنونِ کرم کیا ہوگا
عشق کی اول منزل ہی میں ہم بھول گیا — گر چلے اور بھی دو چار قدم کیا ہوگا
سادگی سادہ مزاجی ہے تواضع کی دلیل — سر پھرا ہے جو ہواؤں سے وہ خم کیا ہوگا

اس زمانہ میں نہیں قدر سخن کی ضامن
گرد کھائے بھی کوئی زورِ قلم کیا ہوگا

لیجیے بیمار فرقت آج اچھا ہو گیا — دستِ مرگ اس کیلئے دستِ مسیحا ہو گیا

ابرِ نیساں آبیار اور بوئے گل تھی آبکار
خود بخود سیرِ چمن سے کیف پیدا ہو گیا

وجہِ دلتنگی ہے گوہر کو جدائی بحر کی!
مل گیا جو قطرہ دریا میں وہ دریا ہو گیا

شورِ بیتابیِ دل تھا سازو برگِ بیخودی
نالہ صوتِ قلقلِ مینائے صہبا ہو گیا

عشق تھا ازبسکہ ویراں سازِ شہرِ آرزو
دامنِ دل روکشِ دامانِ صحرا ہو گیا

ہم نے کھینچی اس چمن میں زحمتِ بیحاصلی
ہر طرازِ رنگ عکسِ بالِ عنقا ہو گیا

دیکھنا بالیدگی ذوقِ عرضِ مدعا
گوشۂ دل محشرستانِ تمنا ہو گیا

تھی علاجِ وحشتِ دل بسکہ ازخودرفتگی
بادہ پیمائی جو چھوڑی بادپیما ہو گیا

تھا دل خواں گشتہ کیا خمخانہ رنگِ نشاط
زخم کا لگنا شکستِ مہرِ صہبا ہو گیا

ضعف نے رکھ لی رہِ الفت میں شرم بیکسی
نقشِ پائے رہرواں ہمدم ہمارا ہو گیا

برق کیا جانے کسی دل پر گری یا طور پر
آج لیکن پھر کوئی نذرِ تماشا ہو گیا

بحثِ ماہیت سے ہو کیا ہم کو فکرِ قبض و بسط
بحر قطرہ ہو گیا یا قطرہ دریا ہو گیا

۱۲۱۵ھ

دل سے ضامن کی نہیں حاشا تری پردہ دری
ضبط سے باہر ہوا جب درد نالہ ہو گیا

طریقِ عشق میں بے سود ہے زادِ سفر لینا
اگر درکار ہو کچھ درہمِ داغِ جگر لینا

کہاں اظہارِ دردِ دل کہاں اُنکا یہ فرمانا
چلو اچھا ہوا جو ہو سکے تم سے دوا کر لینا

جو ہو تدنظر سیرِ سوادِ کشورِ الفت
تو پہلے چاہیے تیغِ ادا کے گھاٹ اتر لینا

لٹا جی کھول کر پہلے خزانہ دیدۂ تر کا
پھر اے دل جیب و دامن گوہرِ مقصد سے بھر لینا

کبھی کی رو شناسی ہو تو وعدہ پر بھی دل دیدیں
کھرا سودا بہت اچھا ادھر دینا ادھر لینا

چھپی رہنا ابھی آرزو دل ہی کے پردوں میں
اگر مل جائے کچھ موقع تو تھوڑا سا ابھر لینا

یہ شوخی دیکھیے کہیے اگر میں تم پہ مرتا ہوں
تو فرماتے ہیں ایسی کیا ابھی جلدی ہے مر لینا

ہٹا دہ امتحاں کے معرکہ سے بوالہوس پیچھے
کہاں جاتا ہے اب تلوار پڑ اسکو بھی دھر لینا

۱۲۱۵ھ

گریباں پھاڑتا وہ صبح کا وہ دل کا شق ہوتا
قیامت تک نہ بھولے گا ترا اذن سفر لینا

غزل میں جب نہ ہوں مضموں طبیعت کند ہوتی ہے
یہ کیا سیکھا ہے ضامن رطب و یابس لیکے بھر لینا

(۱۳۱۵)

ہے یہ داماں ترز اہد کف مے نوش میں دریا
نچوڑ ے گر ابھی رحمت کا آئے جوش میں دریا

نہ برسے ابر اتنا کہدو آئے ہوش میں دریا
لیے ہے ایک اک آنسو مرا آغوش میں دریا

حجاب تیرہ بختی میں ہے شورش یاس و حسرت کی
کہ جیسے سنسنا تا ہو شب خاموش میں دریا

نہیں تر دامنی کا خوف ہر گز صاف باطن کو
ہے خشک آئینہ گو رکھتا ہے یہ آغوش میں دریا

اگر ہوں سے بھی ہے لازم حذر غصہ کی حالت میں
کہ اندیشہ ہے طوفاں کا جو آئے جوش میں دریا

گنہ کی پیاس کب بجھتی ہے بخشش سے کریم کی
ہے اک ساغر سے بھی بد تر کف مے نوش میں دریا

بھلا ہوتا ہے کیا اس شیشہ و ساغر سے رندوں کا
منگا کر رکھدے ساقی بزم نوشانوش میں دریا

ہتب وعدہ فلک کیوں پانی برسانے لگا ضامن
بھرا تھا کیا کہیں اس نیلگوں سرپوش میں دریا

(۱۳۱۶)

تری نظر سے نظر جب ملی یہ حال ہوا !
کہ سر بھی دوش پہ اپنے مجھے وبال ہوا

ڈبو یا اشک ندامت نے دفتر عصیاں !
گنا ہگاروں کو تیرے جب انفعال ہوا

تمھارے گلشن خوبی سے پھول چن لائے
کبھی دراز اگر دامن خیال ہوا !

نہیں ہے عرش فدا صرف بام عروج
غرور جس نے کیا مورد زوال ہوا

ہوائے یاس کی موجوں نے رنگ یہ باندھا
دراز دشت ہوس میں تمنا کا جال ہوا

کبھی تو چاہیے فکر معاد اے غافل
غضب ہے مال ہی زیست کا مآل ہوا

تمھاری بزم سے اٹھتے ہی مر گیا عاشق
یہ کیا کہا کہ جو اتنا اسے ملال ہوا

فراق یار میں مونس ہو کوئی کیا ضامن
گیا وہ پاس سے جب غیر اپنا حال ہوا

۱۲۱۶

میں جھکا کر جو سر عجز مقابل ٹھہرا !
روکش طاق حرم ابروئے قاتل ٹھہرا

دل کے حق میں ہوئیں امواج فنا ذوق اٰن
گر کے منجدھار میں ڈوبا لب ساحل ٹھہرا

خواب ہستی کی بجز مرگ نہیں کچھ تعبیر
اک یہی حرف تھا مطلب کا جو باطل ٹھہرا

ہم سے فرقت میں تری جان بھی دیتے نہ بنی
سہل جس کام کو سمجھے وہی مشکل ٹھہرا

غمزدہ آپ کے ہیں قید تعلق سے بری
نالہ ہو کر کہیں پابند سلاسل ٹھہرا !

قطرہ قطرہ ترے الطاف کا دریا نکلا
اور وہ دریا کہ نہ جس کا کوئی ساحل ٹھہرا

نہیں نخوت کی ہوا جس میں وہی فرق نیاز
آستان حرم ناز کے قابل ٹھہرا !

عرصۂ عمر ہے کم راہ طلب دور و دراز
دیکھ ناداں نہ گزرگاہ کو منزل ٹھہرا

آپ کھوتے گئے ہم خضر کے پیرو بن کر
جذب ناقص سبب دوری منزل ٹھہرا

دل حیرت زدہ ہے محو جمال رخ دوست
بن کے آئینہ یہ تصویر کے قابل ٹھہرا

داغ دل سوز جگر دیدۂ تر نالۂ زار
کشور عشق کا ضامن یہ محاصل ٹھہرا

۱۲۱۶

نبض ساقط ہوئی دم بند ہوا دل ٹھہرا
قافلہ آج وفا کا سر منزل ٹھہرا !

اختلاج اور بڑھا زلف کا سودا کر کے
ہو کے پابند سلاسل نہ کبھی دل ٹھہرا

آنکھ ملتے ہی کیا تیغ ادا نے زخمی
پڑ گئے جان کے لالے جو ذرا دل ٹھہرا

مدت العمر جسے سوچتے گذری انجام
عاقبت میں وہی انجام سے غافل ٹھہرا

آج انکار ہے ملنے سے خدا کی قدرت
پہلے میں عہد وفا لینے کے قابل ٹھہرا

سچ ہے خورشید سے کون آنکھ ملا سکتا ہے
جلوۂ حسن ترا پردۂ حائل ٹھہرا

یاد مونس ہے کہیں عالم تنہائی میں ! — اور کہیں ذکر ترا رونق محفل ٹھہرا
بن گیا عشق میں دل آئینۂ حسن ازل — شیخ یہ بتکدہ کعبہ کے مقابل ٹھہرا

ہے بہت مطلق و مختار میں فرق اے ضامن
کیا ہوا مبدء افعال اگر دل ٹھہرا

(قطعہ)

بنایا گھر جو دل داغدار میں کیا تھا — تمھیں بتاؤ اس اجڑے دیار میں کیا تھا
نہ ہوتی عشق کی گر ٹیٹ از خمیر انساں میں — تو لطف ہستی ناپائدار میں کیا تھا
خوشی خوشی اوسے سر پر لیا جو پیش آیا — سوائے جبر مرے اختیار میں کیا تھا
کہاں وصال میں پوری ہوئیں سب امیدیں — میں کیا بتاؤں مزہ انتظار میں کیا تھا
گلوں کی جامہ دری بلبلوں کی فریادیں — بس اور آمد فصل بہار میں کیا تھا
دبا کے مجھ کو بجز آب شرم کیا پایا — حصول قبر کو اپنے فشار میں کیا تھا
ہماری خاک کو سجدے کیے فرشتوں نے — عروج قسمت مشت غبار میں کیا تھا
یہ رنگ تھا نہ یہ بو تھی تمھارے گیسو کی — تھا خون بستہ وہ مشک تتار میں کیا تھا

نجات روز کے جھگڑوں سے مل گئی ضامن
گیا گیا دل بے اختیار میں کیا تھا

(قطعہ)

جسکو ہم سمجھے تھے اختر وہی اخگر نکلا — دشمن خرمن امید مقدر نکلا !
دل ہی دل زلف میں کافر کے نظر آتے ہیں — سرو سمجھے تھے جسے ہم وہ صنوبر نکلا
کس قدر ہے مری جانب سے کدورت رب — اشک بھی اونکے تصور میں مکدر نکلا !
عشق کا دل کی بدولت ہوا دنیا میں رواج — شان اللہ کی قطرے سے سمندر نکلا
دشت وحشت میں نہیں ہے کوئی ساتھی تو نہ ہو — ہر بگولا ترے دیوانہ کا رہبر نکلا

شوق نظارہ اونہیں تھا سے ہو خواہش وصل
حوصلہ دل کا تو آنکھوں سے بھی بڑھکر نکلا

غیر کیا تھ دم نزع وہ آئے ضامن
دل کا ارمان جو نکلا بھی تو کیونکر نکلا

دل لگا کر اون سے ناحق منفعل ہونا پڑا
عمر بھر اپنے کیے پر آپ ہی رونا پڑا
سر سے سودا بالش سنجاب کا جاتا رہا
ہو سبب اغراض کا لینا پڑا احسانِ خلق
دل زمانہ کی کشاکش نے دیے سارے نکال
حضرت دل نے کیا سودائے الفت اذیں
صورتِ گلہائے باغ اور ابرِ نیسان خلق میں

۱۳۲۰

ہجر میں رو رو کے بینائی کو بھی رونا پڑا
داغ بدنامی کو آبِ اشک سے دہونا پڑا
پاؤں پھیلا کر جو خاک قبر پر سونا پڑا
بھاگتے تھے جس سے آخر بوجھ وہ ڈھونا پڑا
اینڈتے تھے جو بہت سید ہا انہیں ہونا پڑا
جاں سی انمول شے کو مفت میں کھونا پڑا
ایک کے ہنسنے کی خاطر ایک کو رونا پڑا

اُن کے جھوٹے وعدوں نے ایسے دکھائے نیر باغ
ڈیہ میں ضامن ہمیں تخم امل بونا پڑا

یوں کھل جاتے ہے اس کا سفلہ پن ثابت ہوا
تم ملے مجھ سے ہوا حاصل تاقِ زندگی
دل ہے اپنی ذات سے اک محشرستانِ خیال
اجلے کپڑوں میں نہیں چھپتی سیاہی عمل
بڑھ گیا خوں جگر سے دل کے آنسو کا وقار
پہلے کہہ جاتا تھا سب کچھ "در حدیث دیگراں"
ساتھ میں دل کے اٹھائیں کیسی کیسی گردشیں

۱۳۲۱

آس طفل اشک کی تھی بدچلن ثابت ہوا
آج جا کر ارتباط جان و تن ثابت ہوا
اس کے دم سے کنج عزلت انجمن ثابت ہوا
مسئلہ یہ قبر میں زیر کفن ثابت ہوا
جسکو سمجھے تھے گہر لعل یمن ثابت ہوا
ضبط کر نے سے مرا دیوانہ پن ثابت ہوا
خضر سمجھے تھے جسے وہ راہزن ثابت ہوا

کب ہے نخلِ بے ثمر کی قدر کیا حاصل اگر
حسنِ قامت سے کوئی سروِ چمن ثابت ہوا
ہو کے آنسو سوزِ الفت سے بہا دل مثلِ شمع
دامنِ تر میرا دامانِ لگن ثابت ہوا

دی کبھی فرقت میں گر احباب نے تکلیفِ سیر
خارزارِ یاس ضامن ہر چمن ثابت ہوا

دل میں خیالِ جلوۂ جاناں نہ آگیا
ذرہ میں نورِ مہرِ درخشاں سما گیا !
اب کیا بتائیں عشق کے سودے میں کیا گیا
اک دل کے ساتھ جینے کا سارا مزا گیا
ساقی ہے اس قدر مجھے کیوں بیخودی کا جوش
کیا سب مئے الست میں تنہا چڑھا گیا
آشفتہ سر ہوں وہ ہے مرا حرفِ مدعا
پانی پہ کلکِ موج سے جو ہو لکھا گیا
کیا کیا گمان ہم کو سرابِ ہوس پہ تھے
دستِ ہوائے یاس اوسے بھی مٹا گیا
نورِ نگاہ جو ہے وہی شعلۂ جمال
مانندِ برق خرمنِ ہستی جلا گیا
عادل کے آگے تھی کسے عذرِ گنہ کی تاب
دہشت سے بند بند مرا تھرتھرا گیا

ضامن یہ خامشی ہے تری ترجمانِ عشق
کہ یا نہ کہ زبان سے میں بھید پا گیا

لفظِ کن خامۂ قدرت نے نہ لکھا ہوتا
تم نہ ہوتے تو فقط نام خدا کا ہوتا
سازِ ہستی سے ہے کیوں نغمۂ شادی کی امید
سببِ گریہ ہو لو تو سمجھا ہوتا
تو نے کیوں چھیڑ دیا تذکرۂ شوق اے دل
اوسکو منظور جو ہوتا وہی اچھا ہوتا
مبتلائے غمِ ہستی کیا آزادی نے
کہیں اچھا تھا اگر سلسلہ برپا ہوتا
ق صلۂ تلخیِ غم ہے طربِ خلوتِ انس
آپ میں آکے سوئے غیر نہ دیکھا ہوتا
جانتا انجمنِ عیش ہے یہ بزمِ خیال
چشم سر نید مگر دیدۂ دل وا ہوتا

بیخودی جلوہ محبوب کی تھی آئینہ دار ۔۔۔ ہوشیاری کا بدل عالم رویا ہوتا
جب مزا تھا کہ اکیلا وہی رہتا دل میں ۔۔۔ اوس کا خلوت کدہ آغوش تمنا ہوتا

لطف سرگشتگی شوق تو ملتا ضامن
بادہ پیمانہ سہی بادیہ پیما ہوتا

قلب بسمل ہے کسی کی شوخی تحریر کا ۔۔۔ کیا قلم میں تھا زباں کے بدلے پیکان تیر کا
ہے ابھی تو دل میں کانٹا نالہ شبگیر کا ۔۔۔ لائیگی تاکید ضبط عشق پھل شمشیر کا
عشق کی نیرنگیاں ہیں کسقدر عبرت فزا ۔۔۔ چشمہ ہے زخم سر فرہاد جوئے شیر کا
وصل شیریں چاہتا ہے جان شیریں کر نثار ۔۔۔ یہ تو اک حیلہ ہے اسے فرہاد جوئے شیر کا
ہے مآل سعی بیجا شدت سوز نفس ۔۔۔ یعنے جو ہر تھی امید انشای آتشگیر کا
بیگناہی حضرت یوسف کی وہ ۔ وہ قید غم ۔۔۔ حلقہ حلقہ چشم عبرت بن گیا زنجیر کا
جوہر قابل کو حاجت کچھ نہیں اصلاح کی ۔۔۔ دخل شمع ماہ تک ہوتا نہیں گلگیر کا
حیرت اور ہو پردہ دار بیحجابی ہائے حسن ۔۔۔ آئینہ میں اور ہی عالم ہوا تصویر کا
چشم ظاہر بیں ہے کیا مسحور افسون نمود ۔۔۔ دوسرا رخ تو کوئی دیکھے کبھی تصویر کا
گر رہے گردن پہ رہتے وے کسی کو کیا خبر ۔۔۔ دیکھ دامن میں نہ بھر جائے لہو نخچیر کا
عاشقوں کی زندگی بھی موت ہی واللہ ہے ۔۔۔ ہے رگ جاں جہاں ڈورا اتری نشتر کا
سب سہارے چھوڑ دے پھر دیکھ کیا کرتا ہے وہ ۔۔۔ بیستوں میں کہتے ہیں چشمہ ہے جوئے شیر کا
ہیں گل داغ جنوں کے سینہ میں تخم من لگے ۔۔۔ رکھ خیال اے آہ اس طومار آتشگیر کا
سر کٹا کر شمع نے حاصل کیا دونا فروغ ۔۔۔ رو سیاہی منفعت کی حصہ ہوئی گلگیر کا!
رہنما صیاد کی ہو جبکہ خود اوسکی قضا ۔۔۔ مثل گل بو کیوں نہ دے نقش قدم نخچیر کا
کون مارے اوسکو جو ہو کشتہ تیغ ادا ۔۔۔ سخت جانی سے مری دم بند ہے شمشیر کا
معنی روشن ہے شمع زیر دامان کمال ۔۔۔ خوف صرصر اسکو ہے ضامن نہ ڈر گلگیر کا

ردیف بائے موحدہ

دیکھیں بیان زمانہ کی نیرنگیاں عجیب — اہل جہاں عجیب ہیں وضع جہاں عجیب
ہوئے معاشرت سے نہ رنگ بے موافقت — سے یہ طریق دوستی دوستاں عجیب
اغیار بے غرض ہیں تو احباب خود غرض — الفت عجیب تر ہے جو ہے مہرباں عجیب
گہ باعث مسرت و گہ باعث تعب — ہیں عالم خیال کی نیرنگیاں عجیب
ہوتا ہے اب زمین کی رفتار سے عجب — سمجھے تھے ہم کہ ہے روش آسماں عجیب
اٹھتے ہے دل میں ساری خدائی کی آرزو — واللہ یہ عجیب مکیں ہے مکاں عجیب

ضامن کو ہم نے پڑھتے سنا آج بزم میں
اوس نے تو کچھ نکالی ہے طرز بیاں عجیب

ملال کیا جو میسر نہیں وصال حبیب — مثل جہاں میں ہے مشہور النصیب نصیب
دکھائی دیتی ہے آئینہ خانہ دل میں — سمجھئے عروس تمنا بشکل ہائے عجیب
طلسم خانہ نیرنگ عشق ٹوٹا ہے — شکست دل کی یہ ہرگز نہیں صدائے مہیب
سمجھ میں آئی نہ کچھ دہر کی فسوں سازی — تماشے دیکھیے اس اسٹیج پر عجیب و غریب
فروغ حسن ہی تک تھی وہ دوستی ساری — کہاں گئے جنہیں سمجھے تھے آپ اپنا حبیب
ہماری بات بھی پوچھی نہیں کبھی صاحب — خدا کرے کہ نہ ہو او دنیا بنوا کو غریب
نہیں درستی افعال کی دلیل اقوال — صفائے دل نہیں لاتی ہے ظاہری تہذیب

خطائیں دیکھ کے یہ چشم پوشیاں کیسی
دل خراب کی ضامن ضرور ہے تادیب

واہ ری قید اے خوشا بخت رسائے عندلیب
سوج بوئے گل بنی زنجیر پائے عندلیب

وصل بھی گر ہو میسر تو خوشی ہوتی نہیں
بوالہوس جو ہیں یہ رمز انکو بتائے عندلیب

نالہائے جا و بیجا نے پریشاں کر دیا
اب تو کانوں کو نہیں بھاتی صدائے عندلیب

کون تھا دیتا جو فصل گل کے آنے کی خبر
عشق سوئے بوستاں ہے رہنمائے عندلیب

گل خزاں آ کر مٹا دے گی گلستاں کا نشاں
پھر چمن ہوں گے نہ ہوگی یہ نوائے عندلیب

چار دن کے واسطے کرتی ہے اپنیں گلزار
آج ہائیں سے ناحق شکوہ ہائے عندلیب

جانور ہے وہ کہاں سے لائے ضامن کا بیاں
بارہا ہم نے سنے ہیں نغمہ ہائے عندلیب

پوشیدہ ہیں وفا میں جفائیں عجب عجب
دکھلا رہے ہیں دوست ادائیں عجب عجب

آیا ہے پھر کے دل سفر راہِ عشق سے
قصے ہم آ کے تم کو سنائیں عجب عجب

رنگ بہار دیکھ کے بلبل بہت نہ پھول
اس بار نہیں چلی ہیں ہوائیں عجب عجب

قاصد عجب طرح کی تری گفتگو ہے آج
وہ مجھ کو اپنے گھر میں بلائیں عجب عجب

رحمت سے اپنی بخش دے گر وہ عجب نہیں
ہر چند ہم نے کی ہیں خطائیں عجب عجب

شور شکست دل ہے کہ ہنگامہ حشر کا
کانوں میں آ رہی ہیں صدائیں عجب عجب

ضامن کے درد کو ابھی سمجھے نہیں طبیب
تجویز ہو رہی ہیں دوائیں عجب عجب

پڑ گئی برق نظر کس کی سر جام شراب
آج اُبلی ہوئی ہے چشم تر جام شراب

چشم ساقی نے دکھایا ہنر جام شراب
رند بیہوش ہوئے بے اثر جام شراب

وہ دریبے تیرے اشارت سے [illegible] کرے ساقی
یعنی [illegible] عکس [illegible] سر جام شراب

(ایضاً)

سب کے سر جھکتے ہیں موج مئے مرد افگن سے
تیغ سر تیز ہے زیب کمر جام شراب

یدکا دن ہے عداوت ہی سے کہدے واعظ
کہ ہر آج ہے خون جگر جام شراب

ہ اگر کان گہر ہے تو یہ ہے معدن لعل
ہے صدف سے کہیں عالی گہر جام شراب

ر دست سے ہے دل مردہ کا جلانا دشوار
نہیں عیسی کو بھی آتا ہنر جام شراب

بنگ و بو غم دنیا کے لیے کافی ہے
تیغ موج مئے ناب و سپر جام شراب

شور قلقل نے دکھایا دم عیسی کا اثر
روح تازہ ہوئی پاکر خبر جام شراب

در سے مجھ کو جو ساقی نے کیا تھا محروم
ہو گیا خون سراسر جگر جام شراب

حر جنت میں بھی جاری ہے اسی کا چشمہ
بحر ذخار ہے زاہد ثمر جام شراب

رے خال رخ رنگیں پہ ہے مائل ساقی
پہلے کب داغ بدل تھا قمر جام شراب

ساتھ دل کے گئیں سب دل کی امنگیں ضامن
ہوس سیر گل اب ہے نہ سر جام شراب

(ایضاً)

دل کو چھوڑو ہے ایک خانہ خراب
پوچھو مژگاں سے آنسوؤں کا حساب

باخبر ساقی میں ایک ہیں دو تو
خون دل ہو کہ ساغر مئے ناب

سجدہ کرنے سے ہے غرض ہم کو
خم ابرو ہو یا خم محراب

عشق میں آئے خاک جی کو قرار
کہیں ٹھہرا ہے آگ پر سیماب

نظر شوق کو نہیں مانع
بیچ میں ہوں اگر ہزار حجاب

میری صورت ہے تیری شاہد حال
حرف ہیں کاشف رموز کتاب

حسن پر سب ہے عشق کا الزام
ہیں مقدم نتیجہ سے اسباب

ہو نہ ہو تیری ہی تمنا ہے
دل میں کرتا ہے کوئی دق الباب

بحث واعظ سے کیوں کرو ضامن
ہے خموشی ہی جاہلوں کا جواب

اپنی جفا سے آج جو قاتل کو ہے حجاب
خود کیوں نہ مر گیا ہی بسمل کو ہے حجاب

پردے جو راز کے ہیں وہ پردے ہیں ساز کے
عاقل کو آئینہ ہے جو غافل کو ہے حجاب

عہدہ فانہ نہم سکا اب کیا جواب دیں
ہے پیچ وتاب جان کو اور دل کو ہے حجاب

جو تونے آج تک دیا سب بے طلب دیا
اب مانگنے میں بھی ترے سائل کو ہے حجاب

اس پاشکستگی پہ بھی ہم تو نہ رک سکے
خود کیوں نہ کھنچ کے آئی یہ منزل کو ہے حجاب

ضامن ہو یا ہو قیس کسی ہرزہ گرد سے
کیونکر ملے کہ صاحب محمل کو ہے حجاب

ہاتھ میں جام بغل میں ہے مینائے شراب
عین ساقی کی تولا ہے تولائے شراب

روح بن جائے اگر راح تو کیا اچھا ہو
خون کے بدلے رگ و پے میں سما جائے شراب

ہم اسے جانتے ہیں جو ہمیں رکھے بیہوش
ہم اسے مانتے ہیں جو ہمیں پلوائے شراب

در میخانہ بہ بستند خدا یا مپسند
کہ ہو پیر و درِ تزویر و ریا جائے شراب

یہی دیں اور یہی ایماں ہے اپنا ضامن
عین ساقی کی تولا ہے تولائے شراب

ردیف یائے فارسی

داغ کھا کر ہم غریبوں کا نہ کچھ پائیں گے آپ
ایک دن اپنے کئے سے خود ہی پچھتائینگے آپ

جا نیوالے کو بھلا کب روک سکتا ہے کوئی
یہ تو کہتے جائیے پھر کب ادھر آئیں گے آپ

کیوں ہے ناصح کو تپش اصلاح حال عاشقاں
جو سمجھتا ہی نہ ہو کیا اس کو سمجھائینگے آپ

ہائے قاتل کا وہ کہنا کیوں ہیں سر پر خون لوں
موت گر قسمت میں لکھی ہے یہ مرجائینگے آپ

خانۂ دل کو غنیمت کرتے کیوں داغوں سے ہم
گر نہ ہوتی یہ امید اک دن ادھر آئینگے آپ

بان میں کر لیجیے یا چھوڑ دیجیے ایک آدھ ہاتھ
اب ہوا میں یوں ہی کب تک تیغ چمکائیں گے آپ

دمی بنجائیے بت یہ بھی ہے کیا کوئی ادا
کچھ تو آخر ہاں نہیں منہ سے بھی فرمائیں گے آپ

ہے تو پاس وضع ہے لیکن نہ ملیے پیشِ ہم
جانتے گر ہیکہ یوں دل لیکے تڑپائیں گے آپ

ا پریشاں ہے کسی کا لیجیے اسکی خبر
کب تک ان سلجھے ہوئے زلفوں کو سلجھائیں گے آپ

ہے ہمراہ ضامن قبر میں تصویرِ یار
اس اندھیرے گھر میں تنہا جا کے گھبرائیں گے آپ

ردیف تائے فوقانی

چسپیوں بغیر نہیں کاروبارِ زیست
یکساں نشاط و غم سے ہو قائم بہارِ زیست

شتے بھی اس چمن کے ہیں مانند گل عزیز
باقی ہی کیا رہے جو خزاں ہو بہارِ زیست

ناعز و کس لیے قاتل یہی کہ ہے
جیبِ فنا میں اک گہرِ مستعارِ زیست

خنجر ہیں کہ دیتے ہیں عمرِ ابد جان
اک دم ہو عمرِ خضر جو ہو ناگوارِ زیست

یت قلیل اسکام بہت ہیں ارے خیال
کرنا ہے جو وہ کر لو نہیں اعتبارِ زیست

نی تری ہے حکم ترا ہے تری امید
قائم ہے جس سے ہستی ناپائدارِ زیست

ے کا رنگ حاصل صد خرمنِ حیات
ہے نامِ نیک تاجِ سرِ افتخارِ زیست

زور کی شکست ہے یاں اور قوی کی فتح
کہیے نہ کاروبار ہے یہ ہے کارزارِ زیست

دفنا ہے گلشنِ ہستی کی آبیار
کھلتے ہیں گل قضا کے سرِ شاخسارِ زیست

ضامن خوشی سے کاشت و شادی ہوا کہ غم
دلچسپیوں بغیر نہیں کاروبارِ زیست

نی بھی فرطِ شوق میں لب تک نہ جی کی بات
کہتا ہے یوں ہی کوئی کسی سے کسی کی بات

۱۳۳

بلبل نے کیا کہا تھا جو گل سینہ چاک ہیں
قاصد عبث ہے کہ تجھے اخفائے راز میں
نازک بہت ہی ٹوٹ نہ جائے دل حزیں
کچھ کہہ کے بدگماں کو نہ ڈالو گمان میں
حیرت فروش حسن ہے حیرت مآل عشق

نازک دلوں سے اٹھ نہیں سکتی کسی کی بات
میں خوب جانتا ہوں جو ہے او نکے جی کی بات
عاشق سے اسطرح نہ کرو بیرخی کی بات
ٹھیرے گی دشمنی جو کہی دوستی کی بات
کیا کوئی آئینہ سے کہے آرسی کی بات

ضامن تجھے دل کیسا تھے وہ سب دل کے ولولے
کیا ذکر اس کا اب گئی گذری کبھی کی بات

۱۳۴

ابھی سے چھوڑا دل چھوڑنی ہے گر بری عادت
مصر ہو تو عبث ناصح محبت ترک کرنے پر
تجھے شوق عبادت ہی نہیں ذوق محبت سے
بہت اچھا نہ پینا بادہ کوثر نہیں واعظ

ہوئی دیرینہ جب جز و طبیعت ہو گئی عادت
کہیں اب چھوڑنے سے چھٹتی ہے اک عمر کی عادت
نہیں ممکن کہ ہو اے شیخ سب کی ایک سی عادت
مگر کہتے ہیں کم جاتی ہے پینے کی بری عادت

خدا سچا ہے ضامن دوست رکھتا ہے وہ سچوں کو
نہ سیکھو یہ بری خصلت نہ ڈالو جھوٹ کی عادت

۱۳۵

میرا جانا بیرخی اون کی ہے کل کی واردات
اک فسانہ عبرت انگیں ہو زمانہ کے لیے
جب نہیں تیرے ہیں پھر کیا ہم کو ان پر اختیار
اک نگاہ ناز پر تیری اوسے کر دوں نثار
ہو گا دنیا میں کھلاڑی عشق سا بھی کوئی کم
تلخ کامی ہم تجھی کو جانتے ہیں شربت

کچھ بھی غیرت ہے جو اے دل اب کرنا اونسے بات
گر لکھوں اونکو جو گذرے ہے میرے دل پر حالات
مال ہے دل بھی ترا اور جان بھی ہے تیرے ہات
مجھ کو مل جائے اگر دو تو جہاں کی کائنات
وہی چالیں چلتے پائے تجھ کو ہم نے کھائی مات
پر یہ سنتے ہیں کہ ہے اون کا دہن تنگ نبات

ہیں کچھ داغ تمنا کچھ جگر میں داغ عشق
یہ ہے میری ساری پونجی اور یہ ہے کل کائنات
ت سے بدتر ہے جینا مردہ دل کیواسطے
تشنہ کام عشق کے حق میں ہے سم آب حیات

کہیے غیروں سے کریں بدگوئیاں ضامن کی اور
اس کا شکوہ کچھ نہیں ہے واہ جیسی ویسی بات

ہم نے سو سو طرح نبائی بات
اوس کے دل کی مگر نہ پائی بات
بے سبب کیوں بگڑتے ہو مجھ سے
کر کے یاد درشتی سنائی بات!
مجھ سے سنیے نہ ذکر حور دل کا
شیخ صاحب یہ ہے پرائی بات
ناصحا چپ بھی رہ خدا کے لئے
ایک تیری نہ ہم کو بھائی بات!
کیا کہا میں نے دل کے بارے میں
کچھ تمہاری سمجھ میں آئی بات
عشق خود سر یہ چڑھ کے بول اٹھا
دل نے پھر بھی بہت چھپائی بات
بات کرتے نہ گر دہن ہوتا
یہ بھی ہے یار دل کی بنائی بات
تم کو دیکھا یہ آنکھ کا تھا قصور
دل نے لیکن بہت بڑھائی بات

ذکر فرقت وصال میں ضامن
کیوں نکالی دبی دبائی بات

ہے گرم اک میرے دم سے یہ بازار محبت
ملے گا پھر نہ کوئی خریدار محبت
ی پر پیچ زلف عجب دام بلا ہیں
نہ چھوٹا ایک زندہ گرفتار محبت
شاہوں سے رتبہ ہے یاں کے گدا کا
عجب سرکار عالی ہے سرکار محبت
ب اسلام سے کیا ہم اک بت کے ہیں شیدا
رگ جاں اپنی گویا ہے زنار محبت
ں نکلے اکیلے پھنسا تو اسے دل کے
فرشتوں سے نہ اٹھا وہ ہے بار محبت

سر سودا زدہ جب اتر جائے گا تن سے	جب ہی ہوگا سبکدوش گراں بار محبت

خلش ہی میں ہے ضامن دل وحشی کو راحت
رگ گل سے ہیں بہتر ہمیں خار محبت

ہاتھ آئے جو وہ یوسف بازار محبت
جاں بیچ کے لیں مول خریدار محبت

جو دل نہیں لذت کش آزار محبت
کیا جانے وہ لطف خلش خار محبت

ہے قفل دہن تمکنت حسن دلاویز
مشکل ہے کہ وا ہوں لب اظہار محبت

لیتا نہ شکست کی بہت دیدۂ تر سے
اے ابر یہ ہے قلزم زخار محبت

کیا کرتے جو دل دے کے جفا مول لیتے
اب آئے کہ جب اٹھ گیا بازار محبت

تکلیف مسیحا کو عبث دیتے ہیں احباب
اچھا کبھی ہوتا نہیں بیمار محبت

ضامن کو نہیں ساغر کوثر کی تمنا
اے حضرت واعظ یہ ہے سرشار محبت

ردیف ثائے مثلثہ

مرنے والے کے لیے ہے تری تدبیر عبث
اے مسیحا نہیں ہوتا خط تقدیر عبث

ناوک ناز نے پہلے ہی کیا دل کو شکار
جال پھیلاتی ہے اب زلف گرہ گیر عبث

کہو تم کس کے لیے تارک لذات ہوئے
واعظو کرتے ہو کیوں بادہ کی تحقیر عبث

شوخیاں ہیں کہاں ناز کہاں عشوہ کہاں
کیوں مصور کھینچنے کو کھنچ آئے ہو تصویر عبث

قبر کی ہے ترے کوچہ میں تمنا پس مرگ
نہیں وحشت میں بھی یہ حسرت تعمیر عبث

ہمہ تن جوش جنوں تھا نہ رہا خوب ہوا
نالے کرتی ہے مرے واسطے زنجیر عبث

پیچ و تاب دل عاشق نہ ملے گا اس کو
پیچ کھاتی ہے تری زلف گرہ گیر عبث

خاکساروں کو تو رفعت کی بھی خواہش نہیں کچھ	پھر مٹاتا ہے انہیں کیوں فلک پیر عبث
عاشقوں کے لیے کافی تھی ادا کی تلوار	آپ بدنام ہوئے کھینچ کے شمشیر عبث
دیجیے دل کو سزا آنکھ سے کیوں چھپتی ہیں آپ	بے گناہوں کو ہے ناحق کی یہ تعزیر عبث
ڈر خدا کا بھی نہیں سنگدلی کی حد ہے	دل کو ضامن کے دکھاتا ہے وہ بے پیر عبث

ردیف جیم

ہر نفس ہے دل شکستہ کو خمیازۂ موج	چاک دامانی دریا ہے بانداز‌ۂ موج
جمع ہو دفتر شرح گہر افشانی چشم	ہاتھ آ جائے اگر رشتہ شیرازۂ موج
کیوں کہیں حال پریشانی دل عالی ظرف	نہ سنا بحر فلک سے کبھی آوازۂ موج
پائی جمعیت دل آپ نے کب مثل گہر	بیقراری سے ہے ٹوٹا ہوا شیرازۂ موج
بحر ہستی میں ملے نفس کو راحت کیونکر	کہیں رکتا ہی نہیں راہ میں جمازۂ موج
زلف لہرائی ادھر اور ادھر باد صبا	پاؤں میں ڈال گئی سلسلۂ تازۂ موج
ٹوٹ جائیگا تھپیڑوں میں عبث کے دل زار	کب حبابوں سے بنی محمل جمازۂ موج

کر کے اردو میں بھی صائب کا تتبع ضامن
بحر معنی میں دکھا دو روش تازۂ موج

ہار دو بار قوم اٹھائیں لبان موج	دریا میں جوش موج پہ دیکھیں [illegible] موج
سالک رہ طلب کے ہیں آلودگی سے پاک	دیکھی کبھی نہ گرد لبیں کاروان موج
ہر آرزوئے مردہ پہ ہے پائے آرزو	ہے عالم امید بھی گویا جہان موج
اسیر شکست وابستۂ تمنا کا رنگ ہے	اٹھتا ہے دل سے سلسلۂ [illegible] موج

سٹ سٹ کے لی ہے منزل مقصد بیان موج
تا حشر قطع ہوتی رہے گو زبان موج
ہے فرش راہ چادر آب روان موج
کہتی ہے یہ پکار کے سب سے زبان موج
آشفتہ خاطروں سے نہ پوچھو بیان موج
[illegible] ہے اک غزل کا دکھاتا ہے شان موج

حاجی

سمجھاؤ دوستو اسے سمجھانے کی طرح!
گردش ہی نصیب کو پیمانے کی طرح!
ملتا ہے جو یگانوں سے بیگانے کی طرح
تو پوچھتی ہے یہ میرے ستانے کی طرح؟
سیکھا ہے اپنے ہاتھ سے سب شانے کی طرح
[illegible] بھی میرے ہی پیمانے کی طرح
تا چند کھائیگا کوئی غم کھانے کی طرح
[illegible] کیا ہے جائیگا جانے کی طرح
اس آسیا میں پس گئے ہم دانے کی طرح
تھا کوئی قیس بھی ترے دیوانے کی طرح
[illegible] زلف پریشاں اگر شانے کی طرح
سوز دل کس نہیں پروانے کی طرح
[illegible] پہلے وہ سے چلے پیمانے کی طرح

ردیف خاء معجمہ

۱۲۴

کرانی خودروی سے نہ ضامن بلا کا رُخ
ہوسے اسی طرف ہے جدہر رہنما کا رُخ

احباب عید کرتے ہیں دیکھا ہے آج چاند
یارب دکھا مجھے بھی مرے مہ لقا کا رُخ

دے آسے عندلیب کو جا کر کوئی خبر
خوش ہو کہ پھر چمن کیطرف ہے صبا کا رُخ

بیڑے کی خیر مد نظر ہے جو نا خدا
پھیر اوس طرف جہاز جدہر ہے ہوا کا رخ

قاصد کی بات کا مجھے آتا نہیں یقیں
کہتا ہے اسطرف ہے ترے دلربا کا رخ

ہوتی جو قدر عشق میں مرنیکی خضر کو
کرتے نہ بھول کر کبھی آب بقا کا رخ

عصمت کا رعب ہو گیا از خود حجاب چشم
دیکھا گیا نظر سے نہ اُس باحیا کا رخ

رفتار دہر تابع حکم الٰہ ہے
پھرتا نہیں بغیر مشیت ہوا کا رُخ

ضامن ہم آپ سالک راہ خطا ہوئے
پھر گیا اگر خطا نے دکھایا بلا کا رُخ

ردیف دال مہملہ

۱۲۵

ہجوم یاس میں رخصت ہوئی کبھی کی امید
دل گرفتہ کو ہو کیا شگفتگی کی امید

امید یاس سے بدلے نہ یوں کسی کی خدا
عدوئے جاں ہوئے تھی جن سے دوستی کی امید

فقیر ہو کہ غنی سب ہیں تیرے دست نگر
ترے کرم سے ہے وابستہ ہر کسی کی امید

یہ درد وہ نہیں جس کی دوا کریں عیسی
مریض عشق کو ہو خاک جاں بری کی امید

ہے پائے رحمت حق درمیان زہد و گناہ
ہماری یاس سے بدلی نہ متقی کی امید

سکون قلب کا باعث ہے قید مذہب کی
ہمیشہ ٹھوکریں کھاتی ہے فلسفی کی امید

تو نہ حسن کو سمجھے تجھے حسن سیرت کا
سہی قدوں سے نہ تھی ہم کو کج روی کی امید

ادائے شکر میں بھی جسکو سجل ہوتا ہے
فلک نے کی بھی جو پوری تو اوس دل کی امید

جہاں سے جان بچاکر وہ خود ہوسے روپوش
جناب خضر سے واں کیا ہو رہبری کی امید

جواب صاف نہ دینا یہ ہے کرم سے بعید
دعائیں دیگا بر آئی جو ملتجی کی امید

ہوس وصال کی اچھی نہیں سُنا ضامن
مزید یلیں سے بدلے نہ یہ خوشی کی امید

۲۵

فروغ ماہ تمھاری جبیں سے ہے گلہ مند
چراغ صبح کا مہر جبیں سے ہے گلہ مند

کبھی نہ ہجر میں طوفان اشک روک سکی
ہمارا دیدۂ تر آستیں سے ہے گلہ مند

غم فراق کی ایسی ہوئی ہے لذت گیر
کہ روح رابطۂ ما و طیں سے ہے گلہ مند

رقیب قدر ستم ہائے ناز کیا جانے
خدا کی شان وہ تم سے حسیں سے ہے گلہ مند

کہاں کٹائے ہیں پر تیغ ناز کے ہوتے
کہ ذوالفقار بھی روح الامیں سے ہے گلہ مند

زبسکہ جرعہ کش جام نامرادی ہوں
مذاق تلخ مرا انگبیں سے ہے گلہ مند

زمیں پہ آنکھ سے ٹپکے نہ خون دل کیونکر
یہ مے شکستگی ساتگیں سے ہے گلہ مند

گہن جو مہر کو لگ جائے کیوں نہ ہو اندھیر
ہٹاؤ ہاتھ جبیں آستیں سے ہے گلہ مند

خوش آئے دیدۂ کم بیں کو کیا فروغ کمال
ہمیشہ شپرہ مہر مبیں سے ہے گلہ مند

چھڑاؤ آکے کشاکش سے نزع کی للہ
کہ شوق دید دم واپسیں سے ہے گلہ مند

نہ کھاؤ ٹھوکریں ضامن تلاش مضموں میں
سمند فکر بہت اس زمیں سے ہے گلہ مند

ردیف ذال معجمہ

ہر دم ہے وصف یار سے کام و دہاں لذیذ
کیونکر نہ ہو بیاں سے ہمارا بیاں لذیذ

واعظ ثواب روزہ کہاں لطف سے کہاں
ہے تیری داستاں سے مری داستاں لذیذ

اُسے بے خبر ز لذت [illegible]
اس طرح کا ہے بادۂ کوثر کہاں لذیذ

لذت ملی ہے روح کو نعمت کے شکر سے
نعمت سے تیری گر ہوئے کام و زباں لذیذ

قند و نبات سے ہے سوا تیری بات بات
ایسی ہیں کب جہان کی شیرینیاں لذیذ

یاں تلخ باتوں میں ہے محبت کی چاشنی
ہیں اور کی دعا سے تری گالیاں لذیذ

ان کے کبھی کبھی کے تلطف میں ہے جو [illegible]
اوس سے زیادہ ہے ستم جاوداں لذیذ

شیرینی کلام کا لطف اور کیا [illegible]
ضامن ہے حرف حرف غزل ہچکیاں لذیذ

ردیف راء مہملہ

نظر انجام پر ڈالے کوئی آشفتہ حال کیونکر
غرض پہچاننے دیگی اوسے سود و زیاں کیونکر

یہ مانا ہے بہت تکلیف اس قید تعلق میں
کٹیں گی میرے کاٹے سے مگر یہ بیڑیاں کیونکر

ابھی تو ان سے بھی ہر لحظہ خطرہ ہے رقابت کا
بنائیں دیدہ و دل کو الٰہی رازداں کیونکر

وہ نکلا ہے ابھی مسجد سے [illegible]
ذرا کہدو تو بتلا دو لی تھیں کل انگڑائیاں کیونکر

نہاں کے مانند آں راز سے [illegible]
قیامت ہے قدم غیروں کا آیا درمیاں کیونکر

ابھی کل تک تو ان کو شوخیاں سمجھے ہوئے تھے ہم
ادائیں آج تیری ہوگئی ہیں جانستاں کیونکر

حفاظت مثل حباب جس دل کی ہم نے کی تھی اے ضامن
ذرا سی چوک میں دیکھو ہوا وہ رائگاں کیونکر

پاکے زر [illegible]
ہوں گے گل دم بھر میں بالائے مزار پر

اٹھ گئے [illegible]
چھائی ہے [illegible] بازار پر

دھیان الفت کا نہ دھن ہے یار کی
رو رہا ہوں اپنے حال زار پر

نوک مژگاں پہ نہیں لخت جگر
سرخ گل رکھے ہوئے ہیں خار پر

سبحہ سے پیدا ہے ربط کفر و دیں
ہے رگ جاں کا گماں زنار پر

مرہم کافوری صبح فراق
ہے نمک ساز خم داستدار پر

مہر ساقی ابر مینا سے نکال
آنڈھی ہے کالی گھٹا کہسار پر

اک دیار عشق ایسا ہے جہاں
خوف ہے دیوانے کو ہشیار پر

تو ہے ضامن میر کوثر کا غلام
جبہ سائی کر در مختار پر

ناصح بنے ہو شیوۂ رندانہ چھوڑ کر
ضامن کب آئے تم در میخانہ چھوڑ کر

کعبہ کو جائے کون صنم خانہ چھوڑ کر
کیا دیکھ لیں گے جلوۂ جانانہ چھوڑ کر

کیا دخل اس میں ہم کو نظر اپنی اپنی ہے
لے سنگ ریزہ گر کوئی دردانہ چھوڑ کر

دل دے کے بھی نہ ملے ہوا صنف وفا کا مول
تم کھا کے چپکے بیٹھے ہیں بیعانہ چھوڑ کر

واعظ سوا بہشت کے حوریں گی کہیں
حال اون کا کچھ سناؤ یہ افسانہ چھوڑ کر

ساقی ترے مرید ہیں پابند وضع کے !
کوثر پہ بھی نہ جائیں گے میخانہ چھوڑ کر

جب سے فروتنی ہی عبادت کا ماحصل
کیوں سجدہ کرتے لغزش مستانہ چھوڑ کر

کیا کیسے پیش آئی ہیں کیا کیا ذلتیں
اک پیر دی ہمت مردانہ چھوڑ کر

تقدیر کا وہ پھیر ہے زاہد یہ دور عیش
تسبیح کون پھیرے گا پیمانہ چھوڑ کر

انساں ہیں آن بان بھی تھوڑی سی چاہیے
مرکیوں نہ جائے وضع شریفانہ چھوڑ کر

کیا کام دود آہ سے دیکھو بہار داغ
تم پھول چن لو سبزۂ بیگانہ چھوڑ کر

ساقی ملا کے آنکھ مئے تیز دی پلا !
جب جام او جم ہی لیگا یہ پیمانہ چھوڑ کر

آئے تھے بتکدہ سے سوئے کعبہ شوق میں
ڈھونڈھا مگر ملا ہے پری آستانہ چھوڑ کر

ضامن اب اون کی بزم سے اٹھنا ہے جیتے جی
جاتا ہے شمع کو کہیں پروانہ چھوڑ کر

ظالم نہ رحم آیا ضامن سے ناتواں پر
کوہ الم گرایا اک مشت استخواں پر

کیونکر چھپے چھپایا سب سرشت میں یہ انداز الفت
ہے شمع کی طرح سے سوز نہاں زباں پر

بجلی گری ہے دل پر اسکے یاد روئے دلبر
کیا جانے اوس کو مہماں گذری جو میزباں پر

کچھ عاشقوں کی آخر ثابت ہوئی خطا بھی
قتل اس طرح کسی کو کرتے نہیں گماں پر

پرتو فگن ہے یارب کس مہروش کا جلوہ
دہوکا ہی آسماں کا اس تیرہ خاکداں پر

کھوتی ہے جان تو کیوں اسے عندلیب نالاں
گل ہی نہیں جب اپنے کیا بس ہے باغباں پر

بس اون کی جان کا ہے اللہ ہی نگہباں
تکیہ کیے ہوئے ہیں جو تجھ سے بدگماں پر

اسے خضر عاشقوں کو مرنا ہی زندگی ہے
دیتے ہیں جان تم سے اس عمر جاوداں پر

بیمار عشق کو ہو امید کیا شفا کی !
عیسی بھی جی چرا کے جا بیٹھے آسماں پر

بے مہری و تجاہل بیدردی و تغافل
ڈھائی ہے یہ کچھ آفت اک جان ناتواں پر

افسانہ جان کر وہ سننے لگے تھے لیکن
گھبرا کے چونک اٹھے فرقت کی داستاں پر

فصل بہار کی سب قدرت نمائیاں تھیں
ضامن نہیں وہ جوبن اب باغ و بوستاں پر

ق

نہ تو ہوں مست اور نہ ہوں ہشیار
چشم مینگوں کے عشق کا ہے خمار

میکدہ میں ہے الصلا کی پکار
ہیں کہاں رند آئیں آئی بہار

دل میں اغیار کی جگہ کیا ہو
لیس فی الدار غیرہ دیار

دیکھئے چشم تر کی حالت گر !
دھو ہی جاتا کچھ اون کے دل کا غبار

تن سے خالی صدائے بے ہنگام
درد دل کا ہو کس طرح اظہار

اشک کیونکر جلو میں دوڑ سکیں
سہے سمند ہوا پہ نالہ سوار
فائدہ کیا ہے ایسے رونے سے
متاثر نہ جس سے ہو دلِ یار
خاک میں موتیوں کو یوں نہ ملاؤ
مال اچھا ہے لے چلو بازار

چل کے خود اون کو نذر دو ضامن
ان یتیموں پہ آہی جائے گا پیار

۱۲۱۲

موت کیوں آئی ہے بلائے بغیر
ہم نہ جائیں گے اون کے آئے بغیر
بات بنتی نظر نہیں آتی
قصۂ غم انہیں سنائے بغیر
کیا کریں خو سے وہ بھی ہیں مجبور
چین آتا نہیں ستائے بغیر
ضعف سے نقشِ سنگِ در جو بنے
کیا اٹھے وہ ترے اٹھائے بغیر
اور کچھ جب نہیں تو غم ہی سہی
زندگی کس طرح ہو کھائے بغیر
راستی سے کبھی چلا نہیں کام
بات بنتی نہیں بنائے بغیر
دل ہدف ہوگا تم نظر تو اٹھاؤ
تیر چلتا نہیں چلائے بغیر
آہ خونِ جگر میں ڈوبی ہے
نہ رہے گی یہ رنگ لائے بغیر
کیا سمجھ کر ادا کی زد پہ گیا
دل بچے گا نہ چوٹ کھائے بغیر
مال ہے یہ مجرانہ مانئے آپ
کیسے دیدوں دل آزمائے بغیر

ضامن اور در سے آپ کے اٹھ جائے
وہ بھی جینے سے ہاتھ اٹھائے بغیر

ہمارے آبلوں کا خوں نہیں خارِ مغیلاں پر
بچھائے ہیں کسی نے پھول دامانِ بیاباں پر
نہیں تو جبیں سراؤں کی یہ وحشی کوئی آتا ہے
لکھا ہے خیر مقدم ہر طرف صحرا کے داماں پر

اسی رستے ترا جلوہ حریمِ دل میں آتا ہے
ہیں موتی فرشِ رہ آنسو نہیں ہیں نوکِ مژگاں پر

دیا درسِ انا لیلیٰ یہ کس نے تجھ کو اے مجنوں
کہ بھولا نسخۂ آدابِ الفت طاقِ نسیاں پر

نہ کیونکر جان دوں تیغِ تبسم پر یہ کیا کم ہے
مرے دل میں ہے جو وہ ہے ترے لبہائے خنداں پر

دلِ اغیار ذوقِ لذتِ زخمِ نہاں ۔ توبہ
نمکس کو گرتے دیکھا شوق سے کس نے نمکداں پر

صدائے گریۂ یعقوب ہیں زنجیر کے نالے
گماں بیت الحزن کا ہو نہ کیوں یوسف کے زنداں پر

خدارا شعلۂ آوازِ بلبل سے ڈرا اے گلچیں
لگائے آتشِ گل آگ بر یکی گلستاں پر

وفورِ بیخودی سے دل میں جو مضموں تھا سب بھولا
یہ کس کا نام یارب لکھ گیا میں خط کے عنواں پر

رہِ الفت میں جاں دیکر سرافرازِ جہاں ٹھہرے
کریں سجدے نہ کیونکر اہلِ دل خاکِ شہیداں پر

تھا غالب مہرِ اوجِ نظم ضامن کر نہ ہم چشمی
"ہے تو وہ قطرۂ شبنم جو ہو خارِ بیاباں پر"

ہو ناز کیا نہیں کشتِ وفا کے حاصل پر
ہنسی کسی کی گرائے گی بجلیاں دل پر

بہت وسیع ہے صحرائے عشق اے مجنوں
یہاں نظر نہیں جاتی کسی کے محمل پر

جہاں میں ہوگا بہت کم ہنر کوئی بے عیب
کلف کا داغ ہے رخسارِ ماہِ کامل پر!

شہیدِ ناز کو عمرِ ابد مبارک ہو"
پڑھے کوئی یہ لکھا ہوگا تیغِ قاتل پر!

ہے سرگذشت کسی تشنہ کامِ الفت کی
یہ کلکِ موج نے جو کچھ لکھا ہے ساحل پر

مکاں ہوا یہ بنا نیکا نام ہے امید
گماں ہے نقشِ سلیماں کا حرفِ باطل پر

گداؤں کو متکبر کیا کرم نے ترے
لگا کے مہرِ خموشی دہانِ سائل پر!

تمہارا تیرِ نظر اور یہ خطا کرتا
جگر کی چوٹ بچائی تھی پڑ گئی دل پر!

امید و بیم کا جھگڑا ہے زندگی کیا تھی
اتر ہی جائے گا سر سے یہ بارِ منزل پر

ہے نورِ دیدۂ عالم وہ غیرتِ لیلیٰ
روا ہیں آنکھ کے پردے ہوائے محمل پر

میں ایک داغِ محبت کو دھوؤں کیا ناصح
ہزار داغ ہیں جب تیرے دامنِ دل پر

رہ طلب میں ابھی سے یہ خستگی ضامن
کمر ہیں کھولتے رہرو پہنچ کے منزل پہ

کون میں مجھ سے تری حمد و ثنا ہو کیونکر
غازۂ روئے بقا گرد فنا ہو کیونکر!

پائے تدبیر میں ہے خود غرضی کی بیڑی
ایسی حالت میں کوئی کام روا ہو کیونکر

ظلمت شب سے بڑھی گرمی ہنگامۂ صبح
زلف اوس عارض روشن سے جدا ہو کیونکر

سرمہ موجود ہے پھر مجھ سے یہ کیوں چھپتے ہو
تم کہو صیقل شمشیر قضا ہو کیونکر!

ناوک عشق کہاں اور دل اغیار کہاں
قدر انداز قضا سے یہ خطا ہو کیونکر

مجھ سے کہتے ہیں جو وہ اسکے کچھ اسباب بھی ہیں
یہ گرہ ناخن تدبیر سے وا ہو کیونکر

بام عزت سے ہے کوتاہ ہوس کا زینہ
کاغذ باد بھلا تخت صبا ہو کیونکر

غنچے چٹکا کریں گل ہنستے رہیں کیا حاصل
غم خزاں کا دل بلبل سے جدا ہو کیونکر

عشوہ پروردہ آغوش جفا کیشی ہے!
یہ جہاں پر ہو وہاں قدر وفا ہو کیونکر

زنگ آئینۂ باطن سے ہے غبار تزویر
اس خودی پر دل زاہد میں صفا ہو کیونکر

نغمۂ ساز محبت سے ہے نوائے بلبل!
غنچہ ساں غنچۂ دل اس سے نہ وا ہو کیونکر

آدمیت سے ابھی ہے دور ابھی شیخ حرم!
یہ ز خود بے خبر انسان خدا ہو کیونکر

بیخودی نے مری خود کر دیے افشائے راز
حیرت آئینہ جلباب خفا ہو کیونکر

یہی وہ چیز ہے جو رخنہ گر الفت ہے
خار صحرائے خودی مہر گیا ہو کیونکر

عشق نے شمع کو سکھلائی ہے یہ گرم روی
ہم سفر اس کا ہر اک آبلہ پا ہو کیونکر

آزمائش سے ہے یہ ضامن جسے سمجھے ہو جفا
وہی چاہیں نہ تو پھر تم ہی بجا ہو کیونکر

ردیف زائے معجمہ

دل نے سراغ اوس کا لگایا نہیں ہنوز
قطرہ نے راز بحر کو پایا نہیں ہنوز

تھا مانع فروغ ہنر اضطراب دل
ذرہ میں آفتاب سمایا نہیں ہنوز

ناساز ہے دلوں کے لئے کچھ ہوائے ناز
اک غنچہ اس صبا نے کھلایا نہیں ہنوز

ہے اک جہاں فریب حیا کا طلسم بند
جادو تری نظر نے جگایا نہیں ہنوز

ہے صرف دل لگانے پہ اس درجہ برہمی
ہرچند اون کو ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

۱۳۲۵

ہے رخنہ ساز نظمِ جہاں اختلافِ رائے
کوئی سبیلِ فضل فضیا یا نہیں ہنوز

کیوں دہر میں عیاں اثرِ انقلاب ہے
سینہ سے میں نے ہاتھ ہٹایا نہیں ہنوز

پیری و عشق اے ہوسِ ہرزہ کار واہ
نکلا دن اور چراغ بجھایا نہیں ہنوز

ضامن کہاں تک اب یہ ہوا داری امید
اس نخل میں تو ایک پھل آیا نہیں ہنوز

کب تک نیاز مند سے اپنے ادائے ناز
وہ دل نہیں رہا جو کسی کے اٹھائے ناز

مانا کہ ہم کو اون سے محبت سہی مگر
کیا ہوگا تنگِ راہ ہے جبتک یہ پائے ناز

جو دلفریبیاں تھیں دل آزاریاں ہوئیں
وہ ابتدا تھی اور یہ ہے انتہائے ناز

کیا عاشقوں کے غنچۂ خاطر شگفتہ ہوں
ناساز ہے دلوں کے لئے کچھ ہوائے ناز

۱۳۲۲

شوخی۔ حیا۔ کرشمہ۔ ادا۔ عشوہ۔ عربدہ
سب ہے شگوفہ کاری نیرنگ ہائے ناز

ٹھکرائے لاکھ کوئی قدم سے اٹھے نہ سر
یہ شیوۂ نیاز ہے وہ مقتضائے ناز

یہ حسن بے مثال زہے شانِ کبریا
موزوں تمہارے قد کے لیے ہے قبائے ناز

دل عرش۔ آنکھ عرش کا تارا تجھی سے ہے
ہے جلوہ گاہِ حسن کی یہ وہ سرائے ناز

ضامن حیا کی نذر کرو جان زار بھی
جب دل نثارِ عشوہ ہے دیں ہے فدائے ناز

عشق سحر کرتا ہے دل کیوں ساز باز
دوست ہوتے ہیں کہیں عصفور باز

ہم بھی ہیں خدمت میں حاضر دل لیے
دیجیے چشم مست کو تعلیم ناز

فرق ہے خورشید و روئے یار میں
کیجیے نار و نور کا گر امتیاز

اون سے بچ کر جا سکے گا دل کہاں
صید پر غالب ہے رعب شاہباز

شرط طبع نیک ہے خوئے کرم
وقف گلچیں ہے گلوں کا اہتزاز

ہے مقدم قفل دل کا کھولنا
خود بخود کھل جائیں گے ابواب راز

کان ہیں صوت شکست دل سے پُر
کہد و مطرب سے نہ چھیڑے اپنا ساز

میل راہ دوست ہیں پائے طلب
وقف سنگ آستاں فرق نیاز

تھی جہاں بچھی اخوت کی بساط
اب وہاں پھیلا ہوا ہے دام آز

ہے مثبت کار داغ عشق سے
دیدنی ہے خانۂ دل کا طراز

پاسے استقلال جب ہوں بے تکلف
ہوگا دل کیونکر حریف دیو آز

واں غرور حسن کم ہوتا نہیں
ضامن آخر تا کجا عجز و نیاز

ظاہر ہوئی کب اون پہ میری آرزو ہنوز
ٹپکی کہاں یہ آنکھ سے بن کر لہو ہنوز

بدنام ہو کے عشق کی چھوڑی نہ خو ہنوز
اسے کیوں نہ ہو ہے اور بھی کچھ آرزو ہنوز

دست کرم جنوں کا گریباں پہ جا پڑا
دامن کا ہو چکا تھا نہ پورا رفو ہنوز

گو خود تری تلاش میں گم نام ہو گئے
لیکن مٹی نہیں ہوس جستجو ہنوز!

یاں کشمکش سے تار نفس ٹوٹنے کو ہیں
الجھی ہوئی ہے اون کی وہی گفتگو ہنوز

دشوار ہے کہ اوس پہ جچے رنگ آشتی
آمادۂ فساد ہے وہ جنگ جو ہنوز

اوس گل سے گو جدا ہوئے مدت ہوئی ہیں
لیکن دماغ میں ہے بسی اوسکی بو ہنوز

ہے ہرزہ گردیوں کی ابھی تک ہوس تجھے
ضامن گئی نہیں آبرو ہنوز

ردیف سین مہملہ

(۱۲۰)

مخلِ معرفت نفس سے ہے حجابِ نفس
رجوعِ قلب نہیں یادِ یار کیا آئے
سمندِ عمر پہ غافل نہ بیٹھ او ناداں!
ہیں کرتے سحر سے کیوں لوگ عمر کو تعبیر
خیال پیروی نفس ہر نفس ہے جنہیں
سکون دل کو خرابات دہر میں کیا ہو

کہ وجہ برہمی دل ہے پیچ و تابِ نفس!
خرو شکار ہوس ہے تو دل خرابِ نفس
نہ ٹوٹ جائے کہیں لیتر کہ رکابِ نفس
خبر نہیں کہ یہ ہے موجۂ سرابِ نفس؟
خدا کے سامنے کیا دیں گے وہ حسابِ نفس
خم وجود میں ہے موجزن شرابِ نفس

غزل میں گرچہ ہے ضامن تتبع صائب
پہ یاں ہے قیدِ اضافت سی ستدیابِ نفس

(۱۳۰)

دنیا میں پوری ہوگی نہ آرام کی ہوس!
وہ دن گئے کہ وصل میں راز و نیاز تھے
نیت ہو ٹھیک گر تو خدا بھی مدد کرے
آتی ہے بات بات سے زاہد ریا کی بو!
تیرے کرم نے رندوں کو ساقی۔ چھکا دیا
ہے عزم اور چیز ہوس اور چیز ہے
کوشش درِ مراد کی اصلی کلید ہے

نکلے گی قبر میں دلِ خودکام کی ہوس!
ہے اون سے اب تو نامہ و پیغام کی ہوس
پوری ہوئی ہے کب کسی خودکام کی ہوس
اس زہد پر ہے خوبیٔ انجام کی ہوس
لیکن مجھے ہے آخری اک جام کی ہوس
وہ مرد ہے کہ جسکو ہو کچھ نام کی ہوس
دونوں جہاں سے کھو تی ہے آرام کی ہوس

ضامن خدا کا خوان کرم ہے بہت وسیع
مانگیں ٹکڑگدوں سے یہ کس کام کی ہوس

سہے صرف ایک آہ شرربار کی ہوس
بگڑا ہو نہ تم تو نکلے دلِ زار کی ہوس!

نقصاں اٹھا چکے ہیں بہت جن کے ہاتھ سے
پھر ہے انہیں کے گرمیِ بازار کی ہوس

عاشق کی آنکھیں مرنے پہ بھی ہیں کھلی ہوئی
لیجئے کہ لے چلا ہے یہ دیدار کی ہوس

آئی بہار۔ پھول کھلے۔ جی ہوئے بحال۔
رندوں کو پھر ہوئی مۓ گلنار کی ہوس

کیا برقِ طور سمجھے ہیں برقِ جمال کو
ہوسی کریں نہ یار کے دیدار کی ہوس

کرتا ہے بار بار جو مژگاں کا سامنا
دل سے گئی نہیں خلشِ خار کی ہوس

ضامن جو پلکوں سے گلِ نقشِ قدم اٹھائے
پوری ہو دید شوخیِ رفتار کی ہوس

ردیف شین معجمہ

یہ حسن رہ نہیں سکتا نقاب میں روپوش
ہوئی ہے قدرتِ حق کب حجاب میں روپوش

قتیلِ تیغِ نظر کرکے وہ چھپا گئے آنکھ
چمک کے ہو گئی بجلی سحاب میں روپوش

مٹا یا مجھ کو زمانہ کی سرد مہری نے
ہوا ہے ولولۂ دل شباب میں روپوش

اگر ہو رنگِ جہاں اعتبار کے قابل
شمیمِ گل نہ ہو جا کر گلاب میں روپوش

مرادِ غیر سے ہے رخ ادھر میں کیا سمجھوں
کرم جو یوں ہو نقابِ عتاب میں روپوش

ترے فراق میں اے ماہ میرے اخترِ بخت!
ہوئے ہیں حسرت و غم کے سحاب میں روپوش

بہت بلند تھا ہر چند خرمنِ عصیاں
ہوا ہے بارشِ چشمِ پُر آب میں روپوش!

جہاں سے ہے اہلِ نظر سے یونہی وہ پردہ نشیں
ہوں جس طرح سے معانی کتاب میں روپوش

خیال بن کے رہو میرے حجلۂ دل میں
نظر بنو جو ہے رہنا حجاب میں روپوش

کسی کے جلوہ سے یوں داغِ دل ہٹے جیسے
ہوں تارے روشنیِ آفتاب میں روپوش

یقیں قدرتِ حق پھر کسے رہے ضامن
جو ہو نہ شاہدِ مقصد حجاب میں روپوش

ردیف صاد مہملہ

کیا اسکی توقع کہ بڑھے یار سے اخلاص
ہم سے تو نہ ہوگا کبھی اغیار سے اخلاص

اچھا نہیں دیکھو بہت اغیار سے اخلاص
ہے وجہ خلش گل کے لئے خار سے اخلاص

دل سلسلۂ زلف میں الجھیں تو عجب کیا
پوشیدہ نہیں سبحہ کا زنار سے اخلاص!

لٹتی ہے انہیں باتوں میں اعزاز کی دولت
ہے وجہ زیاں مردم بازار سے اخلاص

برہم ہوسے وہ مجھ کو ہوا جوشِ محبت
ہے طرفہ مزہ بڑھ گیا تکرار سے اخلاص

کوثر ہو کہ بھٹی یہ جہاں میں بھی ہاں ہوں
مے سے ہے محبت مجھے خمار سے اخلاص

چھپتی ہے کہیں شرم وفا لاکھ چھپاؤ
ظاہر ہے اس اکھڑی ہوئی گفتار سے اخلاص

دینے کو ہے کچھ پاس نہ لینے کی ہوس ہے
نادار سے وحشت ہے نہ زردار سے اخلاص

آزاد جو ہیں بوالہوسی سے انہیں کیا کام
یہ تولتے ہیں قلب کے معیار سے اخلاص

اس وقت الٰہی مرا بے مہر کہاں تھا
تقسیم ہوا جب تری سرکار سے اخلاص

بلبل کو ملا خار الم الفت گل میں
زردار کہیں رکھتے ہیں نادار سے اخلاص

تو چلنے پہ آمادہ ہو اور آئے نہ وہ ساتھ
ایسا تو نہیں حشر کو رفتار سے اخلاص

بیگانہ تعصب سے ہوں سالک ہو مرا صلح
یکساں ہے مجھے کافر و دیندار سے اخلاص

اس دام سے یارب دل وحشی کو بچانا
کرتا ہے بہت گیسوئے خمدار سے اخلاص

دل سرد ہوا رنگ جہاں دیکھ کے ضامنؔ
اب غیر سے وہ بیر نہ ہے یار سے اخلاص

ردیف ضاد معجمہ

جفا نہیں ہے ستمگر مری وفا کا عوض!
وفا وفا کا عوض ہے جفا جفا کا عوض!

۱۴۹

عزیز رکھوں نہ کس طرح داغ فرقت کو
یہی ملا ہے دل دردآشنا کا عوض!

کسی قدر ترے احساں کا بوجہ کم ہوتا
خطا جہان میں ہوتی اگر عطا کا عوض

لیا تھا ناز نے دل جان مانگتی ہے حیا
وہ اوس ادا کا عوض تھا یہ اس ادا کا عوض

تری عطا کے عوض شکر بھی نہیں ممکن
ہے تو کریم نہ لینا مری خطا کا عوض

بجائے جاں تھی شگوفہ میں بو پہ وارے ول
اسی کو دے سکے کیا خدمت صبا کا عوض

نہیں ہوس بھی نہیں کچھ تجھے مبارک ہو
ریاض خلد ہے زاہد اگر ریا کا عوض

بہانہ ہاتھ لگا اور اک اونہیں ضامن
کہا جو ترک وفا ہے تری جفا کا عوض

ردیف طاء مہملہ

۱۵۰

ساتھ ساقی کے اٹھے بزم سے اسباب نشاط
بنگیا نالۂ غم نغمۂ ارباب نشاط

بخدا شیخ عجب بحر کرم ہے ساقی
ہاتھ آتا ہے یہیں گوہر نایاب نشاط

عالم یاس میں شاکر ہوئے تقدیر پہ جب
بڑھ کے رحمت نے وہیں کھولدیا باب نشاط

وہ ہے دنیا کے لئے اوس کے لئے ہو دنیا
غم کی حالت میں نہ بھولیں جسے آداب نشاط

کی بہت نسخۂ ہستی کی ورق گردانی
مگر اس میں نظر آیا نہ کہیں باب نشاط

مے سے پرہیز ہی لازم ہے تجھے اے زاہد
جو ہیں کم ظرف اونہیں ہوتی ہے کب تاب نشاط

مے انگور ہو یا بادۂ کوثر جو ہو!
سرخوشی خلق میں ہے حاصل اسباب نشاط

دل میں آجاتا ہے یوں عیش گذشتہ کا خیال
دیکھے سرخوش کوئی جس طرح کبھی خواب نشاط

اشک غم باعث سرسبزی امید ہوئے
پھر ہرا ہونے لگا گلشن بے آب نشاط

عین راحت ہے بسر ہو اگر آزادی سے
بوریا کیوں نہ بنے بستر سنجاب نشاط

جو غم عشق کی لذت سے ہیں واقف ضامن
اون کو ہرگز نہیں درکار ہے ناب نشاط

ردیف ظاۓ معجمہ

کرتے ہیں جیسے تمھارا ہم لحاظ
تم کو بھی لازم ہے بیش و کم لحاظ

دوستا وہ سکتے نہیں ہرگز کبھی
جن کو باتوں میں نہیں باہم لحاظ

کچھ تو اے مہیا کر الفت کا پاس
میرے زخم دل کو ہے مرہم لحاظ

چھیڑتے کیوں اون کو بزم غیر میں
کرتے ہیں ایسی جگہ خود ہم لحاظ

وہ مسی آلودہ لب کھلتے نہیں
ہو نہ کیونکر میرے حق میں سم لحاظ

وہ جہاں میں تھا یہ حق میں جام ہے
کیوں نہ کرتا میرے دل کا جم لحاظ

سرکشوں کی ہے ادب آموز تیغ
اون کو سکھلاتا ہے اس کا خم لحاظ

ڈھا دے جب چاہے یہ بنیاد جفا
کرتا ہے کچھ دیدۂ پُر نم لحاظ

تنگدستی اور شرافت قہر ہے
وضع کا دشوار ہے ہر دم لحاظ

تیرے آگے روؤں کیا اے مہوش
کرتی ہے خورشید کا شبنم لحاظ

پاس ناموس ننگ ہے ناصح ضرور
عاشقوں کو یہ ہے اس کا کم لحاظ

دیکھ مشکل ہے بہت اخفاۓ راز
بات کا میری رہے ہمدم لحاظ

یا اب عزت کو ہے درکار ضبط
وضع کا ضامن رہے ہر دم لحاظ

ردیف عین مہملہ

[illegible] سماع
[illegible] ارتفاع
[illegible] شجاع

سمجھے تھے پہلے ہی سے اسکو طبیعت کا بخار
کب ہمیں کشتِ ہوس سے تھی امید انتفاع

مرضیٔ مولیٰ ہے ادنیٰ سب سے جو ہو جیسی ہو
ہم کو ہر حالت میں لازم ہے تمہارا اتباع

تا ابد یار توکل سنگ منت آئیں کیا
قلعۂ قاف قناعت عافیت کے ہیں قلاع

تیزیٔ تیغ زباں سے اُن کی ہمکو ڈر یہ ہے
ہو نہ جائے رشتۂ الفت کا اکدن انقطاع

کب گئے وہ یاں سے اٹھ کر یہ تہ بالائے ہمنشیں
پوچھتا کیا ہے کہ حالت کیا رہی وقت وداع

شکر ہے اونکو دل پُر درد و داغ آیا پسند
ورنہ کوئی مفت بھی لیتا نہیں ناقص متاع

کشتیٔ تن غرق بحر غم نہ کر اے چشم تر
ناخدائے دل سے کہدے آہ کا کھینچے شراع

خوبیٔ قسمت ہے یہ ضامن کہ از خود آئے وہ
جن کے آنے کی نہ کچھ امید تھی نہ اطلاع

ردیف غین معجمہ

نصیب کس کو ہے صہبائے خورسندی کا ایاغ
جگر میں لالۂ گلگوں قبا کے بھی ہے داغ

ہوائے گلشن ہستی نہ ہم کو راس آئی
شمیم گل سے پریشاں ہوا کچھ اور دماغ

ہجوم یاس میں کاٹی تمام رات۔ اگر
سحر کو خانۂ امید میں جلائے چراغ

خیالِ پرسشِ عقبیٰ نے دل کیا بے چین
جو دو گھڑی کو غمِ دہر سے ہوا بھی فراغ

عدم سے آئے تھے ہستی کو پھر چلے ہیں عدم
اُدھر اِدھر گئے لیکن کہیں ملا نہ سراغ

سیہ دروں کو نہیں تربیت سے کچھ حاصل
کہ شست و شو سے نہ اجلا ہوا کبھی پر زاغ

خزاں کا خوف نہیں نیکیوں کے گلشن کو
ہو کوئی فصل ہمیشہ ہرا بھرا ہے یہ باغ

قریب ہے کہ جگر محتسب کا خوں ہو جائے
شراب لعل سے ساقی نے پھر بھرا ہے ایاغ

نگاہ کم سے نہ ضامن کو دیکھ او منعم
ہے گرچہ خاک نشیں عرش پر مگر ہے دماغ

کسی بشر کو نہ دے ایزدا پسر کا داغ — ہزار داغ سے بڑھکر ہے اک جگر کا داغ

ہمارے جامۂ ہستی کی شست و شو نہ کرد — نہ سمجھو دوستو اس کو ادھر ادھر کا داغ

یقیں ہے ہوگا نمایاں کفن پہ بھی پس مرگ — کہ ہے یہ ریزش خوں ناب چشم تر کا داغ

طبیب کون بلا ہے علاج کیا شے ہے — کرے تو موت ہی اچھا کرے جگر کا داغ

نہیں ہے بخیہ کوئی رنگ غیر بے رنگی — فریب وہم ہے طاؤس تیرے پر کا داغ

خدا کیواسطے باز آ جفا سے اے صیاد — نہ دے بہار میں بلبل کو بال و پر کا داغ

گئی کثافت ذاتی نہ شست و شو سے کبھی — دھلا نہ چشمۂ خورشید میں قمر کا داغ

گراں ہوں مفت بھی اہل زمانہ کو ضامن — کہ میری جنس تشخص میں ہے ہنر کا داغ

ردیف فا

ہیں پیش اہل نظر یوں بُرے بھلے اوصاف — کہ جیسے کھوٹے کھرے کو پرکھتے ہیں صراف

ہوا کمال کہیں مانع خوشش اخلاق — ہے روشنی مہ چاردہ زیادہ صاف

حریم دل سے اگر خانۂ خدا سے مراد — تو دونوں ایک ہیں پھر اعتکاف ہو کہ طواف

ہے اضطراب و سکون دل مآل اندیش — یہ جس کا نام ہے دوزخ بہشت اور اعراف

بشر بری ہو غرض سے تو شور و شر کیوں ہے — [illegible] حقوق کا اتلاف

ہے زور طبع پہ شاہد لطافت مضموں — کہ آپ جتنا رواں ہو اسیقدر ہو صاف

چلانے والا ہے کشتی کا جسکی تو اوسکو — [illegible]

رقیب چھیڑ کرے بھی تو چپ رہو [illegible] — [illegible]

ردیف قاف

میں جو کہتا ہوں [illegible] فراق — عرش [illegible] فراق

میرا دل بھی ہے آشنائے فراق ہے یہ مدت سے مبتلائے فراق
سر پہ آئے نہ یہ بلائے فراق! حق نہ دشمن کو بھی دکھائے فراق
نہیں تارے اندھیری راتوں میں آنکھیں دکھلاتی ہے بلائے فراق
آپ اگر مہربان ہوں مجھ پر اپنی صورت نہ پھر دکھائے فراق
جو گذرنی تھی ہم پہ وہ گذری! کیا کہیں تم سے ماجرائے فراق
میرے نالوں میں ہو جو کچھ بھی اثر منزلوں پھر تو بھاگ جائے فراق
کیا بگاڑا ہے میں نے ظالم کا بے سبب کیوں مجھے ستائے فراق
فائدہ کیا کسی علاج سے ہو! ہے فقط وصل ہی دوائے فراق
ستیاناس ہو ترا ظالم! کیا برباد تو نے ہائے فراق
آپ گر چاہیں تو مرے سر سے دور ہو جائے یہ بلائے فراق
ہم نے مضبوط کر لیا ہے دل جتنا جی چاہے اب ستائے فراق
بیخودی پر نہ میری گھبراؤ دوستو ہے یہ مقتضائے فراق
آج تک وصل میں کٹی ضامن دیکھیے آگے جو دکھائے فراق

ردیف کاف

فرقت میں گریباں ہی نہیں شام و سحر چاک ٹکڑے دل مایوس ہے پہلو میں جگر چاک
کیا اس کا عجب ہیں دل عشاق اگر چاک کر دیں یہ جفائیں تری پتھر کا جگر چاک!
اتنا تو شب ہجر کے نالوں میں اثر ہو سینہ ہو مرا مثل گریبان سحر چاک!
اللہ رے ترے خنجر ابرو کی صفائی! اک وار میں دونوں ہوئے دل اور جگر چاک
اسے چارہ گرو کس لئے یہ زحمت بیجا رہنے دو یونہی جیب و گریباں ہیں اگر چاک
اسے رشک قمر دیکھ یہ تاثیر محبت! سینہ ہے مرا مثل کتاں آٹھ پہر چاک

ارمان نکلنے کی ہو کیونکر کوئی صورت ۔ جب تک نکرے دل کو تری تیغ نظر چاک
کچھ حال دل اسمیں ترے عاشق نے لکھا ہی ۔ پہلے دیکھے ہوئے نامہ کو للہ نہ کر چاک
جز داغِ محبت نہ جگر اور نہ دل ہے ۔ پہلو کو مرے کیجیے بے خوف و خطر چاک

کی سیر جو ہم نے چمن عشق کی ضامن
خود غنچہ دل ہو گیا مثل گل تر چاک

الفت میں یونہی کوئی ناکام رہے کب تک ۔ ناکام رہے کب تک بدنام رہے کب تک
ہے سانس ابھی چلتی دے جام کوئی ساقی ۔ کیا جانیے یہ دور ایام رہے کب تک
پیری و سیہ مستی کر تو بہ خدا جانے ! ۔ یہ صبح رہے کب تک یہ شام رہے کب تک
خوش ہو کہ خفا کوئی کر گزریں ہم اپنی سی ۔ ہے عشق تو پھر فکر انجام رہے کب تک

ہے دور اگر وہ در کعبہ ہی چلو ضامن
بے وجہ کوئی باندھے احرام رہے کب تک

خالق نے زباں دی ہے چپ کوئی رہے کبتک ۔ جو بات کہ دل میں ہے منہ سے نہ کہے کبتک
کچھ ضبط کی ہے حد بھی بیجان نہیں کوئی ۔ کبتک نہ ہو سر نالہ آنسو نہ بہے کب تک
فرقت میں جو مرتا ہے مرجائے تو اچھا ہے ۔ یہ بھی کوئی جینا ہے ایذائیں سہے کبتک
تو غیرت عیسی ہے لے جلد خبر اسکی ۔ بیمار ترا یونہی بدحال رہے کب تک
جب ہم نے سنا تم سے دکھڑا ہی سنا ضامن ۔ بس چپ رہو جانے دو رو دگے دہے کبتک

ردیف کاف فارسی

ضامن ہیں اس جہان سے میرا جہاں الگ ۔ میری زمیں الگ ہے مرا آسماں الگ

(۱۶۱)

سمجھو تو واہ واہ نہ سمجھو تو واہ واہ
میرا بیان سب سے جدا ہے زباں الگ

جز راستی کہ جس میں نہ ہو دخل جھوٹ کا
اے طبع چل سنا مجھے وہ داستاں الگ

کیا اختیار ہے جو کہے کوئی خود پسند
ہر شخص کی ہے رائے الگ اور گماں الگ

تحسین ناشناس کی پروا نہیں مجھے
میرے بھی قدرداں ہیں کچھ نکتہ داں الگ

کہیے کہ آ کے ساتھ مرا معرکہ ہیں وے
کچھ بات ہے کہ غیر کا ہوا امتحاں الگ

ناحق گنہگار ہے ہیں کمند ہوس حریف
بام مراد کے لئے ہے نردباں الگ

عاجز ہے کشمکش سے تمنا کی تن میں روح
دل تنگ یہاں ہیں الگ میزباں الگ

کافی ہے سایہ یار کی دیوار کا مجھے
کیوں اس گلی سے اٹھ کے بناؤں مکاں الگ

کیا دور ہے کہ جسم سے ہو جان اب جدا
رہنے لگا ہے مجھ سے وہ جان جہاں الگ

قدامن زمانہ قتل معانی پہ ہے تلا
لے جا کے ان یتیموں کو رکھوں کہاں الگ

ردیف لام

(۱۶۲)

اُسے تازہ واردان بساط ہوائے دل
سننا ہے گر تو مجھ سے سنو ماجرائے دل

دار عنا جہاں کو ہے سمجھا ہوا کوئی!
شکوہ کسی کو یہ کہ ہے درد آشنائے دل

روتا ہے کوئی اختر بخت سیاہ کو!
رکھتا ہے داغ سینہ میں کوئی بجائے دل

نالاں عروس دہر کے ہاتھوں سے ہر کوئی
کہتا ہے اس سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل

تیغ جفائے ناز سے ہے جاں بلب کوئی
چیں بر جبیں ہے سن کے کوئی شکوہ ہائے دل

وہ خوش ہے پا کے مال غنیمت حریف سے
اس کے لئے ہیں داغ جگر خوں بہائے دل

مخمور جام عشرت دوشینہ آج ہے
مسرور تھا جو پی کے مئے اقتضائے دل

گلچیں تھا پہلے جو کہ ریاض مراد کا
حسرت سے تک رہا ہے وہ اب پائے دل

مست شراب عیش تھا ہر سے گر کوئی!
مستی لگن ہے ترشی اندیشہ ہائے دل

کانوں میں آ رہی ہیں صدائیں شکست کی!
نوحہ بنا ہے زمزمۂ غم ربائے دل!

کل شاد تھا ہے آج غمیں ہوگا شاد کل
یعنے کہ ہے محال خلا سے نفائے دل

بیم و رجا و شادی و غم یاس و آرزو
خالی نہ ہوگی ان سے کسی دم سرائے دل

ضامن ہم اس میں خوش ہیں جو کچھ ہو رضائے دوست
راحت اٹھائے دل کہ مصیبت اٹھائے دل

مقدر نارسا اور مبتلا دل
دل آنا کیا تھا ہاتھوں سے گیا دل

حقیقت کہہ رہے ہیں اشک خونی
کہ دل کیسا تھا اور کیا ہو گیا دل

کیا دنیا سے جب قطع تعلق!
چراغ راہ آسائش بنا دل

سکھا دے دلبری کوئی مجھے بھی
اونہیں درکار ہے روز آشنا دل

کہاں وہ صاحب محمل کہاں ہم
ہے وحشت میں ہم آہنگ درا دل

حجاب آخر کہاں تک وصل کی شب
نہ مانے گا کسی کا چلبلا دل

ق

منور شمع خلوت خانہ عشق
چراغ محفل افروز وفا دل

دُرِ یکدانہ بحرِ حقیقت
بہائے معدنِ حلم و حیا دل

چمن پیرائے باغ کامرانی
بہار گلشن عشرت فزا دل

ہوا بیگانہ بیگانوں سے مل کر
ہمارا مدتوں کا آشنا دل

نہیں چلتا ہے کچھ بس اے **ضامن**
بدل لیتے جو ملتا دوسرا دل

کہاں سے لاؤں میں ہدیہ نگار کے قابل
کہ ایک جان ہے وہ بھی نثار کے قابل

۱۱۳

نہ دیں گے کاکل جاناں سے ہم اسے تشبیہ
وقار یہ نہیں مشک تتار کے قابل

کبھی تو کیجیے روشن سیاہ خانے کو
ہے شمع رخ مری شبہائے تار کے قابل

شگفتہ دل میں ہوں گلہائے آرزو کیونکر
نہیں رہا یہ چمن ہی بہار کے قابل

سزائے عشق میں خوں ہو کے یہ گیا دل زار
گنہگار تھا ٹھہرا افشار کے قابل

میں اپنے دل کو نہ کیوں لعل بے بہا سمجھوں
ہوا یہ گوشۂ دستار یار کے قابل

کہاں یہ جائیگا جھٹکو نہ اپنے دامن سے
سر فلک نہیں میرے غبار کے قابل

بجھا نکل کے شبستان انس سے دل زار
نہ تھی یہ شمع سر رہگذار کے قابل

بس اسکو پینے دو خون جگر کہ مست نہ ہو
یہ مے ہے **ضامن** پرہیزگار کے قابل

۱۱۴

جہاں میں حضرت انساں کا ہے عجب کچھ حال
کبھی ہے مال کی خواہش کبھی ہے فکر مآل

کبھی ہیں پیٹ کے دھندے کبھی جہاں کی فکر
کبھی ہے خوف جہنم کبھی جناں کا خیال

کبھی تو اپنی فلاکت کو دیکھ کر رونا!
بیاد دولت ثروت کبھی ہے مال ومنال

کبھی ہے عیش سے نفرت تو فقر سے رغبت
کبھی ہے عجز پسند اور گاہ جاہ وجلال

کبھی تو ولولۂ عشق سے ہے حسن پرست
کبھی ہے ذکر سے خوبوں کے دل کو اضمحلال

تھا وہ بھی ایک زمانہ کہ ہم تھے حسن پرست
یہ اک زمانہ ہے جب عشق جان کا ہے وبال

نہ سر میں ہے سر سودائے زلف عنبر بیز
نہ مرغ دل ہی کو مرغوب اب ہے دانۂ خال

نہ برق حسن جلاتی ہے صبر کا خرمن
نہ دل ہی ہوتا ہے رفتار ناز سے پامال

جگر کو کرتی ہے صد پاش تیغ ابرو کی
نہ سینہ ہوتا ہے تیر نگاہ سے غربال

قسم خدا کی فراغت عجب ملی **ضامن**
نہ غم فراق کا باقی ہے اب ذوق وصال !

کسی سے کہوں میں کیا کہ ہے کیا کسی کے فراق میں مرا حال — سنہ ۱۲۳۰ھ
نہ سر کی خبر نہ پیر کی سدھ نہ ہوش بجا نہ جی ہی بحال

ہیں ناوک ناز و تیغ نظر عدوئے دل اور خصم جگر!
ہے اسیر بھی طرہ زلف مگر یہ کالی بلا قضا کا ہے جال

یہ جسکا ہے نام فتنۂ محشر اک کف پا کا تیرے ہے نقش
وہ ہیں یہ غلط یہ کہتے ہیں جو نمونۂ حشر ہے تری چال

چمن ہوا سرخ آئی بہار آتش گل بھڑک اٹھی!
یہ ساقی مہروش سے کہو کہ آتش تر کو خم سے نکال

میں نابلد فریب وفا ہوں تازہ اسیر دام ادا
ذرا تو ٹھہر خدا سے ڈر نہ خنجر ظلم ابھی سے سنبھال

ہے تیرے ہی نام کی بستی ہے تیرے ہی اوج کی پستی
یہ دشت یہ در یہ بحر یہ سپہر فلک کشیدہ جبال!

تھا لینے میں دل جو عہد وفا وفا نہ ہوا وہ عہد ترا!
جو دھمکی دی ہے قتل کی اب برائے خدا اسے تو نہ ٹال

دل میں نہیں ہوس کوئی اب کہ یاس ہوئی سکوں کا سبب
نہ سوز فراق کا ہے تعب نہ شورش آرزوئے وصال

عبث ہے تلاش اے ضامن نہیں ہے یہ وزن ریختہ کا
تھی خاطر آبر[۱] مد نظر لیے ہیں جو اتنے شعر نکال

ردیف میم

برشتہ ہے دل کباب جگر جلا میں جلا خدا کی قسم — سنہ ۱۳۰۰ھ
جمال بتان شوخ نظر ہے برق بلا خدا کی قسم

۱؎ منشی غلام دستگیر صاحب آبر شاگرد حضرت حبیب لکھنوی مرحوم

نصیب عدو ہو تیری بلا اسی پہ پڑے وبال اس کا
زباں پہ نہ لا بجا بیجا برائے خدا خدا کی قسم

ہے ایک سے ایک قہر و بلا رقیب اجل حریف قضا
یہ تیر نظر قسم بخدا یہ تیغ ادا خدا کی قسم !

نرالی ہی دھن نرالی ہی گت نرالی ہر ایک ادا کی ہے گت
ہے دل کے لئے ہی حجت کہ کہا تو بھلا خدا کی قسم

وہ نرگس و نسترن ہی نہیں وہ سوسن و یاسمن ہی نہیں
چمن تھا جو وہ چمن ہی نہیں خزاں تھی بلا خدا کی قسم

ہوس نہیں کوئی اب باقی ہے خون جگر بہت ساقی
سر آنکھوں پہ یہ نوش اخلاقی نہ بادہ پلا خدا کی قسم

یہ ہستی ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں نمود ہوا ہے کچھ بھی نہیں
بقا یہ فنا ہے کچھ بھی نہیں فنا ہے بقا خدا کی قسم

وہ برق نگہ نے کام کیا کہ دل کا چمن ہرا نہ ہوا
سموم سے ہے طپش میں سوا نسیم و صبا خدا کی قسم

ہے جب سے چھٹا ترا کوچہ کبھی نہ قرار دل کو ملا
کہاں سے کہاں میں لے کے پھرا کہیں نہ رہا خدا کی قسم

گئے نہ گئے ملے نہ ملے رقیب سے تم کھلے نہ کھلے
نہ شکوے ہیں کچھ نہ اس سے گلے نہ کھاؤ ذرا خدا کی قسم

وہ دیں کہ نہ دیں بہائے سخن ہے دوستوں کو صلائے سخن !
ہے اسے ضیا حسن بنائے سخن تجھی سے بپا خدا کی قسم

ہاں ہر گوشہ قسمت کہہ سے دور ہے ہم	گو مرتد اسے بیٹھے ہیں رنجور سے ہم

کہیں دیکھ لی ہے کوئی چشم شہلا
نظر آ رہے ہیں جو مخمور سے ہم

مقدر ہی میں ہے لکھا عشق کافر
ہیں مجبور اس امر مامور سے ہم

ہے یہ جی میں اب ترک کردیں محبت
نہ بچ آئے ہیں اوس شوخ مغرور سے ہم

نہ پھندے میں پھنستے کبھی محتسب کے
اگر دیکھ پاتے اوسے دور سے ہم

یہ پابندیاں کس سے اٹھیں جہاں کی
بہت تنگ ہیں یاں کے دستور سے ہم

ہو کس سے مداوائے درد محبت
کریں چارہ گر کیا ہیں معذور سے ہم

قناعت کریں کیوں نہ خون جگر پہ
کہ نافر ہیں صہبائے انگور سے ہم

گئی کچھ تو فرہاد کی بات پوچھی
ہیں کمتر یہاں ایک مزدور سے ہم

اگر کند بالکل ہی ہو تیغ قاتل!
گلا کاٹ لیں اپنا ساطور سے ہم

گدا تیرے در کے ہیں کچھ آن رکھتے
دبیں گے نہ قیصر نہ فغفور سے ہم

نہ ہوگا عیاں اپنا سوز نہانی!
لگائے ہیں لو حسن مستور سے ہم

نہ کیونکر بھلا جلتے پھر تے ہوں ضامن
سنے ہیں اجی خاک کنتور سے ہم

نہیں رکھتے ہیں اپنی ہی خبر ہم
کہاں جائیں تجھے ڈھونڈیں کدھر ہم

ز خود رفتہ ہوئے وحشت میں ایسے
کہ بھولے رفتہ رفتہ اونکا گھر ہم

جفائیں تیری جھیلیں کس طرح سے
کہاں سے لائیں پتھر کا جگر ہم

ہمارا زخم دل اچھا نہ ہوگا
عبث ہے چارہ ساز د فکر ہر ہم

انہیں یاں کھینچ لائے جذب الفت
بھلا تیرا ابھی دیکھیں کچھ اثر ہم

کروگے اس طرح تم بیوفائی
کبھی دیتے نہ دل یہ جان کر ہم

تمنا کس طرح ہو عرش پرواز
کہ ہیں خود طائر بے بال و پر ہم

ہوا آخر سفر ہرا ہیوں سکا
پڑے سوتے ہیں ضامن بیخبر ہم

۱۳۲۰ھ

سرگشتگی شوق سے کب ہوش میں ہیں ہم
مانند خم بادہ سدا جوش میں ہیں ہم

شیشہ کیطرح آئینہ ہے حال دل اپنا
گو زمرۂ رندان بلانوش میں ہیں ہم

عشق خط رخسار سے ہے جان غضب میں
یعنے کہ گھرے آتش خس پوش میں ہیں ہم

بیتابی دل ہے نہ پریشانی جاں ہے
آسودہ بہت موت کے آغوش میں ہیں ہم

تم منہ سے کہو یا نہ کہو کہتے ہیں انداز
ہنگامہ فزا اس لب خاموش میں ہیں ہم

یہ طور نہیں جلوہ گہ یار ہے موسے
بیہوش نہ ہوتا کہ ابھی ہوش میں ہیں ہم

کچھ غم نہیں ہو بحر معاصی متلاطم!
ایمن ترے دامان خطا پوش میں ہیں ہم

اس طرح سے ہیں خلق میں گویا کہ نہیں ہیں
اک حرف کسی کے لب خاموش میں ہیں ہم

ضامن کہیں کس منہ سے کہ ہیں صوفی صافی
مے نوش نہ ہوں محفل مدہوش میں ہیں ہم

۱۳۲۸ھ

آلودگی نفس سے کیا جانے کیا ہیں ہم
محروم لطف رادق خذ ما صفا ہیں ہم

لطف اسیری خم گیسو نہ پوچھیے!
آسودہ زیر سایۂ بال ہما ہیں ہم

نسبت ہے بے نیاز سے اللہ رے فخر و ناز
سلطان وقت کیوں نہ ہوں کسکے گدا ہیں ہم

زاہد ریا کے داغ سے دامن ہے اپنا پاک
رنگ طراوش قدح ما صفا ہیں ہم

محروم التفات گراں گوشی ادا
یعنے شکست شیشۂ دل کی صدا ہیں ہم

شرط وفا تو بنھ گئی مٹنے کا غم نہیں
اوس رہگزار میں اثر نقش پا ہیں ہم

شکوہ نصیب کا نہ شکایت فلک کی ہے
راضی رضا پہ تابع حکم قضا ہیں ہم

ناپائدار عہد ہیں نا استوار عمر!
عنوان بے ثباتی دار فنا ہیں ہم

رنگ خطا نے صورت اصلی بگاڑ دی
گر اپنی شان میں ہو تو شان خدا ہیں ہم

قدر کمال صاحب بینش سے پوچھیے
گر مٹ کے گرد راہ بھی ہوں توتیا ہیں ہم

ساقی کی اک نگاہ نے بدمست کر دیا!
ضامن کو تھا گھمنڈ بڑے پارسا ہیں ہم

سلہ صاحبزادہ محمد اشرف علی سلمہٗ اولیٰ تقا | تلمیذ حضرت جلیل کنتوری مرحوم

ردیف نون

ہرچند میں خلیفۂ رب ودود ہوں
آزادیِ خیال نہ آزادیِ مقال!
عادی نہیں میں اس کا کہ سوچوں تا آنکا
چلتا ہوں اس روش پہ جدھر دوسرے چلیں
سمجھا نہ بندگی و سرافگندگی کا فرق
پائندگی میں عزم نہ واماندگی میں عزم
افتادگی میں خاک سر رہگذر ہوں گر
کیونکر نہ میرا جامۂ ہستی ہو چاک چاک

۱۳۸۸ھ

کیا قہر ہے کہ اس پہ بھی ننگ وجود ہوں
اس انجمن میں صدر نشین بہر بود ہوں
خائف زیاں سے اور نہ خواہان سود ہوں
اوروں کی ہست و بود ہوں اپنی نمود ہوں
کہنے کو پابند رکوع و سجود ہوں
ناواقف طریق قیام و قعود ہوں!
آوارگی میں سوختہ جاں مثل دود ہوں
خود باعث شکستگی تار و پود ہوں

ضامن ہیں کام حشر پہ سب میرے اٹھ رہے
آئے کہیں کہ دیدہ براہ ورود ہوں

ہو سکا اس کا دیا کوئی گلہ ہے کہ نہیں!
وہ خفا ہیں تو چلو ہم بھی خفا ہو جائیں
دھوکا دیتے ہیں مجھے نقش قدم غیروں کے
مے نہ دے زہر ہی بھر کے مجھے دیدے ساقی
خود پسندی و خطاکاری و نادانی و جہل!
بے ترے کون سی شب ہے کہ نہیں شام اجل

۱۳۸۵ھ

بیدلی تو ہی بتا دل سے مفر ہے کہ نہیں
دیکھنا یہ ہے محبت میں اثر ہے کہ نہیں!
کس سے پوچھوں یہ تری راہگذر ہے کہ نہیں
لب تک اوس کے لب ساغر کا گزر ہے کہ نہیں
ہم ہیں وہ کون سا دنیا کا ہنر ہے کہ نہیں
غیرت شام اجل کون سحر ہے کہ نہیں

ہم تو کھوئے سے گئے پا کر انہیں ضامن لیکن
خود فروشوں کو بھی کچھ اپنی خبر ہے کہ نہیں

جو سات پردوں میں فکر نقاب کرتے ہیں
ہیں نور چشم جہاں کیوں حجاب کرتے ہیں

شمار کیا مرے عصیاں کا پیش رحمت حق
کریم سائلوں سے کب حساب کرتے ہیں

غضب ہے ہنستے ہیں میخوارگان الفت پر
جو بیخود غم دہر انتخاب کرتے ہیں

نثار ایسے کرم کے خطائیں دیکھ کے بھی
عطائیں کرتے ہیں اور بیحساب کرتے ہیں

کسی سے روئے سخن ہے کسی طرف ہے نگاہ
یہ کون سمجھے وہ کس سے خطاب کرتے ہیں

خراب بادۂ الفت بنا دے اے ساقی
ہم آج سیر جہان خراب کرتے ہیں

ہمیشہ دل ہی میں ہیں ضامن کے پھر یہ پردہ ہے
نظر کے سامنے آتے حجاب کرتے ہیں

شب وعدہ سحر ہونے کو آئی اب تک آتے ہیں
ہمیں جاتے ہیں دنیا سے وہ آتے ہیں نہ جاتے ہیں

کشش ہے جانے والوں کی جو ہمکو کھینچے لیتی ہے
قدم کے نقش آغوش تمنا بنتے جاتے ہیں

ہوا پھرتی ہے ہر موج نفس کیساتھ دنیا میں
بڑے احمق ہیں وہ بھی کل کا غم جو آج کھاتے ہیں

وفا ہو یا جفا ہر حال میں یاد آوری ٹھہری!
نہ پائیں ہم جگہ محفل میں اونکے دل میں پاتے ہیں

خودی نے کھو دیا دنیا سے اہل کبر و نخوت کو
یہ متوالے نہ چونکیں گے مٹے غفلت کے ماتے ہیں

مرادیں دونوں جہاں کی [illegible]
ارے ناداں زباں پر راز کی باتیں بھی لاتے ہیں

کہاں کی [illegible] ساقی [illegible]!
یہ سب چھالے [illegible] ہیں اونکی سوز آتش شوق اٹھاتے ہیں

یہ نیرنگ فنا و کون عالم کیا [illegible]
بنائے ہیں مٹاتے ہیں مٹائے ہیں بناتے ہیں

سخن میں ڈھونڈھتے ہیں اہل بینش مسلک ضامن
نشان ہستی گم کردہ ان رستوں میں پاتے ہیں

[illegible]
[illegible] قضا کا [illegible] نظر کے تیر ہیں

گتھیاں سی گتھیاں الجھاؤ سے الجھاؤ ہیں
جا پھنسی تدبیر بھی بگڑی ہوئی تقدیر میں

اوسکی بے پروائیاں اوز اسکی جاں فرسائیاں
اب تو شک ہونے لگا ہے آہ کی تاثیر میں

جوہروں پر دیکھتا ہے خون عاشق کی بہار
پھول بھر لایا ہے قاتل دامن شمشیر میں

پوچھنا کیا دل کا کیا کہنا ہے دل کی آہ کا
جذب ہیں مشتاق وہ مستانہ یہ تاثیر میں

اک ذراسی گردش نوک قلم آفت ہوئی
حرف منفی کاش رہجاتا تری تحریر میں

جسکو دیکھا ہے ستاروں ہی کی گردش کا قتیل
کیا ہی جوہر بھرے ہیں آسمان پیر میں

سوزن عیسی سمجھ کر پاس رکھتا ہوں اسے
کچھ عجب دلچسپیاں ہیں خار دامنگیر میں

اپنے اپنے رنگ میں ضامن سبھی استاد تھے
بات لیکن اور ہی کچھ ہے کلام میر میں

دل میں داغ حسرت و اندوہ و حرماں کم نہیں
تیرے تاروں سے شب غم یہ چراغاں کم نہیں

دل کو بہلاتا بہر صورت کسی حیلہ سے ہے
ورنہ اسے کافر نہیں ہے کچھ ترا ہاں کم نہیں

دل نے خود دکھایا فریب رنگ و بوے آرزو
ورنہ بے رنگی میں جمعیت کے ساماں کم نہیں

ہم قناعت پیشہ ہیں زاہد ملا جو کچھ ملا!
جنت موہوم سے یہ باغ امکاں کم نہیں

جسکی اک کافر ادا ٹھہری بہاے دین و دل
دیکھیے جاں بھی اوسکا ملنا گر ہو آساں کم نہیں

اشک باری ہو چکی لخت جگر آنے لگے!
پنجۂ مرجاں سے اب تو شاخ مژگاں کم نہیں

اف ری رستاخیز حسرت ہائے وصل ناتمام
صبح محشر سے ہماری شام ہجراں کم نہیں

کون سا غم ہے جہاں کا جو نہیں لیں گرہ
سبحۂ زاہد سے کچھ میری رگ جاں کم نہیں

اے فلک تو کیا حباب آسا یہ کشتی تیری کیا
جوش پر آ رہے تو اشک غم کا طوفاں کم نہیں

ہر طرح کے وسوسوں سے مل گئی ضامن نجات
بیدل کا یہ ہمارے سر پہ احساں کم نہیں!

بتخانے میں اے خدا تصویریں ہیں ۔ تیرے ہی جلوہ کی یا تنویریں ہیں
کیونکر مٹیں داغ دل داغِ جگر ۔ قسمت کی یہ چارہ گر تحریریں ہیں!
بشکستہ پائی دار خود رفتگی ۔ تیرے اسیروں کی یہ زنجیریں ہیں
خانہ بدوشوں کو کیا محلوں سے کام ۔ مٹ جانے والی یہ سب تعمیریں ہیں
قسمت زلیخا کی کب مجھ کو ملی ۔ الٹی مری خوابوں کی تعبیریں ہیں
عشاق کیونکر بھلا جانیں نہ دیں ۔ ہیں یہ بھنویں یا اُپچی شمشیریں ہیں
اتنا نہ چھیڑا اے جنوں رہنے بھی دے ۔ کہنے کو تو پاؤں میں زنجیریں ہیں
ہاں جانفزا ہے نہیں ہے دلربا ۔ جادو بھری اون کی سب تقریریں ہیں
جوش جوانی گیا وحشت گئی! ۔ اب رگیں پاؤنکی زنجیریں ہیں
ملک سخن پر رہے قبضہ مرا ۔ منصب یہی اور یہی جاگیریں ہیں
جان آگئی یا علی جب دم کہا! ۔ اس نام میں بھی عجب تاثیریں ہیں
خوف گنہ کیوں ہے واعظ اسقدر ۔ اک بات میں واں بحل تقصیریں ہیں

خاک شفا ایک اک خاک نجف
عالم میں ضامن یہی اکسیریں ہیں

قاتل کی نگاہ دیکھتے ہیں! ۔ مرنے کی راہ دیکھتے ہیں
کیا وہ بھی راہ دیکھتے ہیں ۔ ہاں قوت آہ دیکھتے ہیں
ساقی سے ملا ہے آج وہ جام ۔ خود کو جو سیاہ دیکھتے ہیں
دامن میں ترے چھپے ہیں آکر ۔ یاں جائے پناہ دیکھتے ہیں
پاتے ہیں دل آرزو سے خالی ۔ اک شہر تباہ دیکھتے ہیں
آجا ۔ آجا ۔ نہ آنے والے ۔ کب سے تری راہ دیکھتے ہیں
اک ماہ کو مہر کاہ پاکر ۔ صدقے جا نگاہ دیکھتے ہیں

۱۲۲

تجھ سودا ہے یا سویدا — کچھ دل میں سیاہ دیکھتے ہیں
ہے کتنی عام تیری رحمت — کر کر کے گناہ دیکھتے ہیں
منعم ڈھونڈیں بلند نامی — کیا رفعت و جاہ دیکھتے ہیں
انداز جفا دکھاتے جاؤ — ماشاء اللہ دیکھتے ہیں
رخ پر ہے کسی کے سبزۂ خط — یا مہر گیاہ دیکھتے ہیں
جھوٹے ہوئے میرے سارے دعوے — منہ اون کا گواہ دیکھتے ہیں
مہنگا ہے دل جو اک نظر پہ — سبحان اللہ دیکھتے ہیں
کملی کی قدر کیا ہو اونکو — جو چتر و کلاہ دیکھتے ہیں
جن کو دو گز زمیں ہے درکار — خیمہ خرگاہ دیکھتے ہیں
اب جان گئی گئے دل و دیں! — خالق کی پناہ دیکھتے ہیں!
چھا سودا ہے عشق کا بھی! — دل دے کے نگاہ دیکھتے ہیں
ہم سے کب تک یہ لن ترانی — انشاء اللہ دیکھتے ہیں!
نشتر ہی چبھوئے ہوتے ولیں — اللہ اللہ دیکھتے ہیں!
نالوں کا اثر تو خوب دیکھا — اب کر کے اک آہ دیکھتے ہیں
نجم قسمت کو اپنے ہم آج — ہم پہلوئے ماہ دیکھتے ہیں

خدا حسن نہ کرایا لائے تشریف
دو سال سے راہ دیکھتے ہیں

۱۲۳

ہجر کی طرفہ وارداتیں ہیں — راتوں کے دن ہیں دن کی راتیں ہیں
ہم تو اون کے ہیں پھر یہ کیوں ہے — داؤ ہیں چھکیاں ہیں گھاتیں ہیں
یاد کرتے ہی آ گئیں دل میں — حسرتوں کی بڑی حیاتیں ہیں
شیخ کی خشک منزلیں کو نہ پوچھ — آئیں لو ان اسلم ہیں مسلمانی باتیں ہیں

اللہ اللہ یہ اہتمام حجاب ق اوٹیں ہیں پردے ہیں قناتیں ہیں
حسن بھی کوئی چھپنے کی شے ہے؟ گرچہ ہر سر میں بھی راتیں ہیں
شرح منشور عشق لکھتا ہوں خونِ دل سے بھری دواتیں ہیں

ہم نے دیکھا کلام ضامن کا
اور تو کچھ نہیں ہے باتیں ہیں

تجھے قصرِ دل کا مکیں جانتے ہیں اور اس گھر کو عرشِ بریں جانتے ہیں
ترے دل شدہ کچھ نہیں جانتے ہیں نہ دل جانتے ہیں نہ دیں جانتے ہیں
ہماری وفا تیرا دل جانتا ہے جفاؤں کو تیری ہمیں جانتے ہیں
پڑا ہے جنہیں کام کچھ اشکِ غم سے وہی قیمتِ آستیں جانتے ہیں!
کھچے ہیں وہ نقشِ قدم دلیں جب سے ہم اس دشت کو گل زمیں جانتے ہیں
مدارات ظاہر نصیبِ حریفاں ہم اندازۂ مہر و کیں جانتے ہیں
محبت کی گھاتیں لگاوٹ کی باتیں ق یہ ناصح یہ واعظ نہیں جانتے ہیں
یہ وہ بھید ہے جسکو سمجھا نہ کوئی یہ وہ رمز ہے جو ہمیں جانتے ہیں
نہ دے شرح کر نیاز غمزیاں تجھے لوگ ناز آفریں جانتے ہیں
تمنا ہے اک لفظ محرم معنی! ۱۳۲۱ جسے جان کر وہ نہیں جانتے ہیں
کہیں لوگ شمشاد قامت مگر ہم تجھے مقصدِ راستیں جانتے ہیں
سمجھتے ہیں گردوں کی نیرنگ سازی شفق کو تری آستیں جانتے ہیں
وہی کج ادائی وہی کم نگاہی وہی تیر ہیں دلنشیں جانتے ہیں
نو آموز درس کتابِ وفا ہے جسے دانشِ اولیں جانتے ہیں

ملی بیخودی میں یہ لذت کہ ضامن
مئے تلخ کو انگبیں جانتے ہیں

محو نیرنگی خیال ہوں میں — گفتگوئے زبان لال ہوں میں
رخ ہستی پہ صورت شبنم! — قطرۂ اشک انفعال ہوں میں
پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہوں آزاد — گو سراپا رگوں کا جال ہوں میں
خضر منزل ہوں کاش ذوقِ تپش — موج غم ہوں شکستہ بال ہوں میں
ہوں دکان متاع بے ہنری! — زنگ آئینۂ کمال ہوں میں
ایک جلوہ ہے ذرہ سے تا مہر — نقطۂ خامۂ جلال ہوں میں
شعلے سے حال سوز عشق نہ پوچھ — ہمہ تن اک زبان حال ہوں میں
رنگِ افسوں ہے میری نیرنگی — جلوۂ معرض زوال ہوں میں!
مدعا یہ ہے مدعا نہ ہو کچھ — حرف ناگفتہ سوال ہوں میں
میری گردش سے ہے گردشِ ایام — اثر دور ماہ و سال ہوں میں

ہے یہ خامی بھی پختگی ضامن
ثمر ودۂ کمال ہوں میں!

رخ فطرت تہ نقاب نہیں — چشم بینا سے یاں حجاب نہیں
مانع دید اپنی آنکھیں ہیں! — بجز ان پردوں کے حجاب نہیں
بو تخم عمل نہ بے سمجھے — پھل خطا کا کبھی صواب نہیں
بے ستوں یاں سر اوقات فلک — میرے نالوں کا کچھ جواب نہیں
صدمۂ درد ہجر دل کو نہ دو — سب سہوں گا پر اسکی تاب نہیں
طور پر کیوں گری تھی برق جمال — کیا مجھے اسقدر بھی تاب نہیں

مست صہبائے عشق ہیں ضامن
کچھ ہمیں خوف احتساب نہیں

بڑھ کر سکونِ دل سے متاعِ جہاں نہیں
سب کچھ ہے پھر جو پائے ہوس درمیاں نہیں

ترکِ وفا وجودِ وفا کی دلیل ہے!
نامہرباں تو ہے وہ اگر مہرباں نہیں

اب کیا کہے کوئی دلِ اغیار و یارِ عشق
جس دل میں دکھ اٹھانے کی تاب و تواں نہیں

ایسی تو ہو طراوشِ رنگِ بہارِ عشق!
پھولوں کی ہے چھڑی مژہ خونچکاں نہیں

تفسیرِ یک جہاں غم و حسرت ہے حرف حرف
تو جب کو سُن سکے وہ مری داستاں نہیں!

صوتِ شکستِ غنچہ ہے کوسِ رحیلِ گل!
کب دامنِ بہار میں رنگِ خزاں نہیں

اللہ ری فتنہ باری چشمِ فسوں طراز
محشر کدہ نہیں ہے قیامت کہاں نہیں

ہے سخت امتحاں کہ تغافل سے لیں گے کام
کہتے ہیں اب ہمیں ہوسِ امتحاں نہیں

ساماں رنج و راحتِ دنیا ہمیں سے ہے
اس میہماں سرا میں کوئی میزباں نہیں

غافل نہیں ہے یہ تپشِ ذرہ بے سبب
غم ہے کہ مہرِ پردۂ دل میں نہاں نہیں

پیدا سراغِ عمرِ گذشتہ کہاں سے ہو
راہِ نفس میں نقشِ قدم کا نشاں نہیں

ضامن سخن میں فیضِ ازل سے ہوں بہرہ یاب
جز روحِ قدس کوئی مرا ہمزباں نہیں

کب عکسِ چشمِ مست ہے جامِ شراب میں
نرگس کا پھول ہے قدحِ آفتاب میں

کس طرح چاہوں عفوِ قصور اوس سے کیا کروں
کیا جانے کہہ گیا ہوں میں کیا اضطراب میں

دل گرمیوں کے بعد ہے لطفِ گدازِ دل
زاہد رہی گناہ کی تمنا بھی ثواب میں

وارستگی کی شرم نہ پابستگی کا رنج
ہے زلف میرے واسطے کیوں پیچ و تاب میں

دل سے ہے نغمہ خیزیِ سازِ غم و نشاط
رکھا ہی کیا ہے نغمۂ چنگ و رباب میں

اس جنبشِ مژہ کا بھی کوئی حساب ہے
کہ کیوں سبب میرے زخمِ جگر کے حساب میں

ان گورے گورے گالوں کا خار اس نگہ میں ہے
کہہ لو نہیں ہے خار ہمارے گلاب میں

عشق اور دونم غیرِ حیا اور غرورِ حسن!
دونوں طرف سے جاں بلبی ہے عذاب میں

یعنے کہ بے محل ہے یہ اظہار حال دل ! — پھر اوس نے میرے منہ پہ لگا دی جواب میں

ضامن اسی طرح سے میں چھیڑونگا لاکھ بار
لطف خطاب ملتا ہے اوسکے عتاب میں

۱۲۳

کیا حسن بیحجاب ہو پنہاں حجاب میں ! — فانوس میں ہے شمع کہ چہرہ نقاب میں
دم بھر نہیں قرار نگہ کو نقاب میں — سو بیحجابیاں ہیں ترے اک حجاب میں
سحر آفریں ہے خندۂ دنداں نمائے یار — موج اس ہوا سے اٹھتی ہے موتی کی آب میں
مستی نگاہ دیدۂ ساغر سے وام لی — بن کر خراب ہم رہے دیر خراب میں
مہر دو فا کا نام مٹایا رقیب سے — ! دل شرر سے آگ لگی آفتاب میں
ہشیاریوں سے لینی ہے غفلت کی مجھکو داد — تھی جسکی آرزو اوسے دیکھا ہے خواب میں
صورت میں فرق ہو پہ حقیقت میں ایک ہیں — قطرہ میں بحر موج ہے پنہاں حباب میں
کیا پوچھتا ہے رندونکی زندہ دلی کا حال — جوہر ملا تھا روح کا زاہد شراب میں
الجھا دیا امید ہوس آفریں نے پھر — دامان عمر پنجۂ موج شراب میں

غالب کی طرح سے ہوں میں ضامن علی پرست
"مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں"

۱۲۴

ترا ہی نغمہ ہے ہر جنبش تار رگ دل میں ! — ترانہ ہے ترا ہر ساز منقار عنادل میں
یہ مہر عشق ہے فرد برات حسن لیلیٰ پر ! — سواد چشم مجنوں نے جگہ پائی ہے یا تل میں
کہاں طوفاں تمناؤں کا پہلو دل سے خالی ہے — بجائے سبزہ خاک اوڑتی ہے اس دریا کے ساحل میں
گواہی دیرہا ہے ذرہ ذرہ جسکی قدرت پر ! — وہ اک موہوم ہستی ہے ہمارے زعم باطل میں
خراج صد یمن لیتے دل صد پاش یک عالم — ہے اوس سلطان ملک حسن کے ادنی مداخل میں

جو سمجھو تو بہت ہے ورنہ فرق امتیازی کچھ ! — نہیں جز اختلاف عادت اشراف وارذال میں
سکت دے پائے ہمت کو مرے اے ضعف طاقت — برا الجھا ہے دام عشوۂ دوری منزل میں
خیال عرش پیما محو سیر عالم دل ہے — تماشا ہے کہ منزل مجھ میں ہے اور میں ہوں منزل میں
کرے کیا سجدہ ریز پائے حسرت ہی نیاز اپنا — کہ جا دُش ادب ہے بے نیازی تیری محفل میں
دل نیرنگ ساماں کثرت اندوز تماشا ہے — نظر آتے ہیں لاکھوں قیس اک لیلی کی محمل میں

ہوئیں پامال انداز تغافل ہائے مہرباں !
وگرنہ تھیں بہت سی آرزوئیں ضامن اس دل میں

سب کو چھوڑ اب اس آزار سے کچھ کام نہیں — دل سے مطلب نہیں دلدار سے کچھ کام نہیں
تھا جنوں میں تو بھلا چاہ در یار کا شغل — اب تیرے پھرتے ہیں بیکار سے ! کچھ کام نہیں
[illegible] ! — سقف افلاک کو دیوار سے کچھ کام نہیں
شکوہ کرتا نہیں میں کہتے ہیں بات آتی ہے — تھا جو پہلے اب اوس اقرار سے کچھ کام نہیں
دل چرایا ہے لگا ہوں سنے ادھر آنکھ ملاؤ — مجھ کو اس طرۂ طرار سے کچھ کام نہیں
ہم تو ہیں اپنی ہی بیتابی دل کے مارے — گردش گنبد دوار سے کچھ کام نہیں
دوست ہو کوئی کہ دشمن ہو مگر اپنا ہو — اون کا کیوں نام لو اغیار سے کچھ کام نہیں
ہوں خراباتی خمخانۂ نیرنگ خیال — مے سے مطلب نہیں خمار سے کچھ کام نہیں
چاک دامن کا ہے کچھ غلغلہ یوسف انصاف — اور کسی کے دل افگار سے کچھ کام نہیں
آتش عشق کو بھڑکاتا ہے کیوں دامن ناز — تم کو تو گرمی بازار سے کچھ کام نہیں
آپ سے ہم روش مہر و وفا چاہتے ہیں ! — شوخی موجۂ رفتار سے کچھ کام نہیں !
دل نہیں دیتے ہیں انکار ہے اچھا نہ سہی — آپ کھل جائیگا تکرار سے کچھ کام نہیں

دل کے آئے ہوئے ہر اھرمیں ہیں آج دل
ایک ضامن ہی کو سرکار سے کچھ کام نہیں

ہم اپنی زباں سے کہیں کیوں بت ہیں خدا ہیں
تم تو روشِ عقدۂ ترحم کو نہ چھوڑو!
مانا کہ قیامت نہیں رفتار کسی کی!
کیا اوس سے گلہ ہجر کا گر جس کا ہو دیکھیں
اک غنچۂ نشگفتۂ دل رکھتے ہیں ہم بھی!
کیا کہہ گئی چپکے سے صبا کان میں آکر
ہو جیسے شب ماہ میں دریا کو تموج
جز داغِ تمنا نہیں رکھتے ہیں تمنا
جب جیب ہی میں دست تمنا ہیں بھرا کیں
ہم یہ نہیں کہتے وہ دہن ہی نہیں رکھتے
جاتی ہے بہار اور نہ ملی میکدہ کی خیر

۱۲۴۲

جائے خود اونہیں سے کوئی پوچھے کہ وہ کیا ہیں
ہاں ہم تو سراپا گنہ و جرم و خطا ہیں
کچھ تو ہے کہ جو چار طرف فتنے بپا ہیں!
وہ ہم سے جدا اب ہیں ہیں اون سے جدا ہیں
شاکی دِ یور اور نہ ممنون صبا ہیں
گل بلبلوں کے شوق میں آغوش کشا ہیں
ارمان اُنہیں دیکھ کے ہنگامہ فزا ہیں
مشکور اثر ہم ہیں نہ ممنون دعا ہیں
آئینہ تصویر اگر ہیں بھی تو کیا ہیں
ہاں کان تو بیشک ابھی محروم صدا ہیں
ہم بھی یہ کہیں گے در ساقی کے گدا ہیں

وہ اور ہیں ضامن کہ جو دب جائیں کسی سے
دنیا سے خفا ہم ہیں جو وہ ہم سے خفا ہیں

مانع وفا سے اون کی ستم رانیاں نہیں!
آئینہ دارِ حُسن ازل ہے دل حزیں!
جسکو ہے ساز و برگ تمنا تمھارا نام!
دلچسپیوں بغیر نہیں کاروبار زیست!
مرنا ہی سہل گر نہ ہو امید وصل کی!
رخصت طلب ہیں کرتی ہے اون کی شباہت
ملتا ہے کام ہی میں کچھ آرام روح کو
گذرا شباب۔ سرد ہوا دل۔ بجھی امنگ

۱۲۳۲

ق

آئینِ عاشقی میں پشیمانیاں نہیں!
زائل ہوں جو کبھی یہ وہ حیرانیاں نہیں
ناساز اوسکو بے سر و سامانیاں نہیں
دشواریاں تو ہیں اگر آسانیاں نہیں
جیتے ہیں جس پہ ہم وہ گراں جانیاں نہیں
بیوجہہ مرغ جاں کی پر افشانیاں نہیں
راحت رساں بشر کی تن آسانیاں نہیں
آہوں میں اگلی سی شرر افشانیاں نہیں

آنکھیں ہیں محو حیرت انجام کار عشق
خالی ہے سر ہواؤں سے سودائے زلف کی
ضبط نفس ہے باعث تسکین قلب و روح

گوہر کی اس عدن میں اب ارزانیاں نہیں
دل میں محیط آز کی طغیانیاں نہیں!
برہم زنِ حواس ہوس رانیاں نہیں

یہ رنگ اور ہی ہے یہ آہنگ اور ہی
ضامن وہ ہم نہیں وہ غزلخوانیاں نہیں

یہ تو کیا ہے جو ہو دامان بیاباں دامن
شرم تردامنی و گرمی محشر کا ہے دھیان
پھر رلاتی ہے لہو خار تمنا کی خلش!
دست وحشت سے ہے صد پارہ قبائے ہستی
اڑ کے پڑ جائے کہیں خاک نہ مظلوموں کی
مر و سے جی اٹھیں ہوا دیکھے ذرا دیکھیو تو
سیکڑوں دل ہیں کہ ہر بل میں پسے جاتے ہیں
چننے آئے تھے یہاں پر گل گلزار مراد

[illegible]

نہ بچے دست جنوں سے کسی عنوان دامن
دیکھنا خشک نہ ہو دیدۂ گریاں دامن
پھر دکھاتا ہے بہار چمنستاں دامن!
خاک پہچان پڑیں اسمیں گریباں دامن
ہاں اٹھائے ہی رہے گنبدِ گرداں دامن
ہے مگر بافتہ تار رگ جاں دامن
یوں نہ نکلا کرو گردان کے ایجاں دامن
نذر حسرت سے ہے صحرائے مغیلاں دامن

اب تو کوتاہی دامن پہ ہے **ضامن** ہیں ناز
تھا کسی وقت دلیل سر و ساماں دامن

بند نالے مرے خود راہ اثر کرتے ہیں
سرمہ سمجھے ہیں تری خاکِ قدم کو جو لوگ
نوح کا بھی نہیں یہ عہد خدا خیر کرے
دیکھیں کیا کہتی ہے وہ چھپی رنگت ہم آج

[illegible]

کہ رفو چاک گریبان سحر کرتے ہیں!
وہ بھلا کب ہوس کحل بصر کرتے ہیں
کیا غضب دیکھیے اب دیدۂ تر کرتے ہیں
امتحان محک جذب نظر کرتے ہیں!

ڈر خدا کا ہے جنہیں خوف انہیں خلقت کا نہیں — کام جو کرتے ہیں بےخوف و خطر کرتے ہیں
پا کے دل خوش ہیں بہت جنکو خبر اسکی نہیں — دے کے سر ہم مہم عشق کو سر کرتے ہیں
شب کو جانسوزی غم دن کو سیہ روزی بخت — کیا بتائیں تمہیں کس طرح بسر کرتے ہیں
تشنگی آب گہر سے بھی کہیں بجھتی ہے — جنکے آنکھیں ہیں حقیقت پہ نظر کرتے ہیں

بخت اونکے ہیں نصیب اونکے ہیں قسمت اونکی
ضامن اپنا جنہیں وہ دست نگر کرتے ہیں

نہ ہو برہم کہ اپنے درد کا افسانہ کہتے ہیں — سنو ہم حالت سوز دل پروانہ کہتے ہیں!
شراب عاشقی کا ہم جنہیں پیمانہ کہتے ہیں — اونہیں آنکھوں کو شاید نرگس مستانہ کہتے ہیں
مٹا دے اپنی ہستی کو محبت میں وہ عاشق ہے — جو مالک جان و دل کا ہو اوسے جانانہ کہتے ہیں
محبت میں جو رسوائی و ذلت ہو وہ عزت ہے — گدا تیرے اسی کو حشمت شاہانہ کہتے ہیں
قیامت ہے اگر ہو جنبش غفلت حاصل ہستی — میں سو جاتا ہوں بیدار کیا جب افسانہ کہتے ہیں
شکستہ کعبہ سے کب خالی از لطف تماشا ہے — وہ اک آئینہ خانہ ہے جسے میخانہ کہتے ہیں
رہ و رسم دیار عشق پوچھو خضر و مجنوں سے — اسے ہشیار کہتے ہیں اونہیں دیوانہ کہتے ہیں
تو ہم پیشگی سے دل اسیر قید حسرت ہے — بہارستان عشرت کو بھی ہم غمخانہ کہتے ہیں!
بہار جلوہ ارزاں ہے اگر ہو عشق کی گرمی — برات وصل ہے جسکو پروانہ کہتے ہیں!

نہ کہے کیا کوئی **ضامن** ان حقیقت ناشناسوں کو
جو ابراہیم کے گلشن کو آتشخانہ کہتے ہیں

ہیں اور قلب خلش دوست جن کے بر میں نہیں — وہ خار آنکھ میں کھٹکے ہیں جو جگر میں نہیں
کڑی عدم کی یہ منزل یہ ضعف و نابلدی! — رفیق بھی کوئی اس راہ پر خطر میں نہیں

غزل

پناہ لیں گے حوادث سے اے فلک تہ خاک
امان سنگ کی بارش سے شیشہ گھر میں نہیں

قدم قدم پہ ہیں فتنے کھچے قیامت کے
وہ کون فتنے ہیں جو تیری رہگذر میں نہیں

ہے ساتھ جان کے یاد چمن مگر ہمدم
میں کیا کروں سکت اڑنے کی بال و پر میں نہیں

دعائے نیم شبی کھائے ٹھوکریں کب تک
ذرا سا بھی کوئی رخنہ در اثر میں نہیں

صبا کی ہم نفسی خار کی دلاویزی
جو لطف وادی وحشت میں ہے وہ گھر میں نہیں

نگاہ کج سے نہ دیکھو ادھر۔ اودھر دیکھو
ہمارے دل میں ہے جو تیر کچھ جگر میں نہیں

بنے ہیں نقش کف پائے غیر کام نہنگ
گذر خیال کا بھی تیری رہگذر میں نہیں

وہ گرم گرم نگاہیں وہ دل کی بیتابی
چمک یہ برق میں اور یہ تڑپ شرر میں نہیں

فشار چشم جدا ہے گداز دل سے ہے جدا
جو بات لعل میں ہے وہ کبھی گہر میں نہیں

مبارک اطلس و کمخواب سادہ لوحوں کو!
ہوس کے داغ مرے دامن ہنر میں نہیں

چمن کے پھول ہیں فرش رہ صبا ضامن
سفر میں ہیں جو دلاویزیاں حضر میں نہیں

غزل

رات دن تیری عطا تیرا کرم دیکھتے ہیں
اپنی حالت کو بھی یارب کبھی ہم دیکھتے ہیں

کیا مزہ ملتا ہے اس دل کو جفاؤں میں تری
یوں بھی خوش ہو کے زمانہ میں کرم دیکھتے ہیں

دل سے بہتر کوئی آئینہ نہ دیکھا ہم نے
لوگ ایسے بھی ہیں جو ساغر جم دیکھتے ہیں

اپنے بیمار سے اے آئینہ رو کر نہ حجاب!
اب تو نوبت یہ ہے آئینہ میں ہم دیکھتے ہیں

کس کی قسمت جو ہو نقش کف پائے رہ دوست
سرفرازی ہے یہی اون کے قدم دیکھتے ہیں

دامن بحر سے طوفاں میں بھی لپٹی ہے موج
دل شکستہ روش اہل کرم دیکھتے ہیں!

ہے یہ نیرنگ وفا دید کے قابل ضامن
کعبہ میں روشنی حسن صنم دیکھتے ہیں

شرف قبول اسی کو نذر ہے حصول درگہ ناز میں ۱۳۳۸ھ
سر سجدہ ریز نیاز جو ہو جدا بدن سے نماز میں

ہے خزانِ گلبنِ عافیت اثر ہوائے مفاخرت
نہیں جز غبار فسردگی گل تر کے دامن ناز میں

جو ہو سرخوش قدح خودی کہیں کیا ہم ایسے سفیہ کو
ہے کلام شیخ فقیہ کو مئے بیخودی کے جواز میں

دل سخت آہن سرد ہے تن نرم غیرت ورد ہے
یہ کہاں سے آگئیں گرمیاں ترے حُسن مہر گداز میں

تو فروغ بزم نشاط ہے میں حریف شعلہ ناز ہوں
یہی ساز و سوز کا فرق ہے مرے سوز میں ترے ساز میں

مجھے راستیں سے غرض نہیں مجھے باربد سے ہے کام کیا
مرے نالوں میں جو ترانہ ہے وہ نوا نہیں کسی ساز میں

ہوں غبار دامن رہگذر ہے یہ انکسار عروج اثر
نہ ہوں پائے خفتہ نشیب میں نہ ہوائے عجب فراز میں

تھا گل بہار نیاز دل اسے خوں کیا تو پھر اب ہی کیوں
یہ خمار حیرت منفعل نگہہ فسونگر ناز میں!

کوئی دل گرفتہ رہا کرے کوئی پیچ و تاب سہا کرے
وہ گرہ گرہ پہ دبا کرے یوہیں اپنی زلف دراز میں

نہ ہو دل ہی خلوت آشنا اگر نہ ملے بشر سے کبھی بشر
نہ ہو خم اُدھر کبھی کوئی سر نہ اگر ہو کعبہ حجاز میں

پُر ہو **ضامن** اور غزل کوئی نہیں بند طبع رسا ابھی
گہر سخن کی نہیں کمی کبھی اس خزینۂ راز میں

ہیں چمن میں جلوۂ رنگ ہوں میں نوا ہوں پردۂ ساز میں
ہیں نہاں ہزار حقیقتیں مرے اک ظہارِ مجاز میں

ہیں کلیم دل مرا طور ہے یہی آستانِ حضور ہے!
یہی جلوہ زارِ شعور ہے یہ ہے شمعِ خلوتِ راز میں

مری آہ شرحِ مشاہدہ مرا نالہ عینِ مجاہدہ!
ہے یہ راہ سب سے علحدہ نہ عراق میں نہ حجاز میں

نہ تو دل میں ذوقِ نمود ہے نہ جبیں پہ داغِ سجود ہے
نہ قیام ہے نہ قعود ہے ہوں فتادہ راہِ نیاز میں

نہ حریصِ جاہ و حشم ہوا نہ شکارِ ناز و نعم ہوا
وہی داسِ مزرعِ غم ہوا جو خم آیا گردنِ آز میں

ہے دل گہر کی شکستگی اثرِ تکلفِ بستگی
نہیں قطرہ واقفِ خستگی رہِ شوق کے تگ و تاز میں

نظرِ تاملِ ما و من ہوئی برقِ خرمنِ حسنِ ظن!
تھے چھپے ہوئے شررِ فتن خرد و کرشمہ طراز میں

دلِ مبتلا نے ستم کیا کہ حریفِ آتشِ غم کیا!
مجھے شمعِ دیر و حرم کیا کٹی عمر سوز و گداز میں

ٹھہر اے دل ہوس آفریں نہ فریب کھائے نظر کہیں
ہیں خزفِ قراضۂ زر نہیں کفِ دستِ شعبدہ باز میں

یہ نشاطِ رنگ ہے کوئی دم سمجھ اسکو عشرتِ مغتنم
ہو شرابِ شبنم اگر بہم گلِ تر کی محفلِ ناز میں

ہے غبارِ آئینۂ امل یہ ہجومِ حسرتِ بے محل!
کہ ہے خامۂ رقمِ ازل یدِ قدرتِ ہمہ ساز میں

میں وہی ہوں ضامن خوش نوا کیا جس نے باغ سخن ہرا
ہیں ہزار نکتۂ جاں فزا مرے کلک نکتہ طراز میں

جو قدر حسن رخسار و خط دلبر سمجھتے ہیں
اسے آئینہ قدرت اوسے جوہر سمجھتے ہیں

چمن پیرائے باغ عشق کو کیا کام گلشن سے
جگر کے داغ کو ہم لالۂ احمر سمجھتے ہیں!

حقیقت آپ کھل جاتی جو دونوں اک جگہ ہوتے
غلط فہمی سے یوسف کو ترا ہمسر سمجھتے ہیں

رگ گل برگ تر۔ موئے کمر کو کس طرح کہتے
کتاب حسن کا اس کو خط مسطر سمجھتے ہیں

خم گیسو کو گرداب بلا کہہ کر بگاڑیں کیوں
اسے تو اپنی ہی قسمت کا ہم چکر سمجھتے ہیں

بتوں کی یاد سے دل کو ملی ہے وقعت کعبہ
کوئی کچھ بھی کہے ہم تو خدا کا گھر سمجھتے ہیں

نہ یہ دیکھا نہ وہ دیکھا دہن کو تیرے کیا سمجھیں
قیاساً آبروئے چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں!

ملی ہے اسے مہوس جنکو دولت خاکساری کی
تری اکسیر کو اک مشت خاکستر سمجھتے ہیں!

غضب ہے داغ بدنامی سے آلودہ ہو گردامن
ہم ایسی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں

کہو ضامن بدل کر قافیہ اور اک غزل ایسی
تمھیں بھی جاننے والے سخن گستر سمجھتے ہیں

خضر کو بھی طریق عشق میں رہزن سمجھتے ہیں
سکندر ان کو سمجھیں دوست ہم دشمن سمجھتے ہیں

ہمیشہ دل میں ہیں آنکھوں میں اک پل بھی نہیں چھپتے
گزر گہ اسکو شاید اور اُسے مسکن سمجھتے ہیں

نہ کی تو نے دل تیرہ داغی کچھ قدر حیرت ہے
سمجھنے والے اس گلدستہ کو گلشن سمجھتے ہیں

رلایا ہے لہو یاں تک جگر کاوی نے مژگاں کی
مری آنکھوں کو لوگ اب لعل کی معدن سمجھتے ہیں

انہیں کے زیب تاج سر ہیں لعل و گوہر مقصد
جو ہر قطرے کو دریا سنگ کو معدن سمجھتے ہیں

جسے کہتے ہیں محشر اس کو تیرے دیکھنے والے
نگاہ ناز کا اڑتا ہوا دامن سمجھتے ہیں!

نہ کی گو ہم نے دل کی قدر لیکن اہل دل سارے
اسی کو دولت دارین کا مخزن سمجھتے ہیں!

بہار جلوہ ہے منت نظر بینا ہوں گو آنکھیں
سواد دل کو عارف وادی ایمن سمجھتے ہیں

ہے لفظوں کا الٹ پھیرا اور تو کچھ بھی نہیں **ضامن**
مگر اچھا ہے جو احباب مستحسن سمجھتے ہیں !

ترقیوں پہ ہے سوز الفت سمائے کیا آسماں نظر میں
جگر سے آہیں نکل رہی ہیں کہ چھا گیا ہے دھواں نظر میں

خیال کس کا نہاں ہے دل میں ہے کس کا جلوہ عیاں نظر میں
کہ جسکی باعث ہی خلد صحرا زمین ہے آسماں نظر میں

کہاں سے ہو اعتبار اس کا ہے لغو جب کاروبار اسکا
ثبات نقش قدم سے بڑھ کر نہیں ثبات جہاں نظر میں

گدا ہو یا بادشہ ہو کوئی جہاں میں سب ہیں غرض کے ساتھی
سبھوں کو ہم آزما چکے ہیں تلے ہیں خرد و کلاں نظر میں

نہیں قیام اسکو ایک پہلو ہمیشہ گردش میں ہے زمانہ
سبک وہی ہو رہے ہیں دیکھو تھا جنکا پلہ گراں نظر میں

عدم کو ہستی سے جا رہے ہیں اٹھے ہیں غفلت کی نیند سو کر
خمار سے پاؤں کو ہے لغزش بھرا ہے خواب گراں نظر میں

ہزار نام و نشاں سے بڑھ کر جہاں میں ہیں یہ بے نشانیاں
خیال راہ عدم سے پھرتی ہے صورت رفتگاں نظر میں

مری زخود رفتگی نے **ضامن** مجھے کسی کام کا نہ رکھا
ہوا ہوں اس درجہ کور باطن نہیں ہے سود و زیاں نظر میں

دیکھی جھلک جو عشق کی کل بزم راز میں
تصویر مرگ پھر گئی چشم مجاز میں !

شعلے لگے نکلنے دہن سے نفس کے ساتھ
قلب و جگر حریف بنے سوز و ساز میں !

دشت ہوس میں آگیا طوفان اشک شرم
برق فنا سے آگ لگی کشت آز میں

پائے شکیب ڈگنے لگے فرط خوف سے
ہوش و حواس چل دیے اس ترکتاز میں

علم و عمل کا دفتر پارینہ لٹ گیا
زہد و ورع لپٹ گئے سب جانماز میں

بھاگی سپاہ عقل گئے ہاتھ پاؤں پھول !
چوٹیں چلیں جو بیخودی و امتیاز میں

یکبارگی حجاب جو تھے دور ہو گئے !
باقی رہا نہ فرق ناز و نیاز میں !

منصب ملا جو شوق کو پھر احتساب کا
بولا کہ حکم پیر مغاں جو ہو وہ کرو
مانا کہ مے حرام ہبی یہ حلال ہے!

بحثیں شروع ہو گئیں مے کے جواز میں
خودداریاں نہ چاہئیں اہل نیاز میں
پینا پڑے گا خون جگر بزم ناز میں!

دربار عشق میں جبھی ضامن ملیگا یار
جب وسوسہ رہے نہ دل پاکباز میں

ہم نے یہ مانا کہ ترک نالہ و افغاں کریں
ہاتھ دھو بیٹھے تھے ہم دل سے کہ چھٹی مل گئی
میں نے پیدا کی ہیں گو آسانیوں میں مشکلیں
بیخودی گر سعی لاحاصل کی فرصت دے ہمیں
اس سے بہتر اور کیا ہے چارۂ جوش جنوں
اوس سے جب بہتر ہو تم پھر کہہ کے ناحق برق طور
مرنے والے سمجھیں گے آئی بہار جانفزا
جی میں آتا ہے کہ پھر دیں بزم آرائی کی داد
لکھیں خط شوق پھر۔ پھر سرخی خون جگر
پردہ ہائے چشم پھر ہوں فرش راہ انتظار
پھر بنا کر بتکدہ کعبہ کو دیکھیں ایک بار
پھونکدے یہ خرقۂ سالوس گر برق جمال

ق

طائر رنگ پریدہ کو کہاں پنہاں کریں
واں تقاضائے نظر پھر ہے کہ نذر اب جاں کریں
وہ اگر چاہیں تو ساری مشکلیں آساں کریں
کوششیں پیش نظر جو ہیں وہ تا امکاں کریں
دل کو پابند خیال گیسوئے پیچاں کریں!
دیدہ و دل کو رقیب موسی عمراں کریں
خون سے گلرنگ گردہ قتل کا میداں کریں
پھر مہیا عیش و عشرت کا ہر اک ساماں کریں
صرف گلریزی نوک خامۂ مژگاں کریں!
پھر نچھاور اشک شادی کے دُر غلطاں کریں
پھر بلا کر خانہ دل میں انہیں مہماں کریں
ساز یک رنگی سے زیب محفل عرفاں کریں!

ہے جدا طرز اپنی ضامن شاعران عصر سے
ارمغاں ارسال کیا سوئے سخن سنجاں کریں

تیرے زخمی کچھ تڑپتے کچھ سسکتے ہیں کہیں!
پھول کھلتے ہیں کہیں غنچے چٹکتے ہیں کہیں!

فرش تھا نور نظر کنعاں سے تا زندان مصر
کور دل محبوب کی یوں راہ تکتے ہیں کہیں

عاشقوں کے دل بنے ہیں غم کی خاطر اے فلک
لاکھ بھر جائیں یہ پیمانے چھلکتے ہیں کہیں

ساقیا واعظ کے دق کرنیکی باتیں تھیں یہ سب
ظرف والے اتنی سی پیکر بہکتے ہیں کہیں

ایک مدت سے نہیں معلوم ہمکو دل کا حال
ہاں مگر کچھ خار حسرت کے کھٹکتے ہیں کہیں

مرد میداں تھے جبھی تو عشق کی زد پر گئے
معرکے سے یہ قدم پیچھے سرکتے ہیں کہیں

دل چھپکا جاتا ہے سینہ پر ذرا رکھو تو ہاتھ
دیکھو یوں مجمر میں انگارے دہکتے ہیں کہیں

شوق ناقص تھا نہ لائے جب تو موسیٰ تاب دید
ناظرہ پڑھنے میں حافظ بھی اٹکتے ہیں کہیں

تجھ میں اون میں **ضامن** انسان اور حیواں کا ہے فرق
کہنے کی باتیں ہیں بلبل یوں چہکتے ہیں کہیں

میں کیا جانوں صبا نے کتنے عقدے کھولے گلشن میں
گرہ دیدی ہے یاں حسرت جنوں نے وحشت و داماں میں

خبر کیا تھی کہ دل غارت کریں گی نیم باز آنکھیں
یہ دولت دیدہ و دانستہ دیدی دست رہزاں میں

شہید ناز کو قاتل نے عمر جاوداں بخشی
ملا تھا چشمۂ حیواں کا پانی آب آہن میں

دکھاتی ہیں بہار اشک خونیں پھر مری آنکھیں
ریاض مہر والفت سے چنے ہیں پھول دامن میں

صبا کا دسترس دیکھا جو اس زلف پریشاں تک
ترقی ہو گئی کچھ اور میرے دل کی الجھن میں

محرک ہمت مردانہ کی ہے آتش غیرت
کبھی ہوتی نہیں ٹھہرنے کی قوت سرد آہن میں

کبھی ہے خود فراموشی کبھی وحشت خرامی ہے
کبھی میں پابہ دامن ہوں کبھی ہے صحرا لے دامن میں

گرے تھے خاک پر جو اشک حسرت چشم بلبل سے
بنے ہیں گو ہر شبنم وہی پھولوں کے دامن میں

رفو وحشت میں **ضامن** خاک ہو چاک گریباں کا
الجھتا ہے مرا تار نظر بھی چشم سوزن میں!

کھلتی ہیں طبع یار کی نیرنگیاں کہیں!
آرام جاں کہیں ہے تو خواہان جاں کہیں

کرتا ہے دل جلا کوئی آہ و فغاں کہیں
دیکھو گریں عدو پہ نہ یہ بجلیاں کہیں

کھپتا نہیں جہاں میں گل لنہ سے گلاب
رہتا ہے خود فروش کا نام و نشاں کہیں

شان کرم سے دور ہے جور و جفا کی خو!
زنجیر موج سے نہیں پڑیاں کہیں

دل بیخودی میں خوش ہے کہ ہے لوٹ بے بری
جاتی ہیں آئینہ سے بھی حیرانیاں کہیں!

آرام سے نفور ہیں طالب عروج کے
تھک کر کسی جگہ نہ رکا آسماں کہیں

دل خود بخود بھر آیا کہ ہوں اہل درد سے
دیکھا مریض عشق کسی کو جہاں کہیں

ہوں میں ازل سے سرخوش صہبائے بیخودی
جاتی ہے دل سے الفت پیر مغاں کہیں

ضامن بہت نہ چاہئیں آتش زبانیاں
بجلی نہیں نہ طبع کی جولانیاں کہیں!

کیا غرض آپ سے کیوں حال دل زار کہوں
چارہ سازی کا اگر کیجیے اصرار کہوں

خود خطا وار ہوں تجھ کو خطا کار کہوں
جو کیا تو نے وہ کس سے بت عیار کہوں

رند مخمور ہیں زاہد ہیں نخوت سے ہے چور
سوچ میں ہوں کسی غافل کسے ہشیار کہوں

دل مضطر کو مرے چھید گئی تیری نگاہ
اسکو پلکیاں کہوں نشتر کہوں یا خار کہوں

آپ سنتے نہیں ہیں چرخ چہارم پہ مسیح
کس سے فرمائیے حال دل بیمار کہوں

تم پہ مرنیکا مزا پا کے نہ کس طرح سے میں
موت کو سہل کہوں زیست کو دشوار کہوں

ہاں تغافل ہی سہی یہ بھی دل آزاری ہے
کوئی بیجا نہیں گر تجھ کو جفا کار کہوں

ہو اگر مجھ بھی مقدر پہ بھروسا **ضامن**
کبھی بھولے سے نہ گردوں کو ستم گار کہوں

نہ محسن صنعت صانع کو دھیان میں لائیں
بتوں کو بھول کے واعظ خدا سے پھر جائیں

بہت بزرگوں کے اوصاف سن چکے اے شیخ
کرامت اپنی بھی آخر کچھ آپ دکھلائیں

جو پیر میکدہ دے اذن زہد سالوسی
تو ہم بھی آج سے اپنے کو پیر منوائیں!

قسم ہی کھائی ہے اون کو تو کیوں نہیں گمراہ
ہمارے سرہی کی جھوٹی قسم نہ کیوں کھائیں

ہے عکس راہ عدم جادۂ مقام وصال
جناب خضر کہاں ہیں یہ راہ دکھلائیں!

ہے بحر یاس میں یہ بادبان کشتی عمر!
بندھی ہیں دامن امید سے تمنائیں!

بڑا گناہ کیا دل لگا کے نادم ہوں!
بس اب حضور ہی عفو قصور فرمائیں

کسے یہ تاب کہ دیکھے ترا جمال جمیل!
نظر تو کیا ہے پر مرغ وہم جل جائیں

۱۳۱۲ھ

مقدرات سے چارہ نہیں کوئی ضامن
علاج کیا ہے بنے کھیل جب بگڑ جائیں!

فدائے ابروئے خمدار یار ہوتے ہیں
وہ جان دیتے ہیں جو جاں نثار ہوتے ہیں

سمجھ کے پاؤں طریق وفا میں رکھ اے دل
یہ راستے بھی بہت پیچدار ہوتے ہیں

وہ بدسرشت جنہیں خوف کچھ خدا کا نہیں
کیے سے اپنے کہیں شرمسار ہوتے ہیں

وہی ہیں سب سے زیادہ جہان میں مجبور
برائے نام جو ذی اختیار ہوتے ہیں

حنا کے بدلے ملا ہوتا عاشقوں کا لہو
بھلا یہ رنگ کہیں پائدار ہوتے ہیں

ابھی سے نخل تمنائے دل ہے پژمردہ
وہ اور پودے ہیں جو ہونہار ہوتے ہیں

خدا کی شان ہے اچھی ملی وفا کی داد!
کہ ہم بھی خود غرضوں میں شمار ہوتے ہیں

خیال صاف ہے نزہت فزائے گلشن نظم
یہی وہ گلّے ہیں جو آبیار ہوتے ہیں!

ہماری آہ شرر بار اور خالی جائے!
یہ تیر وہ ہیں جو پتھر کے پار ہوتے ہیں

ستم کا ٹھیک نہ الفت کا اعتبار کوئی
طریقے روز نئے اختیار ہوتے ہیں

بڑے حسیں جنھیں تھے یوسفی کے دم دعوے
وہ آ کے یاں ترے آئینہ دار ہوتے ہیں

لگا کے فیظ کے ہمراہ بل ہیں ابرو پہ
سمند ناز پہ فتنے سوار ہوتے ہیں

۱۳۱۹ھ

زباں سے سخن حق نکالیں کیا ضامن
نصیب سچوں کو دنیا میں دار ہوتے ہیں

ہو جلوہ گر جو مجسم بہار گلشن حسن تو
ہزار بلبل جاں ہوں نثار گلشن حسن!

سنا تمھار رشک گل تر ہیں خار گلشن حسن،
ہمیں تو داغ ملے یادگار گلشن حسن!

وہ اور گل ہیں جنہیں ہے خزاں کا اندیشہ
سدا ہے ایک طرح پر بہار گلشن حسن!

بہارِ باغ مبارک ہو باغبانوں کو
دل و جگر ہیں مرے لالہ زار گلشن حسن

ق

وہ قد ہے سرو وہ عارض ہیں گل وہ خط ریحاں
ہیں نرگس آنکھیں تو پلکیں ہیں خار گلشن حسن

نہ کیوں اسیر ہو دل زلف دام سنبل ہے
وہ باغ حسن ہے اور میں ہزار گلشن حسن

گلے کا ہار بناؤں میں حرز جاں کیطرح
ملے اگر وہ گل نو بہار گلشن حسن تو

خیال یار میں آنکھوں سے ہیں رواں آنسو
ہے آہ سرو جوئے لب بار گلشن حسن!

خدا جمیل ہے اور اوسکو ہے جمال پسند
اسی سے آپ بنا آبیار گلشن حسن!

گل سوار گریں خاک پر ندامت سے
چمن میں آئے جو وہ نے سوار گلشن حسن

ہے تیرے باغ مضامیں میں جلوہ گر ضامن
طفیل عشق سے رنگ بہار گلشن حسن

عاشقوں سے بیرخی اچھی نہیں
اے سہی قامت کجی اچھی نہیں

آبرو دل کی نہ کھو اے چشم تر
خوں فشانی میں کمی اچھی نہیں!

رخ دکھا کر دل پھنسایا زلف میں
دن دہاڑے رہزنی اچھی نہیں

ہو نہ جائے باتوں باتوں میں بگاڑ
ہر گھڑی کی دل لگی اچھی نہیں!

رند برہم ہو نہ جائیں محتسب
میکدہ کی برہمی اچھی نہیں

پھل ملا کیا نامرادی کے سوا
سرو اتنی سرکشی اچھی نہیں!

ہے اگر ضامن طلبگار خدا
چھوڑ یہ عادت خودی اچھی نہیں

پھر خیال رخ رنگیں ہے گل افشاں دل میں
کر گئے صبح شب وصل وہ گھر کو ویراں
کچھ دنوں جبیں سے یا وگل عارض میں کٹی
بگینا ہوں پہ چھری پھیر کے اتراتے ہو
مصحف عارض جاناں کے ہیں عاشق زاہد
نحن واقرب سے ہوئی دل کو ذرا سی تسکیں
اے خدا یہ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
گھر بنانا ہی نہ تھا آپ کو ویرانے میں!

آرزو پھر مری پھیلائے ہے داماں دل میں
چھاؤنی چھا گئے پھر حسرت وحرماں دل میں
کانٹے بونے لگی پھر الفت مژگاں دل میں
اپنے افعال پہ ہو کچھ پشیماں دل میں!
ہم چھپائے ہوئے رکھتے ہیں یہ قرآں دل میں
ورنہ کیا جانیے کیا کرتے یہ ارماں دل میں
ٹھوکریں کھائی ہے تخئیل بیاباں دل میں
اب تو رہنا ہے بہر حال مری جاں دل میں

جذبۂ شوق اٹھائیگا جو طوفاں ضامن
تہ نشیں جتنے ہیں ابھریں گے وہ ارماں دل میں

کہا یہ کس نے ترا عہد استوار نہیں!
کروں شمار میں کیونکر تری عطاؤں کو
غنی ہے دل تری امید پہ فقیروں کا
ہزاروں غیرت لیلی جہاں میں ہونگے مگر

ہماری عمر کا البتہ اعتبار نہیں!
کہ یاد اپنے ہی انفاس کا شمار نہیں
گذر ہو حرص کا جس میں یہ وہ حصار نہیں
مرے سوا کوئی مجنوں کا یادگار نہیں

برائے دل کو میں الزام دونگا کیا ضامن
مجھے تو اپنے ہی دل پہ کچھ اختیار نہیں

حافظ جاں جو تھیں میری دشمن جاں ہو گئیں
باغ عالم میں بہار زندگی ہیں نیکیاں
تھی تری طرز تغافل کس قدر حیرت فزا

حلق تک آ کے سانسیں تیغ براں ہو گئیں
کھیتیاں ممنون فیض ابر نیساں ہو گئیں
ہو کے ظاہر آرزوئیں خود پشیماں ہو گئیں

موج مے میں بہ گئے خار وخس حرص و ہوا
ہم کو یہ بدمستیاں راحت کے ساماں ہوگئیں

کیا بتائیں دل میں تھیں کیا کیا تمنائیں بھری
بن کے آنسو خاک حسرت میں جو پنہاں ہوگئیں

داغہائے دل کی شمعیں جو تھیں زیب بزم غم
وہ بھی آہوں میں دھواں بنکر پریشاں ہوگئیں

جب سے ہاتھ آیا توکل کو ترا دامان لطف
بے سروسامانیاں خود میر ساماں ہوگئیں

میری یہ فکریں جنہیں سمجھے ہیں سب دل کا بخار
دیکھنا اک روز شمع بزم یاراں ہوگئیں

یاد عارض پھر چمن پیرا ہوئی پھر حسرتیں
بن کے خوں آنکھوں سے ٹپکیں زیب داماں ہوگئیں

بحر ہستی میں ہوائے عشق شور انگیز تھی !
کشتیاں ہوش وخرد کی غرق طوفاں ہوگئیں

رونق بزم احبا ہم بھی تھے ضامن کبھی
لیکن اب وہ صحبتیں خواب پریشاں ہوگئیں

فنا لقا کا سبب ہوگی موت گر مانگوں
فروغ شمع محبت کٹا کے سر مانگوں !

سوائے مطلبہ تجھ سے کچھ اگر مانگوں
یہ فکر ہوتی ہے کیا اور کس قدر مانگوں

کمند جذب محبت کرے جو کوتاہی !
ہوائے شوق میں اڑنے کو بال وپر مانگوں

کسی کے آگے نہ پھیلاؤں ہاتھ میں لیکن
جواب دے کہ نہ دے تجھ سے عمر بھر مانگوں

یہ اس کریم کا در ہے کہ جس سے دور نہیں
وہ بحر وبر مجھے دیدے جو مال وزر مانگوں

یونہیں یہ منزلیں کھا کھا کے غم نہ کیوں کاٹوں
طریق عشق میں کیا توشۂ سفر مانگوں !

سہی قدوں سے رکھوں کس طرح وفا کی امید
نہال بید سے کیا جان کر ثمر مانگوں !

سمک سے تا بہ سما حکم تیرا چلتا ہے
کروں فرار جو تجھ سے کہاں مفر مانگوں

کسی طرح سے تو یہ غم غلط کروں آخر
دعائے وصل شب ہجر تا سحر مانگوں

خیال عارض وکاکل میں ہوں جو دیوانہ
برائے طوق گلو ہالہ قمر مانگوں !

کہیں جو تیغ تغافل سے بچ کے جا نہ سکوں
ترے خیال کے دامن ہی میں مفر مانگوں

ہے کس حسین کا یہ فرق نیاز سودائی
نہ کس طرح پئے بالش ہما کے پر مانگوں

تنک مزاج وہ ہوں زخم دل کے دھونے کو
پری وشوں سے پر ناوک نظر مانگوں!

ہوئی ہے بس جفا پر صف مژہ ضامن
ملیں تو اور خدا سے دل و جگر مانگوں

کرے تیغ نگہ کا وار تو اور میں سپر مانگوں
اگر زخم جگر سینے کو اک تار نظر مانگوں

خدا سے بھی دل پر درد مانگوں چشم تر مانگوں
رگ و پے میں بجائے خون محبت کا اثر مانگوں

بہار بید مجنوں خلق میں بے برگ و باری ہے
بجز افسردگی کیا شاخ الفت سے ثمر مانگوں

میں وہ لذت کش آزار فرقت ہوں زمانہ میں
محبت میں کشش مانگوں نہ آہوں میں اثر مانگوں

زر گل پا کے گلچیں ہو نہیں سکتا غنی ہرگز
مراد دل فرومایہ سے کس امید پر مانگوں

یہ ڈر ہے دے نہ وہ الزام جرم ناشکیبائی
عوض بیداد کا تجھ سے جو میں اے دادگر مانگوں

یہ کیا سنتے تمہیں دل کے میں رو یا کروں بیٹھے
یہ معدن لعل کی کھو کر صدف سے پھر گہر مانگوں

نہال عشق کا سایہ ہے مجھ کو سایۂ طوبیٰ
عوض جنت کے رضواں سے ترے کوچے میں گھر مانگوں

مجھے ہے ناز ضامن دامن تر پر بچھا دوں گا
جو ساقی حکم دے مالک سے خود نار سقر مانگوں

روز دو چار جواں نذر جفا ہوتے ہیں
تجھ میں کیا بات ہے عاشق جو فدا ہوتے ہیں

کس لیے باندھی ہے تلوار ضرورت کیا تھی
نام پر آپ کے عشاق فدا ہوتے ہیں

ساتھ جانے کو نکلتی نہیں کیوں جسم سے جان
وصل کی صبح ہے وہ مجھ سے جدا ہوتے ہیں

ڈوب کر بحر محبت میں نہ ابھرا کوئی!
قطرہ ساں سب اسی دریا میں فنا ہوتے ہیں

راہ الفت میں فقط شمع ہے میری ساتھی
یا اسی طرح سے سب آبلہ پا ہوتے ہیں

ہم نے دیکھی نہیں اب تک کوئی ان کی تاثیر
سنتے ہیں تا بہ فلک نالے رسا ہوتے ہیں

نہ ملا خاک میں اے پنچہ مژگاں ان کو
قطرے اشکوں کے دُرِ بیش بہا ہوتے ہیں

حال کرتا ہوں پریشانی دل کا جو رقم
دائرے پیچ و خمِ زلف دوتا ہوتے ہیں

کیوں نہ ہو دل تری رفتار کی شوخی پہ نثار
نقش جب مجھ کو یہ نقشِ کفِ پا ہوتے ہیں

ہے بیاں کس کی جفاؤں کا ذرا تم بھی سنو
جا بجا شہر میں یہ تذکرے کیا ہوتے ہیں

لطف اب دل کو غزل میں نہیں آتا ضامن
گر نہ کچھ کہیے تو احباب خفا ہوتے ہیں!

دل و جگر میں چبھیں جو یہ وہ اشارے ہیں
نشانہ تاک کے ظالم نے تیر مارے ہیں!

قمار خانۂ عشق اب چھٹے گا ہم سے کیا!
کہ ایک دل ہی نہیں دین بھی تو ہارے ہیں

نہ کیوں ہو باتوں میں جادو نظر میں جادو ہے
ادائیں کیوں نہ ہوں پیاری کہ خود وہ پیارے ہیں

جفائیں سہہ نہ سکے غیر عاشقوں کی طرح
یہ حوصلے یہ جگر اور یہ دل ہمارے ہیں!

عجب بہار دکھاتے ہیں خالِ عارض کے
خدا کی شان نمودار دن کو تارے ہیں!

ہیں تشنہ کامِ محبت ہوں کیا پیوں ساقی
یہ قطرے مے کے نہیں آگ کے شرارے ہیں

وہ خود فروش نہ ہوں کیوں شباب نے آکر
دبے ہوئے تھے جو ارمان سب ابھارے ہیں

مثالِ شبنم و گل ہے غلط پسینے سے!
صباحِ رُخ پہ ستارے فلک نے وارے ہیں

خدا کرے کہ وہ دریاں سے اسقدر کہہ دے
اٹھا نہ در سے انہیں آفتوں کے مارے ہیں

ادھر ہے ساحلِ حرماں ادھر قضا کا ہے گھاٹ
عجیب بحرِ محبت کے بھی کنارے ہیں

سنوارتے رہے ضامن ہمیشہ گیسوئے نظم
یہ بیس سال مسلسل یونہیں گذارے ہیں

ردیف واؤ

دیکھیے بچھتائیگا کہتا ہوں منالے دل کو
سب حسیں چاہتے ہیں چاہنے والے دل کو

۱۲۲

آج کیوں گھیرے ہیں یہ برچھیوں والے دلکو
کیا کریں گے صف مژگاں نے رسالے دلکو

وہی مختار ہیں جو چاہیں کریں اوس سے سلوک
کوان میں کر دیا جب اون نے حوالے دلکو

خوش ہیں دنیا سے اگر ہمکو اٹھا لے اللہ
پہ نہ ڈالے کسی بیدرد کے پالے دل کو

جسم ہے عشق زنخداں کے کنوئیں جھکوا دے
نہ عزیزا اس نے کیا نازوں کے پالے دلکو

مطلع عیش مکدر ہے غم فرقت سے
گھیرے رہتے ہیں شب ہجر یہ جھالے دلکو

گالیاں کھاتے ہیں ہنیا دم کہہ کے
کیا مزہ دیتے ہیں یہ تلخ نوالے دل کو

میرے قابو کا نہیں یہ جو ہر آیا آیا
اس کو سمجھاتے ہیں ناصح کہ وہ ٹالے دل کو

زلف شبرنگ کو دکھلاؤ نہ داغوں کی بہار
سن کے ہوتے ہیں اٹھا لینگے یہ کالے دلکو

آج نکلیں گے وہ گلگشت چمن کو [illegible]
دیکھہ ل جائے جو موقع تو دکھا لے دل کو

کس سے ممکن ہے کہ دنیا سے اٹھا لے دلکو
کون اس دور تسلسل سے نکالے دل کو

ناخدا آپ ہی ارباب ہمم کا ہے خدا
لنگر کشتی امید بنا لے دل کو

اُن کا احسان سمجھیں جو اسے مانگ لیں
ہم تو کر دیں گے مگر آج حوالے دل کو

سرد ہو جائے نہ کیوں بوالہوسوں کا بازار
مفت دیتے گئیں جب چاہنے والے دلکو

وصل ہم اسکو سمجھتے ہیں کہ اے جذبہ عشق
وہ ملیں یا نہ ملیں دل سے ملا لے دل کو

پردہ زلف ذرا الٹ دیگی ہوا آہوں کی
اپنے دامن میں ذرا ضبط چھپا لے دل کو

ابھی ہو جاتی ہے واعظ یہ قیامت کی نمود
اک ذرا نوک سناں پر تو اٹھا لے دل کو

کچھ ہوا انجام نہ کیوں تیری نڑال خالی جائے
خیر لے دشمن ناموس وفا لے دل کو

صورت اشک نگاہوں سے گرایا تم نے
اور ہو کوئی تو پلکوں سے اٹھا لے دل کو

کہ گئی چپکے سے کیا جانے کیا تیری نگاہ
آج بیتاب کئے دیتے ہیں نالے دل کو

وہ پھنسا زلف گرہ گیر میں وہ قید ہوا
کوئی ایسا ہے اس آفت سے بچا لے دل کو

بزمِ دلدار میں **ضامن** اسے پھر لیجانا
قصۂ طور مگر پہلے سُنا دے دل کو

اے برق آج کیوں ہے بہت بیقرار تو
اے مور تیرے شور سے ہوتا ہے چاک دل
اے تند باد نیم شبی کیا ہوا تجھے!
اے چودھویں کے چاند منہ ال کیوں ہے پُر شرم
اے رات تو نے اوڑھی ہے کیوں چادر سیاہ
پروانوں کی تو سنتے ہیں پروا نہیں تجھے
اے آہ نارسا تجھے کہتا ہے اک جہاں
کیوں خاک میں ملاتی ہے یہ گوہر خوش آب
اے شوق آمد آمد کا یہ موقع نہیں کوئی
کون آئیگا کب آئیگا ہے کس کی جستجو
سو بار کھا چکا ہے اسی طرح سے فریب
یہ جوان بتوں کو پاس نہیں اپنے قول کا
یہ سب شب فراق میں ہیں تیرے غمگسار

اے ابر کس کے واسطے ہے اشکبار تو
بیوجہ یوں نہیں ہمہ تن وا غدار تو
ظاہر ہو کر رہی ہے بہت انتشار تو
تھا پہلے وجہ زینت شب ہائے تار تو
ماتم میں کیا کسی کے ہوئی سوگوار تو
اے شمع کیوں ہے غیرت شمع مزار تو
کیونکر لبوں تک آتی ہے پھر بار بار تو
اے چشم کیوں ہے دامن ابر بہار تو
اے درد کیوں جگر میں چھپاتا ہے خار تو
آوارہ کیوں ہے اے نگہ انتظار تو
اے دل پھر اسپہ کرتا ہے کیوں اعتبار تو
وعدہ کی یہ بھی رات یونہیں دے گزار تو
گر ہو سکے نہ ضبط نہیں کر راز دار تو

ضامن وہ بولتا ہے پپیہا درخت پر
پی پی پکارتا ہے وہ کر یاد یار تو

حاجت سے نہیں ساقی ترے مستانے کو
کوئی قاتل سے پلٹتا نہیں جیتا کوئی
کی نہ کچھ حسرت ہمارے دل صد چاک کی قدر

بس ہے گردش ہو اگر آنکھ کے پیمانے کو
حوصلہ چاہیے اے خضر وہاں جانے کو
سر شیشہ ٹوٹا ہی اگر آپ نے تو شانے کو

آپ ملتے نہیں اب کوہ ہو یا صحرا ہو
ہم بھی جاتے ہیں دل اپنا کہیں بہلانیکو

نہیں ممکن کہ مری آہ پریشاں نہ کرے
زلف سلجھائیں وہ سو مرتبہ سلجھانے کو

کون تھا غم سے چھڑاتا جو دم نزع مگر
یاد آئی تری اس دم مجھے سمجھانے کو

نقد دل لیکے خریدار بنے ہم لیکن !
کوئی دولت نہیں کافی ترے پانیکو

کیا عجب چونک پڑیں خواب اجل سے ضامن
پس مردن جو ہلائے وہ مرے شانے کو

ایضاً

کیا کروں کوئی مری بات بھی سنتا کچھ ہو
دل ہی سمجھانے سے سمجھے تو نہ پھر کیا کچھ ہو

روز اک تازہ مصیبت ہے مگر واہ رے دل
پھر بھی باز آئے نہ یہ عشق سے اتنا کچھ ہو

میں تو ہر طرح سے راضی ہوں رضا پر اسکی
مگر اسکو بھی تو آخر مری پروا کچھ ہو

میرا دل کچھ مجھے دو بھر نہیں اے مشفق من
کیجیے دیدول تمھیں جبتک نہ بھروسا کچھ ہو

آپ آتے نہیں ہم جذبہ الفت دکھلائیں
کہیے اب یہاں مستی کا بھی تماشا کچھ ہوا

جب یہی ضد ہے تو پھر بجھ چکی الفت ضامن
ہو روش کچھ مری اور آن کا طریقہ کچھ ہو

ایضاً

یاں ایک کا نہ ایک اگر دردمند ہو
سب کام کارخانہ دنیا کا بند ہو

گردش کو چھوڑ دے کہ یہاں سر بلند ہو
باغ جہاں میں سرو منظر پائے بند ہو

ہاں اے غزال دشت وفا جب سہی کہ جب
گردن میں تیری آہ رسا کی کمند ہو

طالع پہ میرے رشک کا موقع ہی کیوں ملے
چھپ جائے چشم خلق سے اتنا بلند ہو

ڈالے خلل نہ عیش میں ان کے سیاہ غم
بہتر نہیں کہ آہ کا جھنڈا بلند ہو

طالع کو اس کے مہر سے کیوں ہو نہ ہمسری
تیری نگاہ لطف سے جو بہرہ مند ہو

اس بت کو ادعا ہے خدائی کا لا الٰہ
اتنا بھی خلق میں نہ کوئی خود پسند ہو

دل با کے اب تڑپتے ہو قیمت کے نام پہ
کیوں لو کسی کا مال اگر ناد مہند ہو

پیک دعا تو میرے لیے عرش تک گیا
وہ کیا کرے جو باب اجابت ہی بند ہو

شیریں لبوں کو تلخ کلامی نہ چاہیے
پوچھے نہ کوئی پھر اوسے گر ڈلا جو قند ہو

آساں نہیں مرے دل وحشی کی روک تھام
گردن میں اوسکی زلفوں کی دوہری کمند ہو

گر تو سوار ہو سپئے صید غزال دل!
غمزہ سمند عشوہ عناں سمند ہو!

آساں نہیں ہے تیغ ادا کا مقابلہ
اک ہاتھ اگر پڑے تو جدا بند بند ہو

پھیلے جہاں میں کیسے مہک حسن خلق کی
تیرا دہن ہی غنچہ صفت جبکہ بند ہو

ہنستا ہے بیگناہ کشی پر دلوں ان زخم
قاتل سے چاہئے شرم جو یوں ریشخند ہو

منصور وار دار پہ مجھ کو چڑھا دیا
ضامن نے سچ کہا تھا بڑے حق پسند ہو

جو تمنائے قدم بوس ہے کم ہے ہمکو
سرمۂ طور تری خاک قدم ہے ہم کو

وائے ہیچ صلگی کس کی شکایت کیجیے
کام جو سہل ہے ہے سہل اہم ہے ہم کو

جاں نثاری بھی وفا میں نہیں داخل اپنی
اس طرف سے ہو ستم بھی تو کرم ہے ہم کو

سخت جاں ہیں وہ جو باتوں سے مرا کرتے ہیں
جنبش چشم ہی شمشیر دو دم ہے ہم کو

۱۳۳۴

عہد گیسو کی محبت کا نہ توڑیں گے کبھی
اس پریشانی خاطر کی قسم ہے ہم کو

دل لگانے کی ہے شرم اور نہیں کوئی خیال
دوستو کیا کہیں کس بات کا غم ہے ہم کو

سامنے ہر کس و ناکس کے جھکائیں کیوں سر
دم خنجر کشش کاف کرم ہے ہم کو

قصر دلدار کا کر لیتے ہیں ہر روز طواف
حیدرآباد میں **ضامن** یہ حرم ہے ہم کو

وہ سر نہیں جسے سودائے زلف یار نہ ہو
وہ چشم کور ہے جو وقف انتظار نہ ہو

وہ سینہ بھی کوئی سینہ ہے جو نہ ہو تیرہ داغ
ہم اوسکو دل نہ کہیں گے جو بیقرار نہ ہو

جگر نہیں جو لہو ہو کے آنکھ سے نہ بہے
وہ جان جان نہیں تم پہ جو نثار نہ ہو

وہ پانوں کیا جو نہ راہ وفا کے سالک ہوں
ہیں لنج ہاتھ گریباں جو تار تار نہ ہو

نہ جس دہن میں ہو توصیف دوست ہیں خاک
زباں وہ قطع ہو جس پر ثنائے یار نہ ہو

وہ تیغ ناز نہیں جس سے دل نہ ہو چورنگ
وہ تیر غمزہ نہیں جو جگر کے پار نہ ہو

ملال و رنج نتیجہ ہے عیش بیجا کا!
شراب تند بھی ہو اور پھر خمار نہ ہو!

جناب شیخ نے بیت اپنی آپ ہی کھوی
وہ آئیں رندوں میں دستار تار تار نہ ہو؟

ردیف ہو کہ نہ ہو تھی بہک گئے ضامن
نہ کوئی یوں بھی ہو غافل جو ہوشیار نہ ہو

یہ کیا کہا کوئی ہم پر نثار ہو کہ نہ ہو
تمہیں کہو یہ سخن ناگوار ہو کہ نہ ہو

فقط ہے جلوۂ گل رونق چمن کا سبب
ملال کیا ہے نوائے ہزار ہو کہ نہ ہو!

نگاہ قہر تری کر گئی مجھے مایوس
الم کا تیر کلیجے کے پار ہو کہ نہ ہو

وہ فکر چاہیے دنیا میں نام رہجائے
نشاں رہے نہ رہے یادگار ہو کہ نہ ہو

ثنائے حسن جہاں سوز یار کرتا ہوں
مثال شمع زباں شعلہ بار ہو کہ نہ ہو

ہمیں تو چاہیے کچھ شرم دل لگانے کی
کیے سے اپنے کوئی شرمسار ہو کہ نہ ہو

مآل کار محبت کا نامرادی ہے!
فراق ہو کہ نہ ہو انتظار ہو کہ نہ ہو

کیا ہے خار حوادث نے جسم سوزن کار
نصیب ہمکو قبا زرنگار ہو کہ نہ ہو!

تمھاری یاد ہے ہر دم انیس تنہائی
کوئی رفیق کوئی غمگسار ہو کہ نہ ہو

نہاں رہے جو نظر سے وہ چہرۂ روشن
زمانہ آنکھوں میں تاریک و تار ہو کہ نہ ہو

ترے شہیدوں کا باقی ہے نام محشر تک
یہ ہر زباں پہ رہے گا مزار ہو کہ نہ ہو

ہے جسکا حسن حصین پائے حصار حسن عمل
ہمیشہ امن میں ہے وہ حصار کہ نہ ہو

ہمارے دل پہ ہمیں اختیار دے یارب
کسی کے دل پہ کوئی اختیار ہو کہ نہ ہو

خزاں کے جور سے مصئوں ہے نیکیوں کا چمن
صدا بہار رہیں یہ گل بہار ہو کہ نہ ہو

تری نگاہ سے دل کو لگاؤ ہے شاید
کھٹک جو رہتی ہے پہلو میں خار ہو کہ نہ ہو

وسیع رحمت آمرزگار ہے ضامن
ترے گناہوں کا کوئی شمار ہو کہ نہ ہو

ہے جبتک جسم پر باقی یہ سر کم درد سر کیا ہو
مریض یاس کا دنیا میں کوئی چارہ گر کیا ہو

لگا رہے گی دہن پر صبح محشر مہر خاموشی
شب غم جب ہے باقی قصۂ غم مختصر کیا ہو

مسلمانوں کی بربادی کا دھیان آتا ہی رہ رہ کر
بھلا خشک اشک شوئی سے کسی کی چشم تر کیا ہو

نہ ہم سرسبز ہوں گے جہل کی جبتک ہی شورت
نہال آرزو اس سرزمیں میں بارور کیا ہو !

خواص برق سے واقف نہ علم صوت سے ماہر
اڈیسن سا ہماری قوم میں پیدا بشر کیا ہو

کسی کے رخ کو مہر اور ماہ پیشانی کو سمجھے ہیں
ہمیں آگاہی ماہیت شمس و قمر کیا ہو

فلک ہو جائے سائن اور زمیں کھانے لگے چکر
سکون قلب حاصل ہے ہمیں ہم پر اثر کیا ہو

دکھائے فلسفہ نے شعبدے لاکھوں ماننے کو
پھر اس پر بھی خدا جانے ترقی ہنر کیا ہو

مگر ہم ہیں کہ روتے ہیں سخن کی جان کو بیٹھے
یہ غفلت دیکھیے انجام کار اسکا اثر کیا ہو

ادب تو علم کے ہمراہ ہی رخصت ہوا اب کا
الٰہی روک اس ہرزہ سرائی کی مگر کیا ہو

ہماری نثر ہے اک داستان اوہام باطل کی
رہیں جب ہم پریشاں میں ہم دنیا کی سیر کیا ہو

ہماری نظم افسانہ سے ناجائز تعلق کا !
برائی کے سوا اخلاق پر اس کا اثر کیا ہو

یہ مضمون ہیں بندش جو اچھی ہے تو ہو ضامن

طالب عزت کو عشرت وجہ عبرت کیوں نہو
نغمۂ ساز طرب شور ملامت کیوں نہ ہو

انہماک کار ہے یاں باعث وارستگی!
تیری یہ کم فرصتی ہی وجہ فرصت کیوں نہو

ہے تعجب جبکہ نظارہ ہے گلچین جمال!
پھر تمنا گل فروش باغ عشرت کیوں نہو

تجھ سے شکوہ جذبہ دارد کیا ہے قسام ازل
مل گئی جو غیر کو وہ میری قسمت کیوں نہو

ہو سکا جو ہم سے الفت میں کیا وہ اجتناب
اب محبت کیوں نہو وہ یا عداوت کیوں نہو

١٣۴٥

ہم وہ ہیں طے کر چکے ہیں عشق کی جو منزلیں
کیا بساط اسکی ہے طے وادی وحشت کیوں نہو

آئے وہ نالہ کمند بام مقصد بن گیا
مرحبا شاباش اے جذب محبت کیوں نہو

سر جھکانا ہی دلیل سرفرازی ہے یہاں
ہو نہیں سکتی ہے طاعت گر اطاعت کیوں نہو

میکدہ میں وعظ کہنے آئے تھے حضرت مگر
شیخ صاحب ایسی شکل اور ایسی صحبت کیوں نہو

راہ سیدھی چھوڑ کر ہم کیوں ہوں پابند رسوم
نقش فطرت تابع آئین فطرت کیوں نہ ہو

واہ ضامن اچھوں کے اچھے ہی ہوتے آئے ہیں
ہم نے دیکھا آپ کا زور طبیعت کیوں نہ ہو!

مزار پر جو کبھی کشتہ ادا کے چلو
جہاں کی رسم ہے دو پھول ہی چڑھا کے چلو

ذرا تو غور سے دیکھو حباب کی حالت
محیط دہر میں اتنا نہ سر اٹھا کے چلو

بھری ہیں کانٹوں سے گلزار دہر کی روشیں
سمیٹو دامن ناموس کو بچا کے چلو

ہے دور منزل مقصد کڑی ہے راہ طلب
قریب شام ہے جلدی قدم اٹھا کے چلو

میں جب تو مانوں گا اے حاملان عرش تمہیں
مری طرح سے جو بار الم اٹھا کے چلو

اب آج قصۂ درد فراق حضرت دل
سنے وہ یا نہ سنے تم مگر سنا کے چلو

نہ دیں اگر لب شیریں کا بوسہ وہ ضامن
[illegible]

جو سالکِ مسالکِ ہمت نشاں نہ ہو!
کیا ہو اگر غبار پسِ کارواں نہ ہو

مانا کسی کے خوف سے لب پر فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ دل دُکھے آنسو رواں نہ ہو

چاہیے وہ چال ہوں نہ دلِ خلق پائمال
وہ بات کیجیے جو کسی کو گراں نہ ہو

سو غم کا ایک غم ہے غضب ہے بے تعلقی
نامہرباں تو ہو جو کوئی مہرباں نہ ہو

جرمِ وفا ہیں کیوں ستمِ ناروا سہوں
اے کاش اسکو میری وفا کا گماں نہ ہو

آزاد ہو نہ روح تو کیوں کہیے اسکو روح
ہے خاک تو وہ جسم جو تاب و تواں نہ ہو

دل کو یہ کد کہ آنکھوں کے رستے نکل پڑوں
میں چاہتا ہوں رازِ محبت عیاں نہ ہو

ہے کس بلا کی تیرہ نرگس میں دل کشی
اس پردہ میں کوئی نگہ جانستاں نہ ہو

تڑپائے جائیں گے وہ تڑپتے رہینگے ہم
ہیجان ہو تو ہو کوئی یوں نیمجاں نہ ہو

رنگِ پریدہ خود ہے گواہِ شکستِ دل
یوں آرزو کسی کی بھی بے خانماں نہ ہو

آج اس گلی سے لائے تو ہیں دل کو گھیر کے
وحشی یہ کل نہ جانے کہاں ہو کہاں نہ ہو

ہو خوفِ مدعی نہ رہے مدعا سے کام
اچھا تو ہے اگر غمِ سود و زیاں نہ ہو

کعبہ میں پھر پڑی ہے ستم خانہ کی بناء
ضامن یہ فتنہ فتنۂ آخر زماں نہ ہو

لب پر ہو کوئی ذکر نہ کوئی فسانہ ہو
ہر دم اسی کا راگ اسی کا ترانہ ہو

تا چند اس وضع کا رکھے کوئی خیال
یوں چھیڑ بات بات میں جب عامیانہ ہو

چھوٹے نہ مر کے بھی سروسامانِ عاشقی
مرقد پہ دودِ آتشِ دل شامیانہ ہو

کیا سوزِ ہجر کم ہے جو وہمِ رقیب سے
پیدا اک اور آتشِ غم میں زبانہ ہو!

میدانِ حشر شہرِ خموشاں ابھی سے ہے
ٹھوکر تری برائے قیامت بہانہ ہو

یکساں ہو پھر تو لطفِ ناز و نیاز کا
ہو یہ جبیں یہ سنگ ہو یہ آستانہ ہو

کسبِ کمال کر کہ رہے نام بعدِ مرگ
عمرِ دوام ہجرِ فنا کا کرانہ ہو

معشوق کسطرح کوئی سمجھے تمہیں رتا گو
جب دل اسیر کر کے بدلے زلف حلقہ امشانہ

دل اور بہار داغ محبت خدا کی شان
پور شباب میں شباب کا رونا ہے جسطرح

ادنی کلی متاع چمن کا خزانہ ہو
وجہ خمار صبح سرور شبانہ ہو

ضامن کہاں سے لائیں جوانی کے ولولے
احباب چاہتے ہیں غزل عاشقانہ ہو

پتھر ہے دل نہیں جسے خوف خدا نہ ہو
یہ حسن بے حجاب چھپائے چھپا نہ ہو
ممکن ہے عرض حال فقط ہو گلہ نہ ہو
اللہ لائے اون کو ہم آنکھیں بچھائینگے
عمر دراز باد شب انتظار آ
ہم کیا بتائیں کیا ہوا دل کون لے گیا
دنیا امید ہی پہ ہے قائم ترے نثار
کس کی امید کیسی تمنا کہاں کا ذوق
کانٹے بھی اس چمن کے ہیں پھول ہو گئی
یا شن بخیر دل اوہی جلوے سے دل ہوا
پھر ہے کمان ابروئے پرخم چڑھی ہوئی
محراب کعبہ میں بھی نہ سجدہ ادا کروں
یہ دار امتحاں ہے مکافات ہے آدمی
تشویق تباں سنگدل او ضبط نالہ واہ

انساں ڈرے اُن آنکھوں سے جنمیں حیا نہو
پردہ کوئی الٹ گیا دیکھو حیا نہو
تم پہلے میری بات تو سُن لو خفا نہو
کیا غم نہیں ہے گھر میں اگر بوریا نہو
مر جاؤں ہجر میں جو ترا آسرا نہو
اتنا کہیں گے یہ گرہ زلف وا نہو
وعدہ تو کر زبان سے اپنی وفا نہو
تو ہی نہ چاہے تو کوئی حاجت روا نہو
اغیار جانیں عشق جو اون کو پتا نہو
آہن کو آئینہ نہ کہیں گر جلا نہو
زد سے ہٹاؤ دل کوئی ناوک رہا نہو
گھر ناز والا جو ترا نقش پا نہو
اوس کی وفا ہی کیا جو قتیل جفا نہو
پتھر پہ گر کے چور ہو شیشہ صدا نہو

سو عشوے لاکھ عربدے ہیں اک نقاب میں
ضامن [illegible] واقف [illegible] حیا نہ ہو

نہیں تاب گرانباری سبکسار کیے دامن کو
لگا دے آگ اسے برق فنا ہستی کے خرمن کو

ہماری ناسپاسی نے گرائی قہر کی بجلی
گلستاں ہو گیا برباد کیا روئیں نشیمن کو

اگر بکھری ہیں زلفیں رخ پہ اور پر بکھرنے دو
چھپائیگا کہاں تک پردۂ شب روز روشن کو

تعلق گر نہو پھر تو عداوت سے نہ الفت ہی
وگرنہ کون ہی جو ایک سمجھا دوست دشمن کو

ہے خار بستر راحت الم عیش گزشتہ کا
ہو آسائش بحل کردیں متاع بردۂ رہزن کو

یہی طوفان غم میں ہمکو تنکے کا سہارا ہے
کبھی آنکھوں پہ رکھا آستیں کو گاہ دامن کو

طبیعت بجھ گئی ناقدردانی سے زمانے کی
مناسب ہے خدا حافظ کہیں ضامن اب اس فن کو

ہوئے گھل گھل کے سوزِ غم سے دل آنسو جگر آنسو
بساطِ ہستی عاشق میں اب کیا ہی گہر آنسو

نگاہِ شوق بن اے دل اگر ذوق تماشا ہے
کہ تا سر منزل بینش نہ پہنچا دوڑ کر آنسو

سکونِ حیرت افزا ہے آل کار بیتابی
بنا چشمِ صدف میں شدتِ غم سے گہر آنسو

پر پرواز پیدا کر دیے شرمِ معاصی نے
جوارِ مغفرت تک پہنچے ہیں بے بال و پر آنسو

کیا دل آب سوزِ عشق نے پہلو میں کیا ضامن
بہا کرتے ہیں چشمِ تر سے کیوں آٹھوں پہر آنسو

ردیف ہائے ہوز

گر نہ ہو غفلت نگاہی خود غبار آئینہ
ہر طرف جلوہ ہی جلوہ ہے دوچار آئینہ

حسن آپ اک پردہ ہی دل میں نہو جب نورِ عشق
دیدۂ اعمیٰ سے مخفی ہے بہار آئینہ

اتنی خودبینی کچھ اچھی ہے ذرا دیکھو کہ ہو
تم شکار حیرت اور حیرت شکار آئینہ

بے گداز دل ہمیر کب ہوئی روشندلی
اک بلا ہر سنگ [illegible] آئینہ

ننگ داماں صفا بخلی بارش ابر کرم
کلفت زنگار سے بدلی بہار آئینہ

حسن بے پروا کو آرائش کی حاجت کچھ نہیں
ہے فقط جوش صفا نقش و نگار آئینہ

حسن ہے حیرت فروش اور عشق ہی حیرت مآل
دیکھنا آئینہ سے آئینہ دار آئینہ

سادگی میں جو مزہ ہے وہ تکلف میں کہاں
جوہر آئینہ سے ہے نقص عیار آئینہ

حسن کی نیرنگیوں میں یوں دل ضامنؔ ہے محو
جیسے ہو سیماب مردہ رازدار آئینہ

ایضاً

ہمیشہ کون رہا ہے یہاں کسی کے ساتھ
تعلقات کے جھگڑے ہیں زندگی کے ساتھ

ہلال عید ہے یا ابروئے خمیدہ ہے
خدا کی شان یہ حُسن اور اس کجی کے ساتھ

جو دوں ترے قد بالا کو سرو سے تشبیہ
خرام ناز کہاں اوس میں راستی کے ساتھ

نماز یہ ہے کہ ہم ہیں نیاز مند ترے
ہیں متقی کے عبادات متقی کے ساتھ

غرور حسن نے الجھاؤ ایسے ڈالے ہیں
لگا ہی رہتا ہے شانہ بھی آرسی کے ساتھ

مآل عیش یہی ہے کہ چند روزہ عمر
کسی طرح سے بسر ہو ہنسی خوشی کے ساتھ

کہا کہ نذر ہے دل اک نگاہ کے بدلے
کہا گراں ہے ابھی اور کچھ کمی کے ساتھ

نہیں ہے تاب توکل اگر تو اتنا ہو!
پڑے نہ کام الٰہی کسی دنی کے ساتھ

نپوچھ شیب میں ضامنؔ شباب کی باتیں
مزے مزے کی وہ صحبت وہ دلگی کے ساتھ

ایضاً

ہے زلف و خط کا روئے سیمبر کے گرد ہالہ
کہ جس طرح فلک پہ ہو قمر کے گرد ہالہ

مری دعاؤں کو پلٹے دیکھیے آسماں سے
نہ دیکھا ہو کسی نے گر اثر کے گرد ہالہ

ہے سیب باغ حسن وہ ذقن کہاں سے خط ہو
کبھی کسی نے دیکھا ہے ثمر کے گرد ہالہ

ہمارے مہروش کے گھر کا خانہ زاد ہے یہ … کہ بندگی کا طوق ہے قمر کے گرد ہالہ
خیال اہ طلعتاں بھلائیں کیسے ناصح … ہوا ہے عشق اب دل وجگر کے گرد ہالہ
ہمیں پہ منحصر نہیں یہ رسم ہے جہاں کی … ہو بند غم کا صاحب ہنر کے گرد ہالہ

فلک پہ دود آہ جا کے جم گیا ہے ضامن
یہ جس کو لوگ سمجھے ہیں قمر کے گرد ہالہ

[illegible]

روکے گا جو اے پیر فلک رہ گزر آہ … خرمن کو ترے پھونک ہی دیں گے شرر آہ
گھبراتے ہو کیا دیکھ کے تخم شرر آہ … پھل برق کے لائے گا بڑا ہو کے شجر آہ
ہے ناز بہت آپ کو پیکان نظر پر … دیکھیں گے جو ہو گے کبھی سینہ سپر آہ
آگاہ نہیں جذب محبت کے اثر سے … دکھلائیں کسی روز تمہیں کیا ہنر آہ
بیوجہ غریبوں کا ستانا نہیں اچھا … تم کو بھی ذرا چاہیے خوف و خطر آہ
دود دل سوزاں میں چمکتے ہیں شرارے … یا سونے کے حرفوں میں لکھی ہے ظفر آہ
بیوجہ نہیں تازگی گلشن امید ! … پلٹی ہے ترے کوچہ سے باد سحر آہ
جل جائیں مرے قلب و جگر یہ ہے گوارا … ظاہر نہ ہو یارب مگر اس پہ اثر آہ

ضامن نہیں قاصد سے اب آگے کوئی امید
لایا نہ انہیں راہ پہ پیغامبر راہ !

[illegible]

اس پہ سب روشن ہے دل ہے وہ منور آئینہ … منعکس ہو جیسے ہر جانب مدور آئینہ !
راست بازی عیب ہے یا سادہ لوحی جرم ہے … کس خطا پر ہے اسیر دام جوہر آئینہ
پاک باطن کچھ لگی لپٹی کبھی رکھتے نہیں … صاف کہہ دیتا ہے جو کہنا ہے منہ پر آئینہ
پارہ ہائے دل سے بہلا ہے دکان شیشہ گر … ایک سے ہے ایک ان ٹکڑوں میں بہتر آئینہ

روح و تن کا ساتھ ہی کیا اک جھلک تھی چل بسی
عکس کیا روکے گا لے کر دام جوہر آئینہ

پاک ہیں آلودگی سے جن کی طینت صاف ہے
اپنے دامن کو کبھی رکھتا نہیں تر آئینہ

واقف اسرار قدرت ہو نہ کیوں عقل سلیم
مظہر حسن ازل ہے یہ منور آئینہ

روشناسی کا اگر کچھ پاس ہو اتنا تو ہو
سب کو دیتا ہے جگہ دل میں برابر آئینہ

کیوں منور ہو نہ دل سوز و گداز عشق سے
یہ وہ شے ہے جس سے بنجاتا ہے پتھر آئینہ

کیوں صف مژگاں سے ہوتا ہے مقابل ہر گھڑی
کھائیگا اک دن رگ جوہر یہ نشتر آئینہ

پہلے کچھ سوچے نہ ضامن عشق ابرو کا مآل
موت کی تصویر کا نکلا یہ خنجر آئینہ !

ہے قدر عیب کی بھی اگر ہو ہنر کے ساتھ
بیچے بھی تل کے بکتے ہیں اکثر ثمر کے ساتھ

مانا یہ ہم نے مرغ چمن خوشنوا سہی
صحبت کا لطف کیسے لے جانور کے ساتھ

بات اسقدر بڑھی کہ خود اس تک پہنچ گئے
کچھ کہتے کہتے ہو لیے تھے نامہ بر کے ساتھ

تار نفس سے روح کو ویسا ہی ربط ہے
رہگیر کو جو واسطہ ہے رہگزر کے ساتھ

آوارگی میں بھی اوسے کوچہ کا دھیان ہے
وابستہ دل سفر میں زیادہ ہے گھر کے ساتھ

تم نے کسی سے سن لیا کچھ اور بگڑ گئے
بنتے ہیں اسطرح سے کہیں عمر بھر کے ساتھ

کیا ٹھہرے جس مکان کی ریتی پہ ہو بنا
قاروں بھی مٹ گیا ہوس سیم و زر کے ساتھ

میں کیا ہوں جیسے تار پہ کٹھ پتلیاں پھریں
یوں اک زمانہ پھرتا ہے اسکی نظر کے ساتھ

گل کی شمیم دوش صبا پر ہے کیوں سوار
آوارگی کا لطف نہیں راہبر کے ساتھ

رخصت کا نام سنتے ہی سمجھو یہ کیا ہوا
کیا دل بھی بندھ گیا ترے رخت سفر کے ساتھ

مہمان شب کا ہوتا ہے رخصت نہ کیوں ہو چاک
دامن شکیب و صبر کا جیب سحر کے ساتھ

تھی جانگداز گرمی ہنگامہ و داغ
لو دیکے دل بھی بجھ گیا شمع سحر کے ساتھ

کیونکر ہو قطع الفت گیسو کا سلسلہ
جبتک ہے سر بدن پہ یہ سودا ہے سر کے ساتھ

گلچیں سے اب گلہ نہ غرض باغباں سے ہے
سیرِ چمن کا شوق گیا بال و پر کے ساتھ

اہلِ غرض جو خود ہو نہ کر اس کو رہنما
کیا پا گئے تھے جا کے سکندر خضر کے ساتھ

دنیا کا بار کوئی سبکسار وح کیوں اٹھائے
گوہر کو رابطہ نہیں تارِ نظر کے ساتھ

ضامن ہو یا کوئی ہو نہ دے گا امان یہ
ہے لاگ آسمان کو اہلِ ہنر کے ساتھ

ردیف یائے تحتانی

سوزِ نفس سے برق شرر زا کیا مجھے
کہنے کو آب و خاک سے پیدا کیا مجھے!

اک ساغر شراب کا تھا میں امیدوار
ساقی نے مست جام تو لا کیا مجھے

دل مر چکا تھا میرا ابھی مردوں میں تھا شمار
کس کی نگاہِ لطف نے زندہ کیا مجھے

انجامِ کار شمع دکھا کر کہا خموش!
ناحق زبان دے کے بھی گونگا کیا مجھے

کالا سا دل میں داغ تھا اک جس نے پھیل کر
ہنگامہ ریز عرصۂ سودا کیا مجھے

میں اور گریہ جھوٹ ہے ہاں شوقِ دید نے
گوہر فروشِ شہرِ تمنا کیا مجھے

ہستی کو نیستی کا لگا کو کہ مجھ سے داغ
کیونکر کہوں یہ کس لئے ایسا کیا مجھے

سوز و درد سے خوش ہوں کہ تیرے خیال میں
آہوں سے دودۂ شمع تجلا کیا مجھے

وہ قیس نجد نکتہ رسی ہوں کہ نطق نے
محمل طرازِ لیلیٔ معنا کیا مجھے

حیرت پہ ناز اپنے کروں جو بجا ہے وہ
آئینہ دار حسن خود آرا کیا مجھے

گنجائش خیال کو یارب جگہ ملے
عزلت گزینیوں پہ بھی رسوا کیا مجھے

توقیع کارنامۂ فطرت ہے میرا نام
ضامن خدا نے اپنا خلیفہ کیا مجھے

ہاں دیکھ دل کو اے مژہ تر لیے ہوئے
آغوش میں ہے معدن گوہر لیے ہوئے

اللہ سر کرے تو ہم عشق کی ہوس
جاتا ہے دل امیدوں کا لشکر لیے ہوئے

اشکِ ستم رسیدہ کو تھوڑا نہ جانیے
ہر قطرہ ہے بغل میں سمندر لیے ہوئے

اے خوش ہو باغباں کہ پئے شاہدانِ باغ
آئی بہار پھولوں کا زیور لیے ہوئے

آنے دو وقت دیکھیں گے خورشید حشر کو
پہنچیں گے ہم بھی داغ جگر پر لیے ہوئے

دھوکا نہ دیں بزرگ کہیں عین وقت پر
جاتے تو ہیں خضر کو سکندر لیے ہوئے

پھر حسنِ گل نے دل کو دلادی کسی کی یاد
آئی بہار نامۂ محشر لیے ہوئے

پوچھو ہماری آہ سے روداد چرخ کی
کاغذ ہے اک جلا سا کچھ اخگر لیے ہوئے

دل کیوں نہ اسے جلیل ہو خلوت سرائے دوست
کعبہ پڑا رہے بتِ آذر لیے ہوئے

افسردہ سرد مہری عالم نے کر دیا
ہوں سوزِ دل سے گود میں مجمر لیے ہوئے

ہے کیوں یوں چھپا کے سیہ کار کیوں بنوں
دو شخص یہ جو بیٹھے ہیں دفتر لیے ہوئے

ہر اشکِ ناچکیدہ جو مژگاں پہ رہ گیا
دل پر ہے اپنے شرم سے نشتر لیے ہوئے

کیا جانے کیا ہو دل کو نہ چھیڑو مرے کہیں
مٹھی میں گرد دامنِ محشر لیے ہوئے

معشوق ہیں انھیں کو نزاکت پہ ہے گھمنڈ
بیٹھے ہیں یہ جو گود میں پتھر لیے ہوئے

گھر بار کس کا جاتے ہیں ضامن اُسی طرف
پھرتا جدھر جدھر ہے مقدر لیے ہوئے

چار آنسو جو نہ وحشت میں نکالے ہوتے
اور آفت تھی کہ دل میں وہی چھالے ہوتے

کیوں ہیں خمیازہ کش آغوش تمنا کی طرح
حلقۂ آہ کسی کان کے بالے ہوتے

نہ چلی تیغِ ادا آہ کی بجلی کہ حضور
دیکھتے ہم کہیں دو ہاتھ نکالے ہوتے

غیر کیا جانے محبت کے ہیں پھل عشوہ و ناز
یہ ثمر تلخ تھے گر میرے حوالے ہوتے

تارے سے ٹوٹتے تھے خیرہ تھی آنکھوں میں نگاہ
ڈورے کیونکر کسی مہ پارے پہ ڈالے ہوتے

دل کے زخموں کی طرف دیکھ تو لیتے وہ ذرا
یہی نخل گل امید کے تھالے ہوتے

ذرّے ذرّے پہ تھی لکھی ہوئی اک آیت نور
گر میری چشم بصیرت میں نہ جالے ہوتے

ابر بہمن بھی ہے کچھ مال دھوئیں اڑجاتے
چشم گریاں کے مقابل یہ جو جھالے ہوتے

آ گئے تم نہیں اکھڑی ہوئی سانسیں ہیں جو اب
یہی نشتر یہی خنجر یہی بھالے ہوتے

پردۂ سازِ حقیقت تھا تخالف ورنہ
یہ مساجد نہ کلیسے نہ شوالے ہوتے

الفت زلف کی ضامن نہ ملی تھی جو سزا
آستیں میں ابھی سانپ اور بھی پالے ہوتے

کشاکش تا کجا یارب کہیں خط کا جواب آئے
شفا آئے قضا آئے خطاب آئے عتاب آئے

یہ جینا کوئی جینا ہے یہ راتیں کوئی راتیں ہیں
نہ وہ آئیں نہ موت آئے نہ چین آئے نہ خواب آئے

یہی بدمستی شام جوانی ہے تو پیری کیا!
نہ جگنوں میں سوا نیزے پہ بھی گر آفتاب آئے

مری اس عمر کی رنگیں مزاجی ایسی ہے جیسے
لب بام اوڑھ کر چادر شفق کی آفتاب آئے

کہاں ہے جام ساقی سے کہاں ہے کیا قیامت ہے
کہ اک ساغر پہ اترا تا ہوا یوں ماہتاب آئے

کسی صورت سے دل لینا ہے یہ بھی اک ادا ہوگی
بڑی حیرت ہے ان متوالی آنکھوں میں حجاب آئے

جو عمر جاوداں لطف نشاط زیست کھوتی ہے
سکندر کامیاب آیا خضر ناکامیاب آئے

ازل سے جیتے آئے ہیں ابد تک جیتے جائینگے
نہیں وہ ہم کہ جس کے دل میں خوف احتساب آئے

کیے جاؤ جو کچھ کرنا ہے جو ہونا ہے وہ ہوگا
قضا بھی آتی ہے آئے بدیر آئے شتاب آئے

کیا نامی طبیعت نے غنی رکھا قناعت نے
مجھے پروا نہیں اسکی صلہ آئے خطاب آئے

کریں کیوں قصر شاہی کی ہوس اس دار فانی میں
سمجھ میں گر لدوا للموت وابنوا للخراب آئے

زلیخا کی طرح مرتاض تو ہو کوئی اے ضامن
وہ جنت ہے ریاض عشق جاکر پھر شباب آئے

نہیں پھرتے ہیں نہ تقدیر سے لیے پھرتی ہے
بیخودی ہو کے عناں گیر لیے پھرتی ہے

۱۳۴۹ھ

جان قبضہ میں کیے سے وہ غلط کار نگاہ
اور قضا اپنی رہی شمشیر لئے پھرتی ہے

نہ بگولے ہیں نہ صرصر ہے یہ روح لیلی
دشت میں قیس کی تصویر لئے پھرتی ہے

عشق میں چین کہاں ضبط میں آرام کہاں
خلشِ آہ گلوگیر لیے پھرتی ہے

جس نے موسی کو سر طور کیا تھا بیہوش
ہم کو صحرا میں وہ تنویر لیے پھرتی ہے

صید ہم سے تو نہ ہوگا نہ ہوا ہے وہ غزال
آہ ٹوٹے ہوئے کچھ تیر لیے پھرتی ہے

سرمہ سا چشم کے انداز خموشی کو نہ پوچھ
شرحِ یک دفتر تقریر لیے پھرتی ہے

ساز دلجمعی گوہر ہو نصیب احباب!
موج میرا خط تقدیر لیے پھرتی ہے

بیخودی دے چکی ہے درس حقیقت مجھ کو
عقل کیوں دفتر تزویر لئے پھرتی ہے

ایک اک ذرہ ہے خورشید جمال فطرت
شمع طور اپنی ہی تنویر لئے پھرتی ہے

موج بوئے گل و تحریک ہوائے گلزار
سرخوشِ عشق کو زنجیر لئے پھرتی ہے

پوچھتے کیا ہو ہم آواروں کا مسکن ضامن
ہم پڑے پھرتے ہیں تقدیر لئے پھرتی ہے

۱۳۴۴ھ

مری طبع ہنرور کو نہیں حاجت اضافت کی
تمنا ہے ستائش کی نہ پروا ہے مذمت کی

شرارت آسماں کی ہے نہ ہے تقصیر قسمت کی
وہی ہے میری حالت ہے جو حالت میری نیت کی

بہت دیکھا بہت سوچا بہت پوچھا بہت جانچا
سمجھ میں کچھ نہ آئی داستاں نیرنگ قدرت کی

کہے جو کوئی جو کچھ اک کہانی جان کر سن لو
ہیں بحثیں عالم اسباب تک معلول و علت کی

ہجوم ناز بیجا ہے خودی ہنگامہ آرا ہے
دل تنگیں پر ان کے بند ہیں راہیں محبت کی

شباب عشوہ کاری ہے بہار فتنہ باری ہے
جوانی میں ہے کچھ شان اور ہی ان کی طبیعت کی

زمین شور کجرائی میں کیوں تخم عمل بوئے
تمنا دل میں انساں کے ہو گر کسب سعادت کی

کریں کس منہ سے شکوہ بیرخی کا بیوفائی کا
نہ دینا تھا دیا دل تم کو ہم نے خود حماقت کی

دعا گو شاہ آصف کے ہیں ضامن جان و دل سے سب
دلیل عدل شاہی ہے وفاداری رعیت کی

ردیف ے

کوچہ میں جو اس زلف کے بھٹکے وہ کدھر جائے
تم راہ کوئی دل کو بتاؤ کہ اُدھر جائے

دیکھو یہ ہنسی زیر لب اچھی نہیں پیارے
چھڑکو نمک اتنا کہ وہیں زخم کا بھر جائے

دل ہو کہ جگر دونوں ہیں گھر تیرِ نظر کے
روکے گا اسے کون ادھر آئے اُدھر جائے

یارب مرے گھر سے وہ مکدر نہ سدھاریں
اتنا دمِ رخصت دل بیتاب ٹھہر جائے

تم جاتے ہو اور آنکھوں نے طوفاں ہی اٹھایا
اک لحظہ کرو صبر کہ گنگا یہ اُتر جائے

اتنا بھی نہ دو رنج کہ رد کے نہ رُکے آہ
کیا ہوگا جو دنیا کہیں انگار دنسے بھر جائے

اوس چشم کو آہو نہ سمجھ ضامن وحشی
دشوار ہے پھر زیست جو یہ شیر بپھر جائے

ردیف ہ

ذوقِ عشق مژہ و ابرو سے بے پیر رہے
دل میں یہ تیر کلیجے میں یہ شمشیر رہے

کس کی قدرت ہے کہ رستے سے کوئی ہٹ جائے
تو جو اے جذبۂ دل اون کا عناں گیر رہے

داغِ دل دیکھ کے وہ اور بھی رم کرنے لگے
لو نہ یہ نقش بھی شرمندۂ تاثیر رہے

بیعتِ شیخ اِدھر کی نہ اُدھر کی ٹھہری!
پھر گئے پیر مغاں سے جو وہ بے پیر رہے

خیر کر خیر غریبوں سے بھی اللہ کرے!
شہرۂ حسن ترا یوں ہی جہانگیر رہے

دیکھو گھونگر نہ کھلیں شانہ سے گر جائینگے دل
حلقہ در حلقہ یونہیں زلف گرہ گیر رہے

ہمت ایسی تو ہو کیا کام کیا واہ رے ہم
عمر بھر بھو گلے بنی تقدیر رہے

چھوڑ کر دامن تدبیر پھرے سرگرداں
ہم سے برگشتہ نہ کیوں شاہد تقدیر رہے

رہتی دنیا تک اسی طرح سے اک دنیا کو
خاک کوچے کی ترے سرمۂ تسخیر رہے

ہاتھ میں اوس کے ہے سب ذلت و عزت ضامن
کیا ہوا دشمن اگر در پئے تحقیر رہے

دیکھیں تا چند یہی حسرت تاثیر رہے
آہ جاں سوز رہے نالہ گلو گیر رہے

جب وہی چاہیں کہ عاشق مرا دلگیر رہے
جذبِ دل کس لئے منت کشِ تاثیر رہے

کلمنت اک عیب بھی وہ تو ہنر جانتے ہیں
مدعا یہ ہے کہ الجھی ہوئی تقریر رہے

دل ہے وہ طور جہاں آٹھ پہر پیشِ نظر
جلوۂ یار رہے حسن کی تنویر رہے

اپنا عاشق نہ سمجھ بندۂ بیدام سمجھ
لیکن اتنا ہو کہ ہم حبشوں میں توقیر رہے

بزمِ قاتل نہ بنے گنجِ شہیداں کیونکر
جب نگہ آٹھ پہر دست بہ شمشیر رہے

آرزو خاک ہو گلچینِ گلستانِ امید
چاک در چاک جو یوں دامنِ تدبیر رہے

کم نہ ہو سرزنشِ مہر فزا کی لذت
وہ بگڑتے رہیں دل مائلِ تقصیر رہے

اپنا جلوہ مری آنکھوں میں سما کے دیکھو
حسن دونا ہو جو آئینہ میں تصویر رہے

اکرم پیلہ کی طرح آپ ہیں اپنے صیاد
بند تہ دیر ہی میں بانیٔ تزویر رہے

آہ سوزاں جو بنے محضرِ خونیں جگری
دامنِ برق میں شنجرف کی تحریر رہے

ہے خزاں ایک تبسم میں بہارِ ہستی
گل کے انجام پہ کیوں غنچہ نہ دلگیر رہے

ہو اگر شعر میں اتنا تو اثر ہو ضامن
ناطقہ محوِ دلاویزیٔ تقریر رہے

یہ دامن جب نہ ہوگا ہاتھ میں ہاتھ اور جبیں ہوگی
پھرے گی یہ نظر جب آنکھ ہوگی آستیں ہوگی

ابھی ہے بچپنے کی سادگی وہ دن بھی آئیں گے
یہ باتیں دلربا ہوں گی یہ چتون دلنشیں ہوگی

ہوا اک باندھ رکھی ہے امیدِ وصل نے ورنہ
نہ ہم ہوں گے نہ دل ہوگا نہ آہِ آتشیں ہوگی

سرِ محفل نہ چھیڑو میں اگر کچھ منہ سے بولوں گا
تڑپتی ہے نظر بجلی جبیں پر جو یہ شرمگیں ہوگی

اسے کیا وسعتِ خوانِ نوالِ میر و سلطاں سے
ترے خوانِ کرم پر جسکی قسمت ریزہ چیں ہوگی

ادھر تو مجھ سے کھنچتا ہے ادھر جاں تن سے کھنچتی ہے
کشاکش یہ خلل اندازِ ربطِ ماء و طیں ہوگی

کرو گے اس طرح قدرِ محبت ہم نہ سمجھے تھے
کہ دل میں کھوٹ ہوگا اور زباں پر آفریں ہوگی

غمِ پنہانِ عاشق کو نہ سمجھو سازِ جمعیت
کہ ہر موجِ نفس اسکی تہِ چینِ جبیں ہوگی

۱۲۴۵

دل حیرت گزیں از تنگ اشکال حقیقت ہے
ہماری خامشی اک روز معنی آفریں ہوگی

ذرا ساقی سے تو زاہد کی آنکھیں چار ہونے دو
نہ ذوق ساغر کوثر نہ یاد حور عیں ہوگی

کہاں کا وصل کس کا ہجر شادی کیسی ماتم کیا
طبیعت ہر کبھی شاداں کبھی اندوہگیں ہوگی

نظر آئیگا میخانے میں بزم طور سا عالم
تری برق نظر ساقی تحیر آفریں ہوگی

نہ عالم کچھ نہ آدم کچھ نہ ہستی کچھ نہ نیستی کچھ
ہوا اک ہاں ہیں سب کچھ کچھ نہ ہوگا جب نہیں ہوگی

مری قسمت حریف عیش باساماں ہو کیا معنی
خم بے بادہ ہوگا یا مئے بے ساتگیں ہوگی

نہ بھولا جس کو میں وہ تھی نگاہ اولیں اونکی
رہے یاد اون کو جو میری نگاہ واپسیں ہوگی

یوہیں خون تمنا دل میں گر ہوتا رہا ضامن
نمونہ کربلا کا ایک دن یہ سرزمیں ہوگی

۱۲۲۵

وعدہ درست اور نہ عہد استوار ہے
پر کچھ تو ہے جو اونکا ہمیں اعتبار ہے

ہنگامہ ریز عرصۂ دل خوئے یار ہے
سیدہی ادا بھی باعث صد انتشار ہے

اشکوں نے کیا کیا تھا یہ لڑکے ہیں بیگناہ
مژگاں تک آئے دل کہ سزاوار دار ہے

دکھتا ہے بار بار تپکتا ہے بار بار
کیا جانے کون چیز کلیجے کے پار ہے

آپ اپنی ہم بہار ہیں آپ اپنی ہم خزاں
ہونے دو گر چمن میں نزول بہار ہے

اسے رہروان کوئے وفا دیکھ بھال کے
یہ راہ کچھ صراط سے مشکل گزار ہے

نوک مژہ کو اس سے ہے کیوں اسقدر خلش
ضامن کے دل کو تو رگ گل نوک خار ہے

گر خواہش دل پائے سرانجام بہت ہے
سر میں ہے جو سودا وہ ابھی خام بہت ہے

کم نشۂ مے سے نہیں کچھ بیخودی شوق
ساقی مجھے خون دل ناکام بہت ہے

ممکن ہے کہ جنت نہ ملے رندوں کو واعظ
گر سچ ہے کہ واں بادۂ گلفام بہت ہے

دل سیر نہ ہو ولولہ عشق میں ہر چند
غم پھر بھی بقدر دہن و کام بہت ہے

کیا کیا کریں اس عمر دو روزہ میں الٰہی
فرصت ہے کم اور ہم کو ملا کام بہت ہے

احباب نہ ہوں سمع خراشی سے مکدر
ضامن تری محنت کا یہ انعام بہت ہے

۱۳۲۸

موت آنکھیں عاشق کو دکھلا رہی ہے
تو نہ آیا جان حسرتیں جا رہی ہے

دل نے پایا کیا کیا مزہ اس خلش میں
کون سی شے سینے کو برما رہی ہے

در حسرت کچھ کم نہ تھا اے تمنا
کیا غضب ہے تو جان کیوں کھا رہی ہے

جب سے چھوڑا تن پروری کی ہوس کو
روح راحت کچھ اور ہی پا رہی ہے

دھوپ میں جیسے آئینہ کوئی رکھ دے
حسن رخ کو مے یوں ہی چمکا رہی ہے

سرد مہری ہی کیوں نہو کچھ کیے جا
یہ ہوا بھی داغوں کو بھڑکا رہی ہے

جام ساقی ہم کو بھی دے دیکھ کیا تک
آنکھ مہر مینائے صہبا رہی ہے

صبح پیری ہے بجھتی ہے شمع ہستی
حرص لیکن ہستی کو اکسا رہی ہے

پیچ پڑنے والا ہے کوئی نہ کوئی
زلف اوسکی جو بل پہ بل کھا رہی ہے

اہل بینش اس رنگ کو بھی تو دیکھیں
فکر ضامن پھر پھول برسا رہی ہے

ناکامیاں نہ کیوں ہوں نوید ظفر مجھے
ہمت عطا کرےگی نئے بال و پر مجھے

تھا جلوہ گاہ یار ہر اک دشت و در مجھے
لے کر کہاں کہاں گیا ذوق نظر مجھے

ابر کرم نے تیرے جو کیں آبیاریاں
شاخ امل ہوئی شجر بارور مجھے

ٹوٹا دل اس طرح کہ ہوئی بار زندگی
ناسازی زمانہ سے ہے ساز سفر مجھے

حسرت یہ ہے کہ میں ہمہ تن دل کیوں ہوا
ملتا کسی کے جیب معنبر میں گھر مجھے

اوس چشم فتنہ بار سے سب کو خدا بچائے
اچھے رہیں جو کہتے ہیں شوریدہ سر مجھے

دشت طلب میں رکھنے کو رکھا تو ہے قدم
اس راہ میں ہیں لاکھ طرح کے خطر مجھے

آٹھوں بہشت لے کے جہنم میں جھونک دوں
مل جائے گر جوار میں تیرے مقر مجھے

دل قلزم خیال ہے جاں عرصۂ ملال
ہے فقر میں بھی سلطنت بحر و بر مجھے

ہوں راہ کبر و ناز سے دور اس پہ ناز ہے
آتا نہیں جہاں کا کوئی ہنر مجھے

۱۲۸۸ھ

لعل مذاب وقت زبان قلم کیا
ضامن خوش آئی ریزش جگر سے مجھے

پند ناصح کی چیستاں ہے مجھے
سمجھ اتنی بھلا کہاں ہے مجھے

نام لے لے کے تیرا جیتا ہوں
اسم اعظم یہ حرز جاں ہے مجھے

عشق اور وہم حسن اور تمکیں
کچھ خیال اون کو کچھ گماں ہے مجھے

پھیر قسمت کا پاؤں کا چکر
جو زمیں ہے وہ آسماں ہے مجھے

داغ دل کو نہ کیسے رکھوں عزیز
یہی تصویر رفتگاں ہے مجھے

لوں نہ آب خضر کہ عمر ابد
ایک ساغر کو بھی گراں ہے مجھے

پاس خاطر ترا نہیں نہ سہی
کچھ تو یوں مانع فغاں ہے مجھے

ہے پلاس و نمد میں وہ آرام
کہ وہ اطلس پہ پرنیاں ہے مجھے

کام جاں کو خوش آئی تلخی غم
محو سب لذت زباں ہے مجھے

دیکھتا ہے تو اس نظر سے نہ دیکھ
یہی نشتر یہی سناں ہے مجھے

سرمہ سمجھا ہوں خاک در کو ترے
حیدرآباد اصفہاں ہے مجھے

وہم اغیار اور دل عاشق
پھر مسلماں ہوں یہ گماں ہے مجھے

۱۲۸۹ھ

ایک دل کے نہ ہونے سے ضامن
ذرّہ ذرّہ دلِ طپاں ہے مجھے

۱۳۲۵ھ

دل پہ وحشت کی چڑھائی ہو چکی — عقل کی فرماں روائی ہو چکی
دسترس غنچوں ہی تک تھا اے صبا — دیکھ ادھر کیا دلکشائی ہو چکی
تو نہ ہو بدظن تو پھر کیا غم اگر — منحرف ساری خدائی ہو چکی!
بے گناہونکی کہیں نوبت نہ آئے — بس کرو تیغ آزمائی ہو چکی!
ناز کی طاقت ربائی تا کجا — صبر کی زور آزمائی ہو چکی
چل کے اب میخانہ میں توڑیں وضو — مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی!
کعبہ کس کا اور کیسا بت کدہ — جب درِ دل تک رسائی ہو چکی!
یہ تلون دیکھیے کیا رنگ لائے — غیر سے بھی کج ادائی ہو چکی
ق
عاشقوں کی بیقراری بڑھ چلی — طاقت صبر آزمائی ہو چکی
متقی کا سارا تقویٰ رہ گیا — پارسا کی پارسائی ہو چکی
شیخ نے مستی میں کی ہو حق شروع — نوبت زہد ریائی ہو چکی
ڈھا رہا ہے آفتیں انکا شباب — درہم و برہم خدائی ہو چکی

ضامن اب کب تک بچاؤ گے اسے
جان لو دل سے جدائی ہو چکی

۱۳۲۵ھ

ہونے والی بات تھی جو ہو چکی — دل کو ہم اور ہم کو قسمت رو چکی
ناامیدی تخمِ حسرت بو چکی — آرزو آٹھ آٹھ آنسو رو چکی
اے دلِ ناداں یہ رونا ہے عبث — چشمِ تر داغِ محبت دھو چکی
منقبض بارِ علائق سے روح — کیا کرے اس بوجھ کو خود ڈھو چکی

جائے کیا خار محبت کی خلش
تنگ ہے یاروں پہ میدان عمل

آنکھ دل کے حق میں کانٹے بو چکی
جاگے اب جس وقت قسمت سو چکی

مفت ہی گر پھینکنا ہے پھینکدو
اون سے قیمت دل کی ضامن ہو چکی

۱۳۳۸

یاس سرمایۂ راحت ہو گی
گرد اٹھ کر نہ بنی ابر کبھی
ساز آہنگ حقیقت ہے نفس
ہے یہی حسرت انجام اگر
نہ ہو تصویر میں گو اون کی بات
دل سے اٹھی جو ندامت کی گھٹا
جل گیا پردۂ ناموس وفا
مہر ذرہ سے نہیں بے پروا
دل ہی جب دے چکے باقی کیا ہے
سوز دل سے ہے سخن میں گرمی

بے دلی وجہ فراغت ہو گی
خاک دوں طبع میں ہمت ہو گی
جاں طرب گاہ محبت ہو گی
زنگ آئینہ الفت ہو گی
دیکھ لوں کچھ تو شباہت ہو گی
سایہ دامن رحمت ہو گی
کیا یہ آہوں کی شرارت ہو گی
داغ دل میں وہی طلعت ہو گی
جان دیں گے جو ضرورت ہو گی
شمع محفل یہ طلاقت ہو گی

عشق کو چھوڑ کے دیں عقل کا ساتھ
ہم سے ضامن نہ حماقت ہو گی

۱۳۳۹

دل جنوں زادۂ آزادہ ہے
عافیت سوزی حسرت کو نہ پوچھ
میری تصویر میں ہی رنگ شکست

بوئے گل کو رگ گل جادہ ہے
سر بصحرائے طلب دادہ ہے
صاف اڑ جانے کو آمادہ ہے

حرفِ مطلب کو نہ ڈھونڈو اس میں
شیب میں بھی ہے جوانی کی ترنگ
سر کے بل چلتے ہیں اس کوچے میں
دل میں اب خون کہاں سے آیا

آسماں اک ورقِ سادہ ہے
مجھ کو بادِ سحری بادہ ہے
جادہ ہم رتبۂ سجادہ ہے
تھا جو یاقوت وہ بیجادہ ہے

دور ہے سرحدِ رحمت ضامن
اشک دامن ہی میں افتادہ ہے

سرمست تماشا ہوں وہ جلوہ مقابل ہے
اک یاد تری سو سو پرواز ہے دکھلاتی
دیوانِ عدالت میں مغلوب ہوئے غالب
پھر فصلِ بہاری نے آہنگِ جنوں چھیڑا
ہم خاک نشینوں کو ہے حسن سیہ بختی
اس جوشِ تمنا پہ خاک اڑتی ہے دامن میں
یہ نفس کی تسویلیں یہ عقل کی تاویلیں!
مسلک سے ہے محبت کا آپے سے گذر جانا

لبریز مئے حیرت میناکدۂ دل ہے
خلوت کدۂ جاں میں ہنگامۂ محفل ہے
مقتول کے ہاتھوں میں اب دامنِ قاتل ہے
پھر زخمہ رگِ جاں کو منقارِ عنادل ہے
رخسارۂ گیتی پر تاریکیٔ شب تل ہے
آغوشِ مراد اپنا خمیازۂ ساحل ہے
عاقل جسے کہتے ہیں صد درجہ کا غافل ہے
مانندِ شرر مجھ کو جو گام ہے منزل ہے

اس سانس کے ڈورے پر کب تک یہ رسن بازی
ضامن رقمِ ہستی محض اک خطِ باطل ہے

دل ان کا مہر سے خالی نظر نا آشنا نکلی
پڑھا جب غور سے خطِ غبارِ صفحۂ خاطر
زخود رفتہ ہوئے ایسے کہ بزمِ انس میں پہنچے

تمنا دید کی اک عمر میں نکلی تو کیا نکلی
تو ساری داستاں تفسیرِ حرفِ مدعا نکلی
کہاں ڈوبی تھی کشتی اور کہاں آخر کو جا نکلی

۱۴۳

دیا ہے درس حسرت نے زبان بے زبانی کا
دم اظہار درد دل نگہ بن کر صدا نکلی

نہیں مرہون خلعت قامت عزم بلند اپنا
کہ ہر امید کوتاہی میں مفلس کی قبا نکلی!

مرادف سعی کا سمجھا کئے وحشت خرامی کو
گلہ قسمت کا تھا لیکن ہماری ہی خطا نکلی

زبان عرض مطلب لال اور تا صد حریفانہ
غضب ہے گر کمند جذبۂ دل نارسا نکلی

سزا ہے پردۂ ناموس گلشن چاک کرنے کی
ہوئی آوارہ نکہت گل سے جب آکر جدا نکلی

چھپو چھپتے ہو کب تک ہم بھی اک دن دیکھ ہی لینگے
امنگیں دل کی ابھریں اور آنکھوں سے حیا نکلی

حقیقت آپ اک پردہ ہے دیکھو ہم نہ کہتے تھے
وہی یاد صنم پیرایہ یاد خدا نکلی

دل بے مدعا ہی مخزن گنج قناعت تھا!
اسی ویرانہ سے ضامن متاع بے بہا نکلی!

۱۴۴

دل کو ضامن ہوس عشق تپاں باقی ہے
بجھ گئی آگ مگر اب بھی دھواں باقی ہے

تاب ضبط اور نہ یارائے فغاں باقی ہے
دکھ اٹھانے کیلئے جسم میں جاں باقی ہے

بال پرواز نہیں ہمت پرواز تو ہے
مرشوں میں بھی ابھی تاب و تواں باقی ہے

نیستی کو بھی نہیں میرا تو ہم ہر چند
ان کو لیکن مری ہستی کا گماں باقی ہے

فاقہ مستی ہی سہی بادہ پرستی نہ سہی
قوم میں عیش گذشتہ کا نشاں باقی ہے

نیم جاں چھوڑ کے جاتا ہے کدھر او قاتل
ابھی اک سد رمق جسم میں جاں باقی ہے

قصہ کوتاہ کر اب شکوۂ گلچیں تا چند
بلبل زار ابھی دور خزاں باقی ہے

حرف مطلب کا نہ سنیے گا اسے سن لیجے
درد دل کا ابھی تھوڑا سا بیاں باقی ہے

دل گیا دین گیا خوار ہوئے زار ہوئے
پھر بھی ضامن ہوس عشق تپاں باقی ہے

آئینہ لاکھ شوق میں آغوش وا کرے
کیوں سادہ دل سے کوئی امید وفا کرے

(۱۳۲۱)

اے بادشاہ کشورِ خوبی جواب دے
کب تک فقیر تیری گلی میں صدا کرے

خالی دکانِ سجدہ ہے جنس خلوص سے
سیمائے صاف داغ ریا لیکے کیا کرے

واعظ شکستِ بیعت ساقی تو سہل ہے
میں کیا کروں جو دل نہ تری اقتدا کرے

ناز و ادا و عشوہ کو پھر کیا کہے کوئی
جب کار تیزی دم خنجر حیا کرے

ایسا کہاں ہے دامن بے لوثِ عمل
جو گرد غم سے آئینۂ دل صفا کرے

پاس نفس ضرور ہے غواص کے لئے
ہمت نہ ہو تو کیوں طلب مدعا کرے

نیرنگی فسوں ہے یہ ارتنگ کائنات
نیرنگیوں میں زنگ زمانہ بھرا کرے

سن حال سیر بحر حقیقت حباب سے
خود کو فنا کرے تو یہاں چشم وا کرے

یاں دل وہی وہی ہے تپش اور غم وہی
قطرہ سے موج موج سے دریا بنا کرے

ضامن کمال سے نہ گئیں تیرہ بختیاں
چھائیں کو روئے بدر کی خورشید کیا کرے

(۱۳۲۵)

گو کار جہاں سے ابھی فرصت تو نہیں ہے
چلتے ہیں قضا سے کوئی صحبت تو نہیں ہے

اک آگ سی بھڑکی ہوئی ہر سارے جہاں میں
اے آہ کہیں تیری شرارت تو نہیں ہے

پڑتی ہیں یہ کس چیز پہ ساقی کی نگاہیں
سر پر مرے دستار فضیلت تو نہیں ہے

ٹوٹی ہوئی آس اور ہیں الجھے ہوئے انفاس
ایسا ہی کہیں جذب محبت تو نہیں ہے

وہ کیا کریں بن بن کے بگڑ جائیں اگر کام
احباب سے کچھ وجہ شکایت تو نہیں ہے

پیدائی و پنہائی اسباب و نتائج
عنوان غلط کاری قسمت تو نہیں ہے

شاید کہ ہو ظرف مئے پندار دل شیخ
پیمانہ صہبائے حقیقت تو نہیں ہے

ضامن ترا شکوہ کرے باور نہیں آتا
واقف ہوں میں اوس کی یہ طبیعت تو نہیں ہے

۱۳۴۲ھ

بسمل کو اپنے چھوڑ کے تنہا کہاں چلے
اتنا تو اور ٹھہرو کہ ہمراہ جاں چلے

اس کی خبر نہیں کدھر آئے کہاں چلے
ہم وہ غبار ہیں جو پس کارواں چلے

ہیں میری خاک سے بھی انہیں بدگمانیاں
دامن اٹھائے آئے تھے دامن فشاں چلے

کب ہے دیارِ حسن میں جنس وفا کی قدر
اوروں کی طرح ہم بھی اٹھا کر زیاں چلے

مٹنے لگے ہیں دل سے جوانی کے ولولے
لو رات گذری صبح ہوئی میہماں چلے

اے فلسفی ہم آپ ہی گردش نصیب ہیں
یکساں ہے یاں زمین چلے آسماں چلے

سر میں خیال اوسی کا ہو جبتک ہے تن پہ سر
ذکر اوس کا ہو زباں پہ جبتک زباں چلے

کھویا ریائے شیخ نے سب اعتبارِ زہد
کھوٹا ہو مال جب تو کہاں سودِ کاں چلے

خونِ قتیلِ ناز دکھاتا ہے کیا بہار
دامن میں لے کے آپ گلِ ارغواں چلے

ساقی یہ رند تیرے ہی در کے گدا ہیں سب
کیوں دورِ مے رکا ہوا ہے کہدو ہاں چلے

مایوس دل کا اور سہارا نہیں کوئی
کشتی یہ تو ہی چاہے تو بے بادباں چلے

مسجد کا بھی ہے پیر مغاں اب اجارہ دار
ضامن شراب خانہ سے اٹھ کر کہاں چلے

۱۳۴۵ھ

ہاں طبیعت جبتک اوس سفاک پر آئی نہ تھی
ہم تھے ہم اور دل تھا دل یہ ناشکیبائی نہ تھی

وعدہ کیسا آگئی سر پہ بلائے انتظار
عاشقی کی آج تک ہم نے سزا پائی نہ تھی

میرا ذوقِ بیخودی پابندِ ہستی کب ہوا
بادپیمائی تو تھی گر بادہ پیمائی نہ تھی

گرمیِ ہنگامہ ہستی تھی جب ذوق آفریں!
جبکہ دل تک عشق کے شعلے کی آنچ آئی نہ تھی

یہ نہ سمجھے ہے نقابِ لن ترانی کی جھلک
اتنی بھی کیا دیدۂ موسیٰ میں بینائی نہ تھی

نیر اقبال اپنا بھی کبھی تھا ضو فشاں!
اس طرح ادبار کی کالی گھٹا چھائی نہ تھی

قیس تھا آوارہ گرد اور کوہکن تھا ہرزہ کار
لیلیٰ و شیریں کی الفت وجہ رسوائی نہ تھی

اس سرِ شوریدہ میں وحشت کا سودا کب نہ تھا
دل پہ **ضامن** کب جنوں کی کارفرمائی نہ تھی

۱۳۳۵

حجاب حیرت آئینہ کب گرد محابا ہے ! ہجوم بیخودی سے گرم بازار تماشا ہے
فلک کی گردشیں بیداغ کسکو رہنے دیتی ہیں جگر میں مہر عالمتاب کے بھی داغ سودا ہے
خرد کو ہے پشیمانی نظر ہے وقف حیرانی سراب جلوہ صورت نقاب روئے معنیٰ ہے
ترے وارفتہ کیا جانیں تعلق کس کو کہتے ہیں نفس کی راہ میں اٹھتی کہیں گرد کف پا ہے
قیامت ہے کمند سعی اگر کوتاہ پڑ جائے ! قضا حائل ہے اور اونچا بہت بام تمنا ہے
کہاں طوفان حسرت اور کہاں جمعیت خاطر ہوا کا زور وجہ پیچ و تاب موج دریا ہے
جھلک امید کی مایوسیوں میں بھی نظر آئی مری روداد ہجراں ہو نہ ہو خواب زلیخا ہے

مبارک ذوق سرمستی کہ دُرد ساغر بیدل
بچا جو میرزا غالب سے وہ ضامن کا حصہ ہے

۱۳۲۵

آہوں کے ساتھ اڑ کے جو لخت جگر گئے لالہ کے پھول اوج ہوا میں بکھر گئے
اللہ ری جلوہ باری حسن نظارہ سوز یاں ذرہ ذرہ طور ہے موسیٰ کدھر گئے
اغیار اور شراب جگر سوز عاشقی لو ان کے بھی حیات کے پیمانے بھر گئے
ہر نقش پا تھا آئینہ تصویر یار کا سرگشتگان عشق جدھر سے گزر گئے
یہ تھی خزاں کہ باغ پہ ڈاکہ پڑا کوئی غنچے گئے وہ گل گئے برگ و ثمر گئے
چھرکا نمک کسی کی ہنسی نے کچھ اسطرح تھے جتنے زخم تیر نگہ دل میں بھر گئے
تھے مثل آہ نیمشبی وہ بھی بے اثر نالے جو آسماں پہ وقت سحر گئے
ہستی کا داغ ترک خودی نے مٹا دیا یوں ان کے پاس لیکے ہم اپنی خبر گئے
کیا ہم سے بینواؤں کی موت اور زندگی تھی زندگی جیا کئے موت آئی مر گئے
میدان امتحاں تھی تری جلوہ گاہ ناز تیوری چڑھی حریفوں کے چہرے اتر گئے
کب تک بھلا یہ لیل و نہار امید و بیم وعدہ کیا سحر کو تو شب کو مکر گئے
شوق فضول زخمہ زن تار جاں ہے پھر در پردہ پھر اشاروں میں وہ چھیڑ کر گئے

ضامن کوئی نہ کوئی خریدار مل گیا
جس انجمن میں لے کے متاعِ ہنر گئے

سامانِ رنج و راحت دنیا ہمیں سے ہے
حسرت، امید، یاس، تمنا ہمیں سے ہے

دل ہم گنوائیں داغ جدائی کا ہم اٹھائیں
پھر اٹھے ضبط کا بھی تقاضا ہمیں سے ہے

اے دل نہ کھا فریبِ طلسماتِ اسم و رسم
صورت ہمیں سے اور ہیولیٰ ہمیں سے ہے

دل تھا تو درد بھی تھا نہ دل اب رہا اور نہ درد
یعنی مرض ہمیں سے مداوا ہمیں سے ہے

بیجا ہے بحثِ ردّ و قبیح و قبولِ حسن
نیرنگ دلفریبیِ اشیا ہمیں سے ہے

اللہ یہ حجاب ہے یا بے حجابیاں
دل میں ہمارے رہتے ہیں پردہ ہمیں سے ہے

اغیار لاکھ عشق و محبت کا دم بھریں
سرچشمۂ شرابِ تولا ہمیں سے ہے

راحت ہے کوئی چیز نہ کلفت ہے کوئی شے
صبر و سکون و شورش و غوغا ہمیں سے ہے

ضامن گلہ فلک کا نہ شکوہ ہے بخت کا
سامانِ رنج و راحت دنیا ہمیں سے ہے

رنگ سب بے مہری اربابِ صفا دیکھا کیے
غرق بحرِ غم ہوئے ہم آشنا دیکھا کیے

کیا بلا یاروں کو سیرِ بوستانِ دہر سے
کچھ ہوا ایں بھر گئے اور کچھ ہوا دیکھا کیے

پاشکستہ شہسوار و سنے جو بازی لے گئے
ہر قدم پر سالکوں کے نقشِ پا دیکھا کیے

کس سے کہتے حالِ نارسائی جنسِ ہنر
گرم بازاری نقدِ ناروا دیکھا کیے

ہو اگر عاشق کو ذوقِ انتظار آشنا تو ہو
صبحِ محشر تک کسی کا راستہ دیکھا کیے

ہمتِ مردانہ تھی ناکامیوں میں بھی رفیق
ہم اسی آئینہ میں شکلِ مدعا دیکھا کیے

بیخودی تھی پردہ بردارِ حجابِ ما و من
ہمنشیں ہم کیا بتائیں تجھ سے کیا دیکھا کیے

محفلِ تصویر تھی خلوت سرائے حسن و عشق
محوِ حیرت ہو کے اندازِ حیا دیکھا کیے

جان پر بنتی نہ بہتا آنکھ سے گر خونِ دل
ہم کچھ اس نقصان ہی میں فائدہ دیکھا کیے

دیکھ کر کیا کرتے ضامنؔ لالہ و گل کی بہار
رات دن گلکاریِ فکرِ رسا دیکھا کیے

بیخودی میں ہوشیاری کا سماں دیکھا کیے
بند آنکھیں کر کے بیرنگِ جہاں دیکھا کیے

سعیِ بے توفیق ہو کیا جادہ پیمائے مراد
دامنِ ہمت تہِ سنگِ گراں دیکھا کیے

بستیِ فطرت کے ہاتھوں صورتِ نقشِ قدم
بیٹھ کر اوجِ غبارِ کارواں دیکھا کیے

کب ملا ہم کو نشانِ منزلِ حسنِ عمل
دل کو حسرت سے ہوس کا ہمعناں دیکھا کیے

مثلِ بلبل نالہ کرتے اتنی بھی طاقت نہ تھی
لٹ گیا باغِ امل ہم بے زباں دیکھا کیے

مہرباں سمجھا کیے جن کو وہ تھے نامہرباں
پردۂ لطف و کرم میں سختیاں دیکھا کیے

پی گئے زہرِ تغافل جان کر آبِ طرب
خوابِ غم تعبیرِ عیشِ جاوداں دیکھا کیے

کھویا نقدِ دین و دل کھایا فریبِ اعتبار
سود کے دھوکے میں سر تا سر زیاں دیکھا کیے

پھول مہکے باغ لہکے رُت پھری سب کچھ ہوا
ان بہاروں میں بھی ہم رنگِ خزاں دیکھا کیے

جمع ہو سکتے نہیں دل اور شادی اک جگہ
بیدلوں ہی کو ہم اکثر شادماں دیکھا کیے

ہے سویدائے دل ہر ذرہ اک دشتِ طلسم
ہم یہیں سے نور کے دریا رواں دیکھا کیے

ہمنشیں کیا پوچھتا ہے ماجرائے بزمِ ناز
حسن کے آئینہ میں تصویرِ جاں دیکھا کیے

جل کے خاکستر ہوا سینہ میں دل ضامنؔ مگر
کچھ نہ سمجھے آگ کیسی ہے دھواں دیکھا کیے

بچائے دامنِ عصمت یہ کہدے کوئی قاتل سے
وہ آہ خونچکاں نکلی کسی حسرت بھرے دل سے

گرے بجلی اگر سو بار بھی کشتِ تمنا پر
جو ہمت والے ہیں مایوس کب ہوتے ہیں حاصل سے

ورِ مقصد کی خواہش اور غم جاں کیا حماقت ہے
کسی کو ہاتھ آئے ہیں کہیں موتی بھی ساحل سے

ہجوم بیگناہی داد خواہ جور بیجا ہے!
نگاہیں چار ہو سکتی نہیں قاتل کی بسمل سے

فغاں بیدلاں ہے رخنہ ساز دامن گلچیں!
گلوں کی سینہ چاکی بڑھ گئی شور عنادل سے

فریب آرائی یاراں ہے ذوق افزائے محرومی
کفن دیتے ہیں کشتوں کو قبائے ناز قاتل سے

تلاطم سا تلاطم ہے ترا کم سا ترا کم ہے
امید عافیت ہے بحر سے ہمکو نہ ساحل سے

کہاں سے قافلے یاروں کے پہنچے ہیں کہاں جاکر
جھجکتے رہ گئے ہم عشوۂ دوری منزل سے!

یہ کوئی چارہ سازی ہے یہ کوئی دلنوازی ہے
بیاباں گردیاں اچھی ہیں ان قید سلاسل سے

وہ نور جلوۂ گل اک فریب رنگ و بو نکلا!
پر پروانہ کچھ ہاتھ آ گئے گرمی محفل سے

ہجوم فکر میں فکر سخن کیا خاک ہو ضامن
یہ اتنے شعر نکلے ہیں بڑی کاہش سے مشکل سے

مقبول اثر ہو کے دعا بھی نہیں آتی
چاہیں جو قضا کو تو قضا بھی نہیں آتی

یہ دل تھا کبھی گل کدۂ عشرت جاوید
اب گلشن راحت کی ہوا بھی نہیں آتی

جھڑتی تھی جہاں آٹھ پہر نوبت شادی
واں دل کے دھڑکنے کی صدا بھی نہیں آتی

یہ پیچ زخم دو دو دل سوختہ دیکھو
یوں تا بہ کمر زلف رسا بھی نہیں آتی

بے راہ روی تو نے کیا قافلہ سے دور
اب کان میں آواز درا بھی نہیں آتی

اس کوچہ میں پامال سر راہگزر ہوں
برباد ہو خاک ایسی ہوا بھی نہیں آتی

اے جذبۂ دل کشمکش شوق کہاں تک
کیوں آئیں گے وہ انکی بلا بھی نہیں آتی

تقدیر تو دیکھو وہ سبھے چارہ گر اپنے
کیا ذکر دوا جنکو دعا بھی نہیں آتی

اک عالم ہو ہے کہ مرا دشت تمنا
پتے کے کھڑکنے کی صدا بھی نہیں آتی

اللہ ری بیچارگی درد محبت
کہتے ہیں کہ عاشق کی قضا بھی نہیں آتی

جو داغ جگر میں ہے جبیں پر وہی ہوتا
افسوس کہ ضامن کو ریا بھی نہیں آتی

۱۲/۱۴

سوز و گداز عشق سے رونق سخن میں ہے
شہرہ ترے جمال کا ہر انجمن میں ہے
صنعت سے ہے جمال حقیقت نظر فریب
چھینٹوں سے تیرے خاک ہو تسکین چارہ گر
بھاتی نہیں وفور نزاکت سے سیر گل
توڑے ہزار عہد نے پھر مجھ کو اعتبار
پہنچا کسی کو فیض نہ سوزی کے مال سے
بخشا فروغ عشق کی شہرت نے حسن کو
کہتی ہے جنبش پر پروانہ اور آ سے!
میں انتظار میں ہمہ تن چشم بن گیا
نظارۂ جمال ہے غارت گر شکیب

جلوہ چراغ طور کا اس انجمن میں ہے
بلبل ہے باغ حسن کی جو روح تن میں ہے
جو بات سادگی میں ہے کب بانکپن میں ہے
اک آگ سی لگی ہوئی سب تن بدن میں ہے
کہتے ہیں شور خندۂ بیجا چمن میں ہے
کیا ایسی بات وعدۂ پیماں شکن میں ہے
بیکار وہ چمک ہے جو کالے کے من میں ہے
نغموں سے عندلیب کے رونق چمن میں ہے
دل سوز شمع گر کوئی اس انجمن میں ہے
تار نظر ہے تار جو اس پیرہن میں ہے
برہم ہے انجمن وہ اگر انجمن میں ہے

ضامن یہ دیکھ فیض ثنائے جمال یار
موجود بو گلاب کی تیرے دہن میں ہے

۱۲/۱۵

قتیل تیغ تبسم ہے دل فگار کوئی
کرے نہ گر تری رحمت پہ اعتبار کوئی
دم اخیر ہے آنیکا یار سے وعدہ
بتائے کون شفق و سپید کا انجام
شمیم کاکل مشکیں سے ہے جہاں خوشبو
ہے کوئی وعدہ فراموش محو عیش و طرب
گرہ کشائی گیسوئے عنبریں ہے محال
درشت بات سے ہوتی ہی اس طرح کی خلش

خدنگ ناز کا تیرے بنا شکار کوئی
جہاں میں کیوں نظر آئے گناہگار کوئی
نہ غیر پاس رہے وقت احتضار کوئی!
کرے گا کیا تری رحمت کا انحصار کوئی
نہ لے گا مفت بھی اب نافہ تتار کوئی
ہے راہ میں ہمہ تن چشم انتظار کوئی
نہ مثل شانہ ہو جبتک جگر فگار کوئی
کہ جیسے دل میں چبھاتا ہو نوک خار کوئی

نہ کچھ ادھر سے نظر آئے بجز دل پر داغ
ہماری آنکھ سے دیکھے جو لالہ زار کوئی

عروسِ دہر وفا ہم سے کس طرح کرتی
مسافروں کا بھی کرتا ہے اعتبار کوئی

ہے تا بہ خستہ سفر امتیاز پستی و اوج
پیادہ راہ میں گر ہے کوئی سوار کوئی

ہمارے اور ترے دل میں فرق اتنا ہے
وفا شعار کوئی ہے جفا شعار کوئی

کروں نہ بھول کے ضامن کبھی میں خواہش حور
ملے جو شوخ حسیں باوفا نگار کوئی

غزل

ساغر کی سیر ساقی ہے لوں یہ دل میں ہے
آج پھر تیغ تغافل قبضۂ قاتل میں ہے

لب تک آتے ہی ہوا چور رنگ حرف آرزو
اس سے اچھی ہے وہی حسرت جو ابتک دل میں ہے

پھر ہے ظالم کا انداز تغافل پیشگی!
لطف کیسا یاں ستم سہنے کی حسرت دل میں ہے

ہائے وہ چھٹ جائے ہو جس پر مدار زندگی
جائے حیرت ہے کہ ابتک ربط آب و گل میں ہے

تازیانہ بہر ہمت ہے عدیم الفرصتی
یہ بھی اک پہلو ہماری سعی بے حاصل میں ہے

مانع وحشت خرامی راہ کی دوری نہیں
پا بہ گل گو خود ہوں پائے آرزو منزل میں ہے

ہے وہ دل اندھا نہ ہو روشن جو داغ عشق سے
قدر شمع کشتہ ضامن کب کسی محفل میں ہے

غزل

شورشِ عہدِ شباب دیکھیے کب تک رہے
جنبش موج سراب دیکھیے کب تک رہے

عرش پہ ہے پائے ناز فرش پہ فرق نیاز
یاں طپش اور واں حجاب دیکھیے کبتک رہے

ہر نفسِ گرم ہے اپنی وفا کی دلیل
گوہر شبنم کی آب دیکھیے کبتک رہے

آہ شرر ریز ہے چشم جگر ریز ہے
آگ۔ ہوا۔ خاک۔ آب دیکھیے کبتک رہے

دل میں ہے سوز فراق آنکھوں میں سیل سرشک
شعلہ تہ موج آب دیکھیے کبتک رہے

عشق کو مطلوب ہے برہمی بزم دہر
حسن اسیر نقاب دیکھئے کبتک رہے
سر سے اترتا نہیں سایہ دیو فراق
خانۂ ظالم خراب! دیکھئے کبتک رہے
عشق ہے بحر فنا ہم ہیں بنائے ہوا
بود و نمود حباب دیکھئے کبتک رہے
خاک میں مل جائیں گر طے ہو ابھی راہ عشق
صورت اشک اضطراب دیکھئے کبتک رہے
حال دل و جاں نہ پوچھ کاوش مژگاں نہ پوچھ
یہ خلش اور پیچ و تاب دیکھئے کبتک رہے
شورش امواج ہے نغمۂ ساز فنا
رنگ شکست حباب دیکھئے کبتک رہے

کہتے تھے نالے نہ کر ضامن تفتہ جگر
شعلہ فشاں یہ سحاب دیکھئے کبتک رہے

طبع رسا بنی ہے پھر آبیار معنی!
گلزار نظم میں ہے تازہ بہار معنی!
فیض حبیب سے ہے خوشبو دیار معنی!
ہے خاک پیر سے در کی مشک تتار معنی
نقش و نگار مانی کیا آنکھ میں سمائیں
پیش نظر ہیں ہر دم نقش و نگار معنی!
یہ پارہ جگر سب لعل گراں بہا ہیں
حق نے کیا ہے مجھکو سرمایہ دار معنی
چمکے فلک پہ جاکر ہر ذرہ مثل اختر
داماں فکر سے گر جھٹکوں غبار معنی
اشعار میں ہے موزوں توصیف چشم خوباں
نرگس کا یہ چمن ہے یا شاخسار معنی
رخسار کی ثنا میں نکلے ہیں شعر رنگیں
یہ لالہ زار معنی ہیں لالہ کار معنی
ناکامیاں خریدیں پیر و خضر کے بن کر؟
آب بقا کا چشمہ ہے جوئے بار معنی

ہو شورش جہت میں کیونکر نہ اس سخن کا
طبع بلند ضامن ہے آبشار معنی

تخت شہی وہ جا ہے تو یہ بوریا سبنے
بخت سیاہ سایۂ بال ہما سبنے!

ظاہر ہوا سے زلف نے کی آرزوئے زلف
سب دل کے داغ نافۂ مشک ختا بنے

رفعت لکھی جو یار کے قصر بلند کی
افلاک سبعہ زینہ ذہن رسا بنے

سمجھا تھا جنکو دیدۂ کم بیں ہرزہ گرد
آخر انہیں کے نقش قدم رہنما بنے

چھوڑو نہ دل کے خاک میں بھی رسم انکسار
خوبی نصیب کی ہے جو یہ کیمیا بنے

رکھیں گے حرف وضع پہ واعظ یہ سارے رند
کہنے سے ایک تیرے جو ہم پارسا بنے

اتنا تو ہو کہ فاتحہ پڑھنے کو لوگ آئیں
کوچہ میں تیرے قبر شہید وفا بنے

پھنس جائیں آ کے گر کہیں رندونکی بزم میں
موج شراب شیخ کی زنجیر پا بنے

سمجھے تھے ہم عمارت دل کو خدا کا گھر
منظور عشق کو ہے کہ یہ بتکدہ بنے

دل میں نہیں سماتے جو ارماں جگہ وہ پائیں
دنیا سی ایک اور جو مہماں سرا بنے

مشکل ثبات تھا شب تار فراق میں
داغ ولا چراغ طریق وفا بنے

جھگڑا مٹے فراق کا اے یاد زلف یار
گر تو ہی تازیانہ دست قضا بنے

ضامن یہ بحر عشق ہے ایسا نہ ہو کہیں
گرداب اس کا حلقۂ دام بلا بنے

سمجھو نہ تم کہ ہے یہ کسی اور راہ سے
کچھ درد دل میں ہوتی ہے تسکین آہ سے

افشا ہوا ہے راز محبت کا آہ سے
مجھ پہ ثبوت جرم ہے اپنے گواہ سے

پیدا سراغ نقش قدم پتلیوں سے ہے
دل میں اتر گیا کوئی آنکھوں کی راہ سے

اے شیخ آپ اور یہ بدمستی ہوس
یوں ہے تو چلیے میکدہ کو خانقاہ سے

نوک مژہ ہے خار سے دامن حیا
کیا دیکھتے ہو غیر کو نیچی نگاہ سے

موسی نہیں کہ دید کی خواہش میں ہوں خجل
جو کام دل کا ہو اوسے لیں کیوں نگاہ سے

ضامن اسی میں خیر ہے چھوڑو بتوں کا عشق
کرتا ہوں عرض میں یہ محبت کی راہ سے

او ہر آلے امید تو ہی سہی
دل بہلنے کی گفتگو ہی سہی

دست رس گل پہ گر نہیں بلبل
خلش خار آرزو ہی سہی

خیر مقدم خیال وصل صنم
وہ نہ آئے تو خیر تو ہی سہی

جس سے الفت ہے ہو اوسی سے گلہ
جو کہو سچ ہے زشت خو ہی سہی

ہم کو اہل جہاں سے کیا مطلب
تو تو ہے دوست وہ عدو ہی سہی

دل دکھانے کو ایک ہیں دونوں
تو نہیں تیری آرزو ہی سہی

شعر ہی کچھ سنائیے ضامن
دل بہلنے کی گفتگو ہی سہی

جا چکا دل جان جانی اور ہے
کچھ گھڑی کی میہمانی اور ہے

آرزوئیں ساری دل سے مٹ گئیں
شوق مرگ ناگہانی اور ہے

چارہ گر کس بات کا کرتے علاج
وجہ زور ناتوانی اور ہے

کیا ہوا گر بڑھ گئی قید حیات
خضر عمر جاودانی اور ہے

گھٹ چلا صہبائے غفلت کا خمار
اک ذرا سی سرگرانی اور ہے

حال دل ہے شکوۂ فرقت نہیں
سنیئے صاحب یہ کہانی اور ہے

تم کو ہے کچھ اور ہی ضامن خیال
لیکن اوس کو بدگمانی اور ہے

نہ تم برق تجلی ہو نہ موسیٰ دیکھنے والے
نقاب الٹو کہ ہیں مشتاق جلوہ دیکھنے والے

نہ لیں گے خلد یہ کوچہ یہ جلوہ دیکھنے والے
کہیں گھر پھونک کر عاشق تماشا دیکھنے والے

تری نیرنگی قدرت کا جلوہ دیکھنے والے
ہیں صحرا ذرہ میں قطرہ میں دریا دیکھنے والے

۱۳۲۰ھ

دکھا دے اے عزیز مصر خوبی پھر جمال اپنا
کہ نور آنکھوں کا کھو بیٹھے ہیں سب دیکھنے والے

یہ مانا ہم نے غیروں سے ملے تم سادہ لوحی سے
مگر سوچو تو کہتے ہوں گے کیا کیا دیکھنے والے

بتائیں کچھ رہ و رسم دیار عشق ہم کو بھی
کہاں ہیں طرز راہ و رسم دنیا دیکھنے والے

دل اپنا بیچتے ہیں ہم رضا مندی کا سودا ہے
پرکھ کر جانچ کر لیں مال اچھا دیکھنے والے

گرا ہے چاہ کنعاں جان کر بحر محبت میں
کہیں کیوں یوسف دل کو نہ اندھا دیکھنے والے

بہت مشکل ہے اندازہ پرائے دل کی حالت کا
بھلا دیں تجربوں کو اپنے دنیا دیکھنے والے

ہے تصویر طلسمی تو مگر حسن مثالی کی!
سراپا نقش حیرت ہیں سراپا دیکھنے والے

نہاں کے ماہ زاں کرتے کر دو ساز ند مخفلہا
نگاہیں تاڑ لیتے ہیں زمانہ دیکھنے والے

وہاں قانون اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات جاری ہے
کہیں ہوتے ہیں واعظ زہد و تقویٰ دیکھنے والے

دکھا کر دل کی حالت اونسے ہوں انصاف کا طالب
ملیں مجھ کو اگر مجنوں کا صحرا دیکھنے والے

ابھی نوک مژہ تک اشک غم آیا ہے آنکھوں سے
مگر سمجھے ہیں طوفاں خیز دریا دیکھنے والے

انہیں بدمست رکھتی ہے نگاہ ناز ساقی کی
کریں کیا ساغر مے چشم شہلا دیکھنے والے

خبر اس کی نہیں سرمست صہبائے محبت کو
مجھے سمجھے ہوئے ہیں بادہ پیما دیکھنے والے

گریں گی بجلیاں اک دن ذرا اتنا سمجھ رکھیں
مری بیتابی دل کا تماشا دیکھنے والے

"ثنائے خود بخود کردن نہ زیبد مرد عاقل را"
کہیں گے ضامنؔ آپ اچھے کو اچھا دیکھنے والے

[illegible]

شباب آخر ہوا مہمان کچھ دن کی جوانی ہے
خزاں آنکو ہے رخصت بہار زندگانی ہے

ہے غم کا پیش خیمہ نام جس کا شادمانی ہے
غم ہنگامۂ ہستی مآل زندگانی ہے

مٹا دو دل داغ فرقت دلسے تا صبح ہو نہیں سکتا
مرے پاس اوس ستمگر کی یہی تو اک نشانی ہے

جو لے حسن بیاں سے کام تو بیشک سنیں گے وہ
نہیں پُر درد ہی دلچسپ بھی میری کہانی ہے

کیا بے مہری ساقی نے لذت آشنا غم کا
دل پُر خوں مجھے جام شراب ارغوانی ہے

غضب ہوگا مٹا دی یاد اسکی تم نے گر دل سے		ہوا جو بے نشاں الفت میں یہ اوسکی نشانی ہے

ہوں سب تم سے تو کار و بار عالم چل نہیں سکتا
تن آسانی ہی کیا ضامن مال زندگانی ہے

ہر گھڑی لبریز جام مرگ ہے	(چہ)	درد دل شائد پیام مرگ ہے
جو گیا پیغام لیکر مر رہا		اون کا کوچہ کیا مقام مرگ ہے
اسمیں پھنستے ہی مری جاں پر بنی		گیسوؤں کا دام دام مرگ ہے
ہجر میں ساقی خوش اندام کے		ساغر مے مجھکو جام مرگ ہے
کام دیتا موت کا کیونکر نہ عشق		دوسرا یہ بھی تو نام مرگ ہے
مر مٹے ہم اور انہیں باور نہیں		یعنے ہم پر اتہام مرگ ہے

سن کے شادی مرگ ضامن کو ہوئی
تیرا وعدہ کیا پیام مرگ ہے

مول ہم نے لیا بکھیڑا ہے	(جہ)	بیٹھے بیٹھے کسی کو چھیڑا ہے
دیکھیں اس سیل میں رہے یا جائے		دل میں ارمانوں کا دڑیڑا ہے
چل کے ڈٹ جائیں یار کے در پر		دل پہ رکھ لیں تو پار بیڑا ہے
حادثہ کیا ہے بہر کشتی عمر		موج طوفاں کا اک تھپیڑا ہے
دیکھنے ہی میں عشق ہے آسان		اک زمانہ کا یاں بکھیڑا ہے!
کیا پڑی ہے تجھے ہماری شیخ		کام اپنا بھی کچھ بنیڑا ہے

باب مقصد کرے گا ضامن فتح
جس نے خیبر کا در اکھیڑا ہے

(۲۲)

جگہ تھوڑی جو حاصل زیر قصر مہوشاں کر لی
میں سمجھوں گا ریاض خلد میں گھر مکاں کر لی

چھپا کر محتسب سے کی تھی میں نے بیعت ساقی
جو پوچھا چھیڑ کر کہنا پڑا آخر کہ ہاں کر لی

ہمیں منظور خود بینوں پہ اظہار تمنا تھا
کہ دل کے ٹکڑے لیکر آئینو کی اک دکاں کر لی

کریں کیا عرض حال دل کہ آنکھیں چار ہوتے ہی
وہ کہتے ہیں کہو تیار کوئی داستاں کر لی

مرے صبر و تحمل کے ہیں کتنے داغ دل۔ یعنی
سنی جو سخت بات اوس سے وہیں خاطر نشاں کر لی

کیا کام ابر رحمت کا سرے چھالوں نے صحرا میں
دعائیں دیکے ہر کانٹے نے تر سوکھی زباں کر لی

خیال وصل سے ضامن خدارا اب تو باز آؤ
جو کچھ کوشش تھی امکاں میں وہ سب اے مہرباں کر لی

(۲۳)

کیا آپ جانتے نہیں کیا ہو تو جانیئے
ہاں سچ ہے دل کسی کا لیا ہو تو جانیئے

نیچی نگاہیں بجلی تری بر مار ہی ہیں دل
ان تیروں کی سپر جو حیا ہو تو جانیئے

کیا فائدہ فلک پہ ہے گر ناخن ہلال !
عقدہ ہمارے دل کا جو وا ہو تو جانیئے

کھنچتے ہو اوس سے آپ جو ہے زندگی سے تنگ
اغیار سے یونہی جو خفا ہو تو جانیئے

آساں نہیں ہے گرم روی راہ عشق میں
دل مثل شمع آبلہ پا ہو تو جانیئے

نخل غم و نہال تمنا جو تھے سو ہیں
یاں کارگر دبور و صبا ہو تو جانیئے

ظلمات اور کوچۂ گیسو کچھ اور ہے
یاں کوئی آکے راہ نما ہو تو جانیئے

کیا ناصح آپ کو مری آشفتگی کی قدر
دل مبتلائے زلف رسا ہو تو جانیئے

گر الفت صنم میں جلا دل جلا کرے
شمع حریم عشق خدا ہو تو جانیئے

اپنے تو کان پھوٹ گئے بلبل کے شور سے
ضامن کی طرح نغمہ سرا ہو تو جانیئے

ہیں اوسکی ادائیں بھی جفائیں بھی نرالی
لو پھر گیا پیار گیا آنکھ چرالی

آنکھوں سے جو اوجھل ہوا وہ چاند سا چہرہ
کھینچا کئے بیٹھے ہوئے تصویر خیالی

اب رہبری دل سے ہے نہ ہے رہزنی خضر
ہے سب سے الگ ہمنے بھی وہ راہ نکالی

دل تیرہ کیئے دیتی ہے زلفوں کی سیاہی
خون آنکھوں سے رواں ہے اون ہونٹوں کی لالی

کر لیتے ہیں خشت خم صہبا ہی پہ سجدہ !
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ اک ہم نے بنالی

۷/۱/۱۳

کب زینت ظاہر ہوئی پیرایۂ باطن
دیتے ہوئے خوشبو نہیں دیکھے گل قالی

کل لائے وہ تشریف یہ دن حق نے دکھایا
جی کھول کے ہم نے بھی خوشی خوب منالی

کیا حور کو واعظ مرے دلدار سے نسبت
موجودہ حسی ہے یہ وہ شبہ مثالی

ق

الفت میں تری کور ہوئے دونوں دل و چشم
انجام کا اب اپنے ہے اللہ ہی والی

ہے اسکی نظر سود پہ سنے اوس کی زباں پر
وہ دیکھنے والا ہے نہ یہ دیکھنے والی

ق

بندش میں نہ ہو جھول نہ الفاظ میں ہو ثقل
اس کا بھی رہے دھیان کہ مضمون ہو عالی

تقلید حبیب اور زباں گھر کی ہو ضائع
کیا لطف ہے اوروں کی اگر طرز اڑالی

لاکھ غم عشق میں ہوں سمجھو کہ راحت ہے یہی
شرط الفت ہے یہی پاس محبت ہے یہی

مے جہاں ملتی ہو اے شیخ وہی جنت ہے
کیونکہ جنت میں بھی سرمایہ عشرت ہے یہی

میں کروں آپ سے شکوہ ستم ناز کا واہ
عین رحمت ہے اگر عشق کی زحمت ہے یہی

بوالہوس چاشنی زخم جگر کیا جانے
پی کے دیکھے تو ذرا مے میں بھی لذت ہے یہی

۱۵/۱/۱۳

خیر پیش آئے گا جو شکر کریں گے اوس پر
تیر انشا، اگر اے شومی قسمت ہے یہی

مجمع عام میں ہے نبت عنب بے پردہ
پوچھیے شیخ سے کیا باعث حرمت ہے یہی

کبھی نا اہل کے آگے نہ جھکاؤ سر عجز
عزت آپ اپنی کرو موجب عزت ہے یہی

پھلجھڑی کوئی نہ کوئی کبھی چھوٹیگی ضرور
اور چندے اگر آہوں کی شرارت ہے یہی

آپ میں مجھ میں عدو کا ہو توسط کیا خوب
ہے یہی بکھیتی میل کی صورت ہے یہی ؟

کیا خبر ہوگی کبھی قدر شرافت ضامن
آج کل تھوڑی سی دولت ہو شرافت ہے یہی

[illegible]

پھر چمن میں بہار آئی ہے
سر میں وحشت کی پھر سمائی ہے

دیکھیں کیا ہو خدا ہی خیر کرے
پھر طبیعت کسی پہ آئی ہے

مستِ الفت ہوں میں گزر اہر
تیرے سر میں بھی کچھ سمائی ہے

میرے سر میں سمائی بن کے خیال
زلف کی بھی عجب رسائی ہے

لو قسم مجھ سے پھر اگر مانگوں
لے کے دل آنکھ کیوں چرائی ہے

حال دل کس طرح کسی سے کہوں
اس نے مجھ کو قسم دلائی ہے

آہ کرنے کی بھی نہیں طاقت
ہائے کب تیری یاد آئی ہے

کہیں وہ سنگ آستاں مل جائے
رات دن شوق جبہہ سائی ہے

لے کے دل تم جواب کرتے ہو
کیا یہی شرط آشنائی ہے؟

چھینے لیتے ہیں دل وہ ضامن کا
حضرت عشق کی دہائی ہے

[illegible]

عشق کی دل نے رہنمائی کی
مجھ سے ظالم نے بیوفائی کی

چشمِ تر کیوں ڈبو دیا دل کو
یہ نہ تھی شرط آشنائی کی

نارسا بخت مدعی درباں
ہائے کیا مشکل ہو رسائی کی

اس نے بھی تیری چال سیکھی ہے
پھر گئی جان لب تک آئی کی

تو نے بھی آہ کچھ اثر نہ کیا
تجھ سے امید تھی رسائی کی

اونسے مل کے بھی حال دل نہ کہا
دیکے دل مفت ہیں ہوئے بدنام

کیا گئی بات ہاتھ آئی کی!
واہ کیا اچھی آشنائی کی

آہ ضامن کی عرش تک پہنچی
لیکن اوس تک نہ کچھ رسائی کی

برباد کیے سیکڑوں گھر تیری جفا نے
بیخود تو کیا اوس نگہہ ہوش ربا نے
بیگانہ وشی دیکھ کے یاروں کی ہے دل سرد
درد جگر اپنا نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
اغیار پھر اغیار ہیں کیا اون کی شکایت
کیوں سنتے وہ ہم غمزدہ عشاق کے حالات
تونے بھی نہ کی کچھ مدد اے جذبۂ الفت
محفل میں تیری آتے ہی دل ہوگیا غائب

غمزہ نے تغافل نے اداؤں نے حیا نے
پھیرے گیا دل کون یہ اللہ ہی جانے
کیا ٹھیک کہ ہونگے کبھی بیگانے یگانے
بخشا ہمیں آرام دوا نے نہ دعا نے
جب آن پڑی پھیر لیا منہ رفقا نے
دلچسپ نہ قصے نہ ولاویز فسانے
گر ضعف نے واں تک نہ دیا تھا مجھے جانے
لا کر ہمیں چھوڑا ہے کہاں راہ نما نے

ضامن سا پُر ارماں بھی نہ دنیا سے کوئی جائے
حسرت جیسے بیٹھی ہوئی روتی ہے سرہانے

ہوش آئے ہوئے رنجش تری کھو دیتی ہے
ناامیدی کو ہے اس طرح کی الفت مجھ سے
اپنی حد سے جو گزر جائے وہ نیکی ہے بدی
مرضی دست عطا جو ہو وہ ہے مانگا پان
مانگنا سہل نہ تھا سمجھے نہ کہ در کا ہے ظرف

یہ ہوا کشتی امید ڈبو دیتی ہے
کہ جدا ہونے کو جب کہئیے تو رو دیتی ہے
کھیتیاں کثرت باراں بھی ڈبو دیتی ہے
لے کے خوش ہوتا ہوں قسمت مجھے جو دیتی ہے
اوسکی رحمت ہے جو مانگا تھا وہ لو دیتی ہے

یاد رکھو ہے بُری جھوٹ کی عادت ضامن
وقعت انسان کی یہ خلق سے کھو دیتی ہے

غزل

کسی کی مہر کا پرتو جو دل کے داغ پہ ہے
گمان شمع تجلی کا اس چراغ پہ ہے

ہرے ہیں داغ دل اشکوں کی آبیاری سے
بہار دیکھئے کیسی ہمارے باغ پہ ہے

بھری ہے کون سی مے تو نے جام میں ساقی
کہ زاہدوں کا بھی دانت آج اس ایاغ پہ ہے

نزولِ رحمت حق ہے قدوم فصلِ بہار
نہ کل تھی باغ پہ رونق جو آج راغ پہ ہے

جفا کا دفتر دل میں ہے داخلہ موجود
مگر شمار ہے مشکل کہ داغ داغ پہ ہے

ہجوم فکر میں فکر سخن ہو کیا ضامن
خموش بیٹھ یہ سب منحصر فراغ پہ ہے

غزل

جو دل کو داغ تو لالہ جو الہ ہو جائے
بہشت کا یہی محضر قبالہ ہو جائے

تم اپنے وعدے کو لو پھیر میرا دل دے دو
معاہدہ کا اسی پہ اقالہ ہو جائے

یوں ہیں فلک ہمیں دیتا رہے جو داغ پہ داغ
بساط قلب و جگر کشت لالہ ہو جائے

سمجھ کے خون جگر ہجر یار میں پی لی
حلال مے ہے اگر استحالہ ہو جائے

ہمارا حال قلم بند گر کرے کوئی
برائے عبرت خلق اک رسالہ ہو جائے

طلسم ٹوٹے جو نیرنگ باغ ہستی کا
سواد دیدۂ دل داغ لالہ ہو جائے

نگاہِ مست سے تو دیکھ لے ادھر قاتل
کہ زخم دل مجھے مے کا پیالہ ہو جائے

تسلیوں سے نہ جائیگا درد دل ہمدم
وہ فکر کر کہ مرض کا ازالہ ہو جائے

وصال یار کبھی گر نصیب ہو ضامن
بلائے ہجر کے منہ کا نوالہ ہو جائے

قطعہ

ستمگر نے تو اب کچھ اور ہی طرز ادا بدلی
ہیں رستے جن کے اعلیٰ وضعداری اونکا جوہر ہے
جو ٹھنڈے ہو گئے تھے اب ہیں کچھ گرما دل انکے
اجازت دی نہ غیرت نے کبھی بیجا تملق کی
نہ ساقی ہے نہ صہبا ہے نہ ساغر ہے نہ مینا ہے
بنی جان پر وصال شاہد مقصد کی خواہش میں

بڑا دہوکا ہوا پہلے سے کیوں شرط وفا بدلی
نہ اک دن بھی فلک نے اپنی رنگکاری قبا بدلی
ہوا تغیر موسم پھیر زمانہ کی ہوا بدلی
پھرا جب اون کا رخ ہم نے زبان مدعا بدلی
ہنیدستان قسمت کو دکھائے سلطنت کیا بدلی
مگر حالت نہ ابتک میری تو نے اے خدا بدلی

دیا دہوکا یہ ہم نے آپ اپنے نفس کو ضامن
لباس خود فروشی سے شرافت کی قبا نکلی

قطعہ

خائف اللہ سے کب اتنا بشر ہوتا ہے
گریہ ہے نخل محبت کی نمو کا باعث
سہل ہے صاحب جوہر کے مقابل ہونا؟
اف ری بالیدگی ذوق وصال دلدار
زندگی خلق میں ہے بے مدد غیر محال

جتنا انسان کو انسان کا ڈر ہوتا ہے
پانی دینے ہی سے سرسبز شجر ہوتا ہے
دن کو نکلے بھی تو بے نور قمر ہوتا ہے
سینہ میں سانس کا مشکل سے گذر ہوتا ہے
ایک کا ایک یہاں دست نگر ہوتا ہے

گھر کریں دل میں اگر نکلی ہوں دل سے ضامن
کیا بنائی ہوئی باتوں میں اثر ہوتا ہے؟

قطعہ

پہلو میں دل ہے جبتک اور دل میں آرزو ہے
سر جب ذرا اٹھایا موجوں نے ٹھونک ڈالا
کہتے ہیں دل کو صوفی یہ گھر ہے کبریا کا
منجملہ گناہ پر ہیں اعمال تیرے زاہد

دنیا کو چھوڑ دیگا ایسا کہاں کا تو ہے
دیکھا حباب کو یہ سرکش کی آبرو ہے
شائد گناہ ہوگا ڈھاتا جو اسکو تو ہے
اس کے عوض تجھے گر جنت کی آرزو ہے

ضامن تری وفا کا اک دن صلہ ملیگا
منصف مزاج بھی ہے وہ گرچہ تند خو ہے

(۱۴۲)

دل میں ہے ترا دھیان کہ شیشہ میں پری ہے
یا قدرت اللہ کی یہ جلوہ گری ہے

درد جگری ہے کبھی سوز جگری ہے
بیمار ترا اب تو چراغ سحری ہے

جو کچھ ہے ہنر ہم میں وہ سب بے ہنری ہے
بس ایک تری ذات معائب سے بری ہے

حیرت ہے کہ یہ داغ کہاں پائے تھے اسنے
جو پارۂ دل ہے وہ عقیق شجری ہے

معراج ہو دل جائے جو کنج انیست
یاں جس کا سہارا ہے وہ بے بال و پری ہے

اک بات میں ٹوٹا ہو دل جوڑ دیا داہ
نازاں دل کو ہے جس پہ وہ یہی شیشہ گری ہے

ہر چند مرے حال کی رکھتے ہیں خبر وہ
لیکن مجھے تا حال وہی بے خبری ہے

اے ابر کرم خشک ہے اک شاخ تمنا
سب خلق کی کھیتی تری رحمت سے ہری ہے

عالم کے لئے ہوگی کشش کی کوئی قوت
نالہ جسے کہتے ہیں اثر سے وہ بری ہے

اے گل کبھی بے صرفہ نہیں نالۂ بلبل
واں سینہ خراشی ہے تو یاں جامہ دری ہے

کیا دفتر عصیاں مرا مالک ترے آگے
رحمت کی نظر چاہیے پھر سب نظری ہے

ضامن اسے کیا روکیں گے یہ پنجۂ مژگاں
اک سیل ہے اشکوں کی جو آنکھوں میں بھری ہے

اگر وجود کمر کا کبھی گماں کرتے
یقیں تھا سوئے عدم وہ ہمیں رواں کرتے

ہوس کو وہ طلب جاہ و منزلت ہے ثقل
ہیں راہزن کو کہیں میر کارواں کہتے

رہ عدم کا مسافر نہ روکنے سے رکا
گئے تھے دوڑ کے ہم بھی کہاں کہاں کرتے

مثال گرد پس کارواں نہ رہ جاتے
رکاب توسن ہمت اگر گراں کرتے

چھپا ہے کب کف سیلاب زیر چادر موج
کہ جوش گریہ میں ہم راز دل نہاں کرتے

خموشی معنئی دارد کہ ناید اندر گفت
کبھی نہ چین ستم پیشہ کو نصیب ہوا
ہمیشہ بار ہے آئینہ پہ امانت عکس
عدم سے آئے تھے ہستی کو پھر چلے ہیں عدم
کیا نہ چارہ رہائی کا دام غفلت سے
جہاں میں ہوتی اگر امن و عافیت کی امید
دہل سکا وصف ہے دے جس قدر صدائے بلند
حریم دل کہ ہے خلوت گہ خیال حبیب
ہزار ضبط کیا سوز عشق چھپ نہ سکا!

مجال تھی کہ ترا وصف ہم بیاں کرتے
صدا گزرتی ہے زنجیر کو فغاں کرتے
جو سادہ لوح تھے کیا اُنکو رازداں کرتے
تجھے تلاش اب اور آگے ہم کہاں کرتے
رہے شکایت بیداد آسماں کرتے
خرید قبر کو ہرگز نہ دے کے جاں کرتے
تہی دماغ نہ کیوں خودستائیاں کرتے
غضب تھا غیر کو لا ہمیں میہماں کرتے
شرار کو نہ خس کسطرح نہاں کرتے

رقیب کو بھی ہیں دعوے بڑے بڑے **ضامن**
مزا تو جب تھا وہ دونوں کا امتحاں کرتے

۵/۳/۶۲

تم سے سوا حسیں کوئی لانا پڑا مجھے
نظارہ باغ حسن میں تھا صرف دست برد
جاں کے لئے تھی گرم تقاضا نگاہ یار
عاجز ہے روح کشمکش حسن و عشق سے
کیوں اذن دیگا ناز قبول نیاز کا
پھونکے نہ آہ خرمن جمعیت حواس
روز سیاہ ہجر میں کھا کھا کے دلپہ داغ
تھا عشق بدگماں کو نہ قاصد پہ اعتبار

اب عالم مثال میں جانا پڑا مجھے
تم کو حریم دل میں چھپانا پڑا مجھے
آخر کو ہاتھ دل سے اُٹھانا پڑا مجھے
قصہ یہ جان دے کے چکانا پڑا مجھے
اے آہ اب دل اُنکا دکھانا پڑا مجھے
اے چشم تر یہ شعلہ بجھانا پڑا مجھے
دن دوپہر چراغ جلانا پڑا مجھے
مجبور ہو کے آپ ہی جانا پڑا مجھے

جو بار اٹھ سکا نہ زمیں آسماں سے
ضامن وہ بار سر پہ اٹھانا پڑا مجھے

درد ہے زخم سے بلا کیا ہے — دل میں اے چارہ گر ترا کیا ہے
صبر ہے چارہ ساز محرومی — اور اس درد کی دوا کیا ہے
اک اشارہ ہے اونکے ابرو کا — برش دشنہ قضا کیا ہے
گر مژگاں تک اشک آ نہ سکے — دل پُر خوں یہ ماجرا کیا ہے
عشق ہے ایک برق عالم سوز — خرمن آرزو بھلا کیا ہے
کوئی آفت کوئی بلا کوئی قہر — عشوہ کیا غمزہ کیا ادا کیا ہے
معنی بخت خفتہ و بیدار — جنبش چشم فتنہ زا کیا ہے
ہے یہ ہوش و خرد کو راہ عدم — نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
تیرے وحشی کی یہ بھی ہے ہمدرد — اور زنجیر کی صدا کیا ہے
سوز دل ہے زباں پہ صورت شمع — کیا کہوں اور مدعا کیا ہے
بسمل تیغ ناز سے پوچھو — لذت زخم دلکشا کیا ہے

ہم سے اس کو نہ پوچھیے ضامن
درد کیسا ہے اور دوا کیا ہے

تمہیں نذر دیں کیا کچھ بھی نہیں ہے — پہلو میں دل ہی باقی نہیں ہے
کڑھب راہ ہے یہ سیدھی نہیں ہے — کریں عشق اب وہ دل بھی نہیں ہے
گواہ محبت کوئی نہیں ہے — تھا اک داغ دل اب وہ بھی نہیں ہے
ستاؤ نہ مجھ کو غیروں کے آگے — غریبوں سے یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے
برہم ہوئیں کیوں زلفیں تمھاری — مری آہ ہے یہ آندھی نہیں ہے
قیامت کا ہے طول فرقت کی شب کا — کسی طرح ظالم گھٹتی نہیں ہے
بھلا اس نشاط بیجا سے حاصل — ہوا ہے چمن ہے ساقی نہیں ہے
کروں ترک کیونکر الفت بتوں کی — لگی دل کی ناصح بجھتی نہیں ہے

بُرے وقت میں سب احباب چھوٹے
جہاں میں کسی کا کوئی نہیں ہے

گیا کیا ہے ضامنؔ باز آؤ اب بھی
محبت بتوں سے اچھی نہیں ہے

(الم ۱۶)

تیکھی چتونوں سے تو شمشیر ہی اچھی تھی مجھے
اس عنایت سے وہ تقدیر ہی اچھی تھی مجھے

ہر قدم پہ ہے جنوں خضر بیاباں بلا
عشق میں زحمت زنجیر ہی اچھی تھی مجھے

کیا کہوں ایسی حیا کو نہ ملا لطف وصال
آپ سے آپ کی تصویر ہی اچھی تھی مجھے

دیکھ لی نالوں کی تاثیر بھی رسوائی میں
حسرت آہ گلوگیر ہی اچھی تھی مجھے

اینت بھی لیا درد کا درماں نہ ملا
چارہ فرماؤں کی تقصیر ہی اچھی تھی مجھے

دوستو نالہ شبگیر کی دمساز تو ہے
کیوں رہا کرتے ہو زنجیر ہی اچھی تھی مجھے

کیوں حریف ستم ناز ہے افسوں نہ بنا
پیر تھی بت بے پیر ہی اچھی تھی مجھے

ناز سے مل کے حیا اور غضب ڈھانے لگی
عذر تقصیر سے تقصیر ہی اچھی تھی مجھے

غیر کا ذلہ کش خوان کرم کیوں بنتا
کاسہ گردانی تقدیر ہی اچھی تھی مجھے

حسرت وعدہ وفائی تو نہ رہتی ضامنؔ
جان کے دینے میں تاخیر ہی اچھی تھی مجھے

(الم ۱۵)

درد بے درماں سے مرگ ناگہانی خوب ہے
خار بدنامی سے تیغ اصفہانی خوب ہے

وہ حیات خضر کا باعث یہ اک عالم کی جان
آب حیواں سے تو آب آسمانی خوب ہے

ہم کو یہ دیں تسلسل دیکھئے پہنچے کہاں
حکمرانی کر چکے پھر گلہ بانی خوب ہے

بحث کرنی چاہوں سے ہے حماقت کی دلیل
سعی استدلال سے یاں بے زبانی خوب ہے

پہلے ملنا مل کے پھر تم سے بچھڑنا ہے ستم
وصل بکر دزدہ سے ہجر جاودانی خوب ہے

نزد بان ہمت عالی ہو گر لا تقنطوا
رنج حسرت سے امید کامرانی خوب ہے

جھوٹے افسانوں سے واعظ دل بہلتا ہی نہیں
تم ہیں مانا قوت معجز بیانی خوب ہے

پہلی کوشش میں ہو ناکامی تو کوشش کو نہ چھوڑ
نقش اول گر برائے نقش ثانی خوب ہے

قوم سے امید عبرت گو نہیں ضامن مگر
دل کے بہلانے کو ذکر باستانی خوب ہے

آج ہم بھی طپش دل کا اثر دیکھیں گے
ان کا گھر دیکھیں گے یا موت کا گھر دیکھیں گے

پیش آئے گا جو کچھ نفع و ضرر دیکھیں گے
نہ ترے در کے سوا غیر کا در دیکھیں گے

اب تو ہیں وادی غربت میں گرفتار بلا
پھر دکھائے گا خدا اگر کبھی گھر دیکھیں گے

ہاں ادھر بھی تو بڑھا دست کرم اے ساقی
کیا یونہیں منہ ترا ہم دست نگر دیکھیں گے

قصر دلدار کا اس شوق میں کرتے ہیں طواف
نظر آیا نہ ادھر گر تو ادھر دیکھیں گے

تو سہی نار جہنم کو بجھا دیں واعظ
آپ اس دامن تر کا بھی اثر دیکھیں گے

خوب اے دیدۂ تر تجھ کو دعائیں دیں گے
آکے احباب کسی دن جو یہ گھر دیکھیں گے

کچھ دنوں اور رہی گر یہی آشفتہ سری
قید یا وادی پر خار و خطر دیکھیں گے

عشق میں حد سے گزر جائے گی جب بے خبری
ان کو کیونکر نہیں ہوتی ہے خبر دیکھیں گے

دل پر سوز کی آہوں سے خطر لازم ہے
ہے دھواں آج کل آپ ان میں شرر دیکھیں گے

ضامن اچھا نہیں انجام محبت لیکن
تیرے نزدیک مناسب ہے تو کر دیکھیں گے

بیٹھے ہیں دل میں حسرت و ارماں بھرے ہوئے
قطرہ میں بحر بحر میں طوفاں بھرے ہوئے

آہنگ ساز دہر کی ملتی ہے لے کہیں
نالوں سے نے ہیں نے سے نیستاں بھرے ہوئے

نظارہ ہو نصیب تو ان پہ کریں نثار — ہیں موتیوں سے پنجۂ مژگاں بھرے ہوئے
شکر رضائے حق ہیں ریاضت کا پھل ملا — ملتے گل مراد سے داماں بھرے ہوئے
تنگ آ گیا ہوں اپنے ستم دوست دل سے میں — کیا کیا جفاکشی کے ہیں ارماں بھرے ہوئے
ویران دل کے داغوں کی گنتی نہ پوچھیئے — ذروں سے جسطرح ہوں بیاباں بھرے ہوئے
غواص کیمیا ہے تو عنقا ہے جو ہر کی — مانا کہ موتیوں سے ہیں عماں بھرے ہوئے
ملنے لگا ہے سوزش زخم جگر میں لطف — رکھے ہیں آس پاس نمکداں بھرے ہوئے
یوں شام وصل دل میں ہے ارمانوں کا ہجوم — شادی کے گھر میں جیسے ہوں مہماں بھرے ہوئے
دیتا ہے کس کو بادہ کوثر کی چاٹ شیخ — رندوں کے دل ہیں مرد مسلماں بھرے ہوئے

۱۴/۳/۲

گو خوف محتسب سے نہ پی ہو کبھی شراب
ضامن کے دل میں بھی ہیں سب ارماں بھرے ہوئے

دیکھئیے ہم سے آ لنسے جب نت نئی چھیڑ چھاڑ ہے — ہے یہ عجیب دل کی میل میں بھی بگاڑ ہے
گھیرے سے ہے عرش و فرش کو تیرگی شب فراق — کاٹے کٹے گا کس طرح یہ تو بڑا پہاڑ ہے
پیارے پیار کس لئے غیر سے بیر کیا ضرور — اپنے ہی عنصروں میں جب روز نیا بگاڑ ہے
بیم و رجا و ذوق و شوق یاس نے دل سے کھو دیے — کل جو بھرا پرا تھا شہر آج وہی اجاڑ ہے

۱۹/۳/۲

ضامن و شیخ پارسا دونوں ہیں بندہ ہوا
جامہ ورع سے مگر دھوکے کی ٹٹی آڑ ہے

گنوا کے دل کو تہیدست تیرے در سے پھرے — گئے تھے گھر سے خبردار بےخبر سے پھرے
یہ انقلاب جہاں کیوں نہ خون رلوائے — ذلیل ہو گئے ہنرمند بےہنر سے پھرے
بڑا ہجوم ہے واں شوق کی نگاہوں سے — کدھر سے جائے کوئی جا کے پھر کدھر سے پھرے

اٹھا آئے بزم سے دیکھی جو بیرخی اون کی
کسی کے خوف سے پلٹے کسی کے ڈر سے پھرے

پہنچ ہوئی نہ وہاں تک اسی امید میں ہم
خود اپنے خط کو لئے آپ نامہ بر سے پھرے

دیار عشق کی کہدیں گے دوستو حالات
اگر صحیح و سلامت ہم اس سفر سے پھرے

بہار آئی گئی ہم کو حبط ملا نہ کوئی
کہ باغ دہر میں مرغ شکستہ پر سے پھرے

ق
عزیز چھوڑ دیں بھائی سے بھائی چھٹ جائے
پسر پدر کا نہ ہو یا پدر پسر سے پھرے

پھریں رفیق مقدر پھرے جہاں پھر جائے
یہ سب قبول ہے لیکن نہ تو شر سے پھرے

ترے کرم سے ہوں وابستہ جسکی امید یں
کہاں وہ جائے جو مایوس تیرے در سے پھرے

ترے خیال سے دل میں کہاں تھی گنجائش
وہ آہ بن گئے جو اشک چشم تر سے پھرے

نظر نہ آیا کسی جا وہ مہروش ضامن
اسی خیال میں ہم شام تک سحر سے پھرے

لٹا سے باغباں گل بھی ثمر بھی!
رہے آباد گلشن کچھ ادھر بھی

عدو ایمان کی دل کی جگر کی
ادا بھی ہے حیا بھی ہے نظر بھی

جلاکر دل نہ ہو اسدرجہ نخوت
کہ خاکستر میں پنہاں ہیں شرر بھی

ق
کہاں ہے او طبیب درد فرقت
بُری ہوتی ہے غفلت اسقدر بھی

نہیں ملتی ترے بیمار کی نبض
ہراساں دوست بھی ہیں چارہ گر بھی

ق
عبث ہے دعوے ہمتائے غیر
ادھر ہے زور بھی زر بھی ہنر بھی

ادھر ہے ضعف و افلاس جہالت
مخالف ہے سپہر فتنہ گر بھی!

کہاں تک داستان پاستانی
ارے غافل جو کرنا ہو وہ کر بھی

پسیجیں دل تو رندونکے بہت کچھ
تری باتوں میں ہو واعظ اثر بھی

گنہگار دل ہی کو رحمت کی ہے آس
جو ڈرتے ہیں وہی ہیں کچھ نڈر بھی

بہت دیکھے ہیں ایسے ناز و انداز
ارے او پردہ والے دیکھ ادھر بھی

نہ چھوٹے ہاتھ سے دامان تسلیم
سہے جاؤ مصیبت بھی ضرر بھی

نہیں آسان ضامنؔ دل لگانا
لگا دیتے ہیں اس بازی میں سر بھی

۱۳۱۹ھ

طریق عشق میں کیا رہبر کامل کو ڈھونڈینگے
ہمیں بھی دل گنوانا ہے کسی بیدل کو ڈھونڈینگے

بساط دشت آباد جہاں طے کیجیے کیونکر
نئی راہیں نظر آئیں گی جب منزل کو ڈھونڈینگے

بچو ان سے ہیں آفت تیغ ابرو ناوک مژگاں
خبر لے گی جگر کی یہ اگر وہ دل کو ڈھونڈینگے

دیار عشق میں کیا کام ہے اہل فسردوں کا
ملیں گے لاکھ دیوانے جو اک عاقل کو ڈھونڈینگے

تڑپ کر کہتی ہے برق فنا یہ ہر گھڑی مجھسے
جلا دونگی میں خرمن آپ گر حاصل کو ڈھونڈینگے

امین راز الفت کون ہو سکتا ہے عالم میں
ہمیں نکلیں گے گر اس بار کے حامل کو ڈھونڈینگے

نظر آتا ہے وہ دشت فنا میں کچھ غبار ایسا
چلو اس کارواں میں عمر مستعجل کو ڈھونڈینگے

مقرر ہے کوئی شیرازہ بند دفتر امکاں
پریشاں دل دکھا دینگے اسی کامل کو ڈھونڈینگے

حباب آسا محیط عشق میں ہے ہست و بود اپنی
غریق بحر غم کیا عیش کے ساحل کو ڈھونڈینگے

دکھا دونگا اثر اگر ان انہیں جذب محبت کا
مرے پہلو میں پائینگے جو اپنے دل کو ڈھونڈینگے

فنا میں سالک راہ وفا کی ہے بقا مضمر
برنگ موج گرتے پڑتے اس منزل کو ڈھونڈینگے

شہید ناز جنت میں اگر بھیجے گئے ضامنؔ
یقیں ہے ہم وہاں بھی کوچۂ قاتل کو ڈھونڈینگے

تیغ براں اور ہے ابروئے قاتل اور ہے
دشمن جاں اور ہے غارت گر دل اور ہے

مرغ بسمل اور ہے یہ قلب بسمل اور ہے
نیم جانی اور ہے بیتابی دل اور ہے

کب حقیقت کو مٹا سکتی ہے رسم بے اصول
اور ہے تقلید ایماں وہم باطل اور ہے

اک نگاہ ناز کی قیمت کہاں تک دے کوئی
ناگوار اسکی کھٹک اسکی خلش سوہان روح
داغ سودا ہے جدا خال رخ روشن جدا
دیکھے دونوں دیکھیں گے اوسکا مذاق انتخاب
خوب کشت آرزو کو دیکھ لے برق نگاہ

۱۲۱۸

لے کے دل کہتے ہیں وہ کچھ میرا فاضل اور ہے
اور ہے خار مغیلاں حسرت دل اور ہے
نجم رخشاں اور ہے الفت کا حاصل اور ہے
جنس ایماں اور ہے حسرت بھرا دل اور ہے
یہ نہ رہ جائے گماں انکو کہ حاصل اور ہے

دل لگی ہی دل لگی میں تیوریاں چڑھنے لگیں
اٹھ چلو اب یاں سے ضامن رنگ محفل اور ہے

ترقی درد کی تھے چارہ گر بھی دیکھتے جاتے
کوئی یاں ہے تمھارا ہم سفر بھی دیکھتے جاتے
خزف ریزوں ہی میں ملجاتے لعل بے بہا انکو
خطا سے نکتہ چینوں نے بچایا اونکا احساں ہے
یہ حسرت لیچلے تخم محبت بو کے ہم دل میں
گذر ممکن نہ ہوتا دشت پر خار محبت سے
تمھاری تیغ کا پھل رکھیا ہے لوٹ کر دل میں
انہیں سمجھاؤں کیونکر جو مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں
رہے شائد تمہیں کچھ دھیان ہنتائی فرقت کا
ستم کرتی ہے دیکھیں کیا اون آنکھوں کی فسونکاری
زباں پر حرف رخصت لا کے دم بھر تو ٹھہرنا تھا
ترے جلوے کے آگے بھول جاتے بلور کا جلوہ
شکایت کچھ نہیں برباد کی مٹی جو عاشق کی!
بہت اچھا کیا پھر آسے ضامن راہ الفت سے

۱۲۱۸

مداوا چھوڑتے کیوں گر اثر بھی دیکھتے جاتے
ذرا اے قافلے والو ادھر بھی دیکھتے جاتے
مگر انصاف سے اہل نظر بھی دیکھتے جاتے
ہنر کے دیکھنے والے ہنر بھی دیکھتے جاتے
کہ نخل آرزو کو بارور بھی دیکھتے جاتے
جو ہم اس راہ میں نفع و ضرر بھی دیکھتے جاتے
مرے باغ وفا کا یہ ثمر بھی دیکھتے جاتے
یہی جلوہ تھا بیشک طور پر بھی دیکھتے جاتے
دم رخصت مرے قلب و جگر بھی دیکھتے جاتے
نظر دل پر بھی ہے اور ہاں جگر بھی دیکھتے جاتے
دعائیں کیسے ساتھ آہوں میں شرر بھی دیکھتے جاتے
پلٹتے وقت گر مڑ کے ادھر بھی دیکھتے جاتے
مگر اوج غبار منتشر دیکھتے جاتے
وگرنہ ہر قدم پر یاں خطر بھی دیکھتے جاتے

ہم تو جاتے تھے اٹھا درد جگر بیٹھ گئے
کبھی رونے کو جو ہم تفتہ جگر بیٹھ گئے
دمِ رخصت انہیں پہنچانے کو اٹھے تھے مگر
تیری آنکھوں میں وہ جادو تھا کہ دل تھام کے لو
ایسے وقت آئے کہ ہم کر نہ سکے استقبال
صورتِ نقشِ قدم مٹ کے اٹھیں گے اک دن
کرتے کیا اٹھ گیا جب جنسِ ہنر کا بازار
ڈھونڈھتے سے نہ ملا منزلِ مقصد کا پتہ

کیا ہوا در پہ تمہارے ہی اگر بیٹھ گئے
بستیاں ڈوب گئیں سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
تھام کر ہاتھوں سے ناچار جگر بیٹھ گئے
کچھ ادہر لوٹ گئے اور کچھ ادہر بیٹھ گئے
جی کڑا کر کے تو اٹھے تھے مگر بیٹھ گئے
اب تو کوچہ میں ترے خاک بسر بیٹھ گئے
توڑ کر پائے ہنر اہلِ ہنر بیٹھ گئے
تھک کے آخر کو سر رہگذر بیٹھ گئے

ہم بھی ضامنؔ ہوئے تھے چشمِ فسونگر کے حریف
قلب پر آکے لگا تیرِ نظر بیٹھ گئے

کیا کام غمزدوں کو ترے سیرِ باغ سے
روشن ہے بزمِ حسن مرے دل کے داغ سے
جو دل لگا چکے ہیں کسی رشکِ گل کیا تھے
اب کچھ اوسی طرف سے کشش ہو تو ہو وے
دل میں ہے عشقِ چشمِ حسیناں کی یوں نمود
سودا ہوا ہے دل کو حسینوں کی زلف کا
پوچھیں۔ پھر اوس سے حالتِ حسن و جمالِ گل
ہرگز نہیں ہے دامنِ دل میں بہار داغ
ڈھونڈھے ہے کہاں وہ جا کے ملیں کس طرح سے ہم
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں"
واعظ جو تم سے کہتا ہے ضامنؔ وہ مان لو

پہلو ہے لالہ زار دلِ داغ داغ سے
زینت ہے بتکدہ کی حرم کے چراغ سے
بدتر ہے باغ اونکی نگاہوں میں راغ سے
مایوس ہو کے بیٹھے ہیں ہم تو سراغ سے
جس طرح چھلکے رنگ مئے ناب ایاغ سے
یہ گھر سیاہ ہو گیا دودِ چراغ سے
بلبل جو ہو کے آئے ترے خانہ باغ سے
لایا ہوں پھول چن کے محبت کے باغ سے
لاغر ہوئے ہیں ایسے کہ ہیں بے سراغ سے
کیا چپکے چپکے کہتا ہے شیشہ ایاغ سے
جانے دو بحث کرتے ہو کس بد دماغ سے

جوعرش قناعت پہ ہیں عالی نظری سے ۔ بیدل نہ کبھی ہونگے وہ بے بال پری سے
سردے کے بھی راحت نہیں سوز جگری سے ۔ حاصل ہوا کیا شمع کو اس تاج زری سے
کم کر دیا اشکوں نے مرے شوخ کا غصہ ۔ یا دھوپ خشک ہوگئی شبنم کی تری سے
اے چرخ ہے کیوں درپئے آزار خلائق ۔ چکر ہے ترے سر میں اسی فتنہ گری سے
جاتے ہوئے جلتے ہیں پہ طائر ادراک ۔ خارج ہے حقیقت تری فہم بشری سے
گرمی سے اسی کی ہے ہری کشت محبت ۔ ہے فائدہ خورشید کا داغ جگری سے
ثابت نہ رہا حضرت یوسف کا بھی دامن ۔ اے عشق بچا کون تری پردہ دری سے
ہستی جسے کہتے ہیں نمونہ ہے عدم کا ۔ ثابت یہ ہوا یار کی نازک کمری سے
سو بار بیاباں کو نہ چمکی برق تجلی ۔ لیکن ہمیں فرصت ہی نہیں بے خبری سے
کب روح کو ہے بار علائق کا تحمل ۔ مزدور کا لو کام نہ اس رہگزری سے
کب فائدہ دیتی ہے حقیقت کا بناوٹ ۔ پھل کس کو ملا نخل عقیق شجری سے

ہے الفت ابرو میں تمنا یہی ضامن
سیراب ہوں آب دم خنجر کی تری سے

حسن کلام خود مرے دعوے پہ دال ہے ۔ طبع بلند مطلع مہر کمال ہے
مایوس دل نمونۂ دشت قتال ہے ۔ اس سرزمیں پہ خون تمنا حلال ہے
مانا گنہگار مرا بال بال ہے ۔ وہ صاحب کرم بھی ہے جو ذوالجلال ہے
سودائے مال ہے کبھی فکر مآل ہے ۔ اس کشمکش سے دل کی رہائی محال ہے
ہر دم دکھاتا رہتا ہے شکلیں نئی نئی ۔ دور زمانہ گردش چاک کلال ہے
دھوتی ہے دل سے رندوں کے زنگ اشتغال ۔ جام جہاں نما انہیں جام سفال ہے
زاہد جو پائے رحمت حق درمیاں ہوا ۔ پھر امتیاز آپ میں ہم میں محال ہے
جلوت میں دل فریب ہے جو ہے ترا جمال ۔ خلوت میں جو انہیں ہے ترا خیال ہے

۱۳۱۸

ہے ہر حسیں کا ایک نہ اک دل میں گھر ضرور
زنداں میں ہے اسیر جو یوسف جمال ہے

مست شرابِ عشق ہیں صوفی بھی رند بھی
لفظی فقط تفاوتِ مستی و حال ہے

گردابِ مد و جزرِ محیطِ امید و بیم
تارِ نگاہِ چشمِ تصور کا جال ہے

گر ہم نہ ہوں تو کون کرے قدر حسن کی
گرمیٔ عشق غازۂ روئے جمال ہے

پروا ہو کیا کسی کی یہ ہے بزمِ حسن و عشق
ہر بستہ ریش کشتۂ شمعِ جمال ہے

موسیٰ نہیں نہ وادیِ ایمن ہے بزمِ وصل
پنہاں عبث نقاب میں شمعِ جمال ہے

منہ پھیر دینگی تازہ حوادث کی آندھیاں
جمنا قدم کا دشتِ ہوس میں محال ہے

نیرنگیٔ طلسم ہے کیفیتِ وجود!
عالم بساطِ خم کدہ احتمال ہے

ضامن یہ دل تو کیا ہے جو دیدو گے جان بھی
ہوگی نہ اون کو قدر کہ مفلس کا مال ہے

۱۳۱۸

فنا کے پردے میں ہم کو نظر شکلِ بقا آئی
حیاتِ جاوداں بن کر محبت میں قضا آئی

کسی کے سامنے کیا ہاتھ پھیلائے گدا تیرے
ہوس کا تذکرہ سنکر توکل کو حیا آئی!

تمنائی کو تیرے کیا تمنا ہو کسی شے کی
نسیمِ عشق شمعِ آرزو کو جا کر بجھا آئی!

مٹا نسکے کبھی قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا
ازل کے دن سے مایوس اثر ہو کر دعا آئی

بہت کچھ علت و معلول کے قصہ نے سر کھینچا
ہر اک پردے میں قدرت اسکی نیرنگی دکھا آئی

خدا جانے گئے کب وہ مجھے کب دم بچا لیکن
شکستِ آرزو کی دل دھڑکنے میں صدا آئی

پلادے اور اک جامِ شرابِ بیخودی ساقی
کہ پھر کانوں میں سمتِ دل سے آوازِ انا آئی

بنے زنجیرِ غم وحشت بلا میں پانوں کے چکر
ترے وحشی کو جبدم یادِ زلفِ مشک سا آئی

بیانِ عشق کو پیغامبر کی کچھ نہیں حاجت
نگاہِ شوق خود قصہ مرا اونکو سنا آئی

ہنسے کیونکر نہ بیداری مری غفلت پہ اے ضامن
مصیبت خواب میں بھی دیو بن کر بارہا آئی

بے تکلف ہوش اے دل آہ سے | راز کہتا ہے کوئی بدخواہ سے
دب کے پھر ابھری ہے دل کی آرزو | ڈوب کر نکلا ہے یوسف چاہ سے
گر نہ ہو پیکاں تو ہے بیکار تیر | درد کا پہلو نہ چھوٹے آہ سے
سب کو منہ مانگی مرادیں مل گئیں | ہم پھرے خالی تری درگاہ سے
وادی ایمن ہے دامان خیال | لو لگی ہے ایک رشک ماہ سے
صورت ظاہر پہ رندوں کی نہ جاؤ | ہیں یہ سب مردان حق آگاہ سے
کس کی یاد آئی تھی سمجھانے مجھے | پھیر لائی جو عدم کی راہ سے
نقش پا پر مدتوں آنکھیں ملیں | پھول چن لائے کسی کی راہ سے
ساقیا اب خون دل بھی ہو چکا | کیا عجب خمیازہ بدلے آہ سے
آج ہے بیتاب آنکھوں میں نگاہ | یہ پھری کس کی تجلی گاہ سے
ہوشیار اے دل چراغ داغ عشق | گل نہ ہو جائے ہوائے آہ سے
مشغلہ ہے میرے دل میں انکی یاد | بت نکالے کس نے بیت اللہ سے؟
شہسواری دیکھنا جائے غبار | حسرتیں اٹھتی ہیں ان کی راہ سے
ذرہ ذرہ کوچۂ دلدار کا | چشمکیں کرتا ہے مہر و ماہ سے
گھر جفا کا بیٹھ جائے تو سہی | رو کے اٹھتا ہوں تمہاری راہ سے

یاد میں اک بت کی ہم ہیں روز و شب
لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

محشر میں نکلے ان کے خریدار اور بھی | سودا گراں ہوا سر بازار اور بھی!
لیکر جو وعدہ کرتا ہوں اصرار اور بھی | دیتا ہے لطف یار کا انکار اور بھی!
دل میں کچھ آرزو نہیں ہے اے یار اور بھی | اللہ اک نگاہ فسوں کار اور بھی!
تم کو نہیں پسند مرا دل تو پھیر دو! | اس کے جہان میں ہیں خریدار اور بھی

۱۹۱۳ء

موسیٰ کی طرح ایک ہی جلوہ میں ہو ج غش
نکلیں گے ایسے طالب دیدار اور بھی

اٹھنے سے صرف بزم میں محشر بپا ہوا
فتنے اٹھائے گی تری رفتار اور بھی

بس لیتے تھے جفائیں تغافل کو کیا کریں
اس نے تو جان سے کیا بیزار اور بھی

فرصت جنوں میں جیب و گریباں سے ہو چکی
باقی ہے ایک دامن کہسار اور بھی

ہم بھی منانے والے ہیں اس سکیدہ کی خیر
ساقی کوئی تو ساغر سرشار اور بھی

جب ہے ترے سکوت میں جادو بھرا ہوا
کیوں دلفریب ہوگی نہ گفتار اور بھی!

نیساں کو ہے بہت گہر افشانیوں پہ ناز
چھینٹا کوئی تو دیدۂ خونبار اور بھی!

ہے بسملوں کی گرمیٔ گستاخی ہوس
چمکے گی ایک روز وہ تلوار اور بھی

بسمل جگر کو دیکھ کہ دل کیوں ٹھہر گیا
قاتل ادا کی تیغ کا اک وار اور بھی

سودائے زلف میں ہوئے روشن جگر کے داغ
چمکے ستارے پاکے شب تار اور بھی

ضامن اسی طرح جو رہیں بیقراریاں
رسوا کرے گی حسرتِ دیدار اور بھی

۱۹۱۶ء

بندہ ہوں عشق کا نہ سہی بت خدا سہی
آئینہ مجاز حقیقت نما سہی

کوئے بتاں سے خلد کی نسبت بجا سہی
پہلے جو دل تو خیر یہی تذکرہ سہی!

کرنی تھی دل کو پہلے ہی آزاد یونکی قدر
چندے اسیرِ حلقۂ زلفِ رسا سہی

آنکھوں کو اتنی مشق تصور نہیں ابھی
دل کلفتِ فراق سے ناآشنا سہی

کیا آشنائے بحر وفا کو غم شکست
ہستی مری حباب محیطِ فنا سہی

ان میں سے ہے کسی نہ کسی پر ہمارا خون
تیر نگاہ گر نہیں تیغ ادا سہی!

رشک مسیح جان کے کہتے تھے حال دل
گر تم گلہ سمجھتے ہو اس کو گلہ سہی

پابند خضر کے نہیں ہم کوئے عشق میں
مطلب ہے راہبر سے دل مبتلا سہی

ملنے سے تمکنت انھیں مانع ہے کیا کریں
دل مائل تلافی جور و جفا سہی

کچھ شیخ شہر سے نہیں کم پیر مے فروش
بیعت سے واسطہ ہے کوئی سلسلہ سہی!

یارب نجات دے خلش انتظار سے
قاصد تو اب نہ آئیگا پیک قضا سہی!

تار نظر ہو رشک رگ ابر آذری
اے حسرت نظارہ یہی سلسلہ سہی!

کھل جائے گا کہ عشق میں ثابت قدم ہے کون
لو امتحان ہیں نہ سہی دوسرا سہی!

طوفان تند باد حوادث کہاں نہیں
اک دل تھا وہ بھی سورد رنج و بلا سہی

ضامن دل بخیل نہیں عرصۂ خیال
پھر اب کے آزمایش طبع رسا سہی

تڑپائے جائیے مجھے کوئی ادا سہی
چلمن نہیں تو رخ پہ نقاب حیا سہی

ناکامیاں شراع توکل کشا سہی
کشتی آرزو کی یہی ناخدا سہی!

اڑ کر ہوا سے آہ میں پہنچیں گے انکے پاس
دربان جو روکتے ہیں تو یہ راستہ سہی

لو بیڑیاں پہنتے ہیں اب یاد زلف میں
درپردہ ارتباط کا یہ سلسلہ سہی!

نالوں کے ساتھ ساتھ جگر منہ کو آگیا
اس پر بھی نارسا ہیں تو ہوں نارسا سہی

دیوانگی ہے ساز سیہ مستی ہوس
موج شراب گر نہیں موج ہوا سہی

خوف خدا کے ساتھ ہے اپنے کیے کی شرم
در میکدہ کا مشکل در توبہ وا سہی!

دل کھلتے کھلتے زلف کے سودے رنگ لائیگا
موج خرام ناز ہی زنجیر پا سہی

بدنام ہوگئے کرکے تمنا کا خون تمہیں
دل میرا کعبہ گر نہ سہی کربلا سہی!

دست سوال جیب قناعت ہی میں رہے
کیا فرق ہے ہوس نہ سہی مدعا سہی

کانوں میں آرہی ہے صدائے شکست دل
مطرب نہ چھیڑ ساز طرب جانفزا سہی

دشوار ہے کہ دل سے بھلا دوں ہوائے زلف
کلک خیال حلیہ نویس بلا سہی!

دل شہر آرزو تھا وہی جب اجڑ گیا
سینہ وفور داغ سے بستان سرا سہی

ایدل اب اس قدر بھی تحمل نہ چاہیئے
جیسی وہ جانتے لگے اتنی جفا سہی

آئینہ قدم ہے یہ سرچشمۂ حدوث! ہستی ہماری جلوۂ برقِ فنا سہی
امیدوار ہم بھی ہیں دے کچھ تو اے خدا گر مدعا نہیں دلِ بے مدعا سہی

کس کو بھلے برے کی پرکھ ہے جسے دکھائیں
ضامن یہ پارہ ہائے جگر بے بہا سہی

(الف ۱۶)

یا خدا خیر ہو پھر کوئی بلا آتی ہے دیر سے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
مجھ کو آتی ہے خطا تجھ کو عطا آتی ہے اپنے کردار سے معبود حیا آتی ہے
ڈر ہے محشر نہ بپا کر دے کہیں چال تری موجِ رفتار ہے یا سیلِ فنا آتی ہے
جا نکلتی ہے جدھر گلشنِ رحمت کی نسیم عطر سے دامنِ امید بسا آتی ہے
یار سے کون کہے حالِ پریشانیِ دل کان تک جا کے مگر زلف سنا آتی ہے
ابتدا میں یہ جفا ہے عوضِ مہر و وفا دلبری خوب تمہیں نام خدا آتی ہے
مجھ پہ یوں آتی ہیں فرقت میں بلائیں جیسے کھا کے بل تا بہ کمر زلفِ رسا آتی ہے
دیکھ کر اشکِ ندامت مرے جوش آ ہی گیا جھومتی رحمتِ باری کی گھٹا آتی ہے
مثلِ پروانہ رہِ عشق میں ہے گرم روی شمعِ محفل میں تری آبلہ پا آتی ہے
نورِ الفت سے نہ کیوں قلب صفا پیدا ہو پرتوِ مہر سے پتھر میں جلا آتی ہے

حاصلِ کشتِ امل پر نہ ہو نازاں ضامن
دیکھ وہ برقِ شرربار فنا آتی ہے

فسوں کسی کے نہ آگے تری ادا کے چلے کلیم بھی ارنی کہہ کے نُک اٹھا کے چلے
توان و تاب دل و دیں شکیب و صبر و قرار تمہاری راہ میں جو کچھ تھا سب گنوا کے چلے
طریقِ عشق میں ثابت قدم ہمیں نکلے خضر بھی دور ہی سے راستہ بتا کے چلے

اٹھے جو پاس سے عاشق کا دل بٹھا کے اٹھے
چلے جو ناز سے اک حشر وہ اٹھا کے چلے

ہمیشہ رکھتی ہے نخوت اوسے پریشاں حال
جو بوئے گل کی طرح دوش پر ہوا کے چلے

رہ طلب میں نہ جمنے دیا ہوس نے قدم
چلے تو مست کے مانند ڈگمگا کے چلے

جگا سکے نہ مرے بخت خفتہ کو وہ بھی!
ہزار فتنۂ خوابیدہ جو جگا کے چلے

ہمارے دل کو مزار امید سمجھے تھے
کہ داغ ہجر کے پھول اس پہ تم چڑھا کے چلے

نقاب رخ سے ہٹا کر دکھا دیا جادو
چراغ خانۂ امید ہیں جلا کے چلے

نگاہ لڑتے ہی دونوں تھے بیخودے عشق
میں لڑکھڑا کے گرا اور وہ ڈگمگا کے چلے

ہوا ہے صبح شب وصل دل میں غم کا ہجوم
اس اجڑے شہر میں بستی نئی بسا کے چلے

کہاں دماغ جو فکر غزل کریں ضامن
یہ عام راہ ہے کب تک کوئی بچا کے چلے

وہ بت سفاک بھی دشمن تھا چرخ پیر بھی
ہے قیامت پر قیامت پھر گئی تقدیر بھی

ایک مرنا رہ گیا ہے ہجر میں سب کر چکے
نالہائے بے اثر بھی آہ بے تاثیر بھی

چھید کر دل کو ہوا آخر جگر کے آر پار
کس بلا کا توڑ رکھتا ہے نظر کا تیر بھی

ق

یاد ہیں وہ دن کہ تھے ہم فخر اقوام و ملل
بخت جب سیدھا تھا بن پڑتی تھی ہر تدبیر بھی

پاس دولت تھی حکومت تھی ہنر تھا علم تھا
تھے نہ ہم ایسے سدا دنیا میں بے توقیر بھی

بو علی بھی ہم میں تھا طوسی بھی تھا رازی بھی تھا
ہم میں بابر بھی تھا اکبر بھی تھا عالمگیر بھی

پڑ گئے غفلت کے پردے جب سے چشم عقل پر
چھن گئے طبل و علم بھی ہم سے اور شمشیر بھی

رہ گیا کوئی کمال اب ہم میں باقی اور نہ مال
دیکھ کر تدبیر الٹی پھر گئی تقدیر بھی

یہ کشاکش ہے جو نالوں کی نکل جائیگا دم
ایکدن ہو جائیگا سیدھا یہ چرخ پیر بھی

اے نسیم گلشن اخلاق کیا کہنا ترا
تو جو چھو جائے مہک اٹھے گل تصویر بھی

عشق کہتے ہیں جسے کس دل میں گھر اسکا نہیں
پھنس گیا آفت میں آخر ضامن دلگیر بھی

سنجیدگی ذرا سی طبیعت میں چاہیے! / اغراق کم شکایت قسمت میں چاہیے
تقدیر جانتی ہے کہ ہے کتنا کس کا ظرف / کچھ حوصلہ بھی طالب دولت میں چاہیے
رد و قبول اپنا ہے کب قابلِ شمار / تطبیق خواہش اور مشیّت میں چاہیے
معلوم ہے کہ چاہیں گے جو ہم نہ ہوگا وہ / پھر کیوں یہ بیم و وسوسہ نیت میں چاہیے
ہر حال میں ضرور ہے اُس کی عطا کا شکر / ہمت بلند کنجِ قناعت میں چاہیے
دل میں نہاں ہے دولت آسائش دوام / ہر دم زیادتی اسی دولت میں چاہیے
دل ہی سے آدمی ہے غنی بھی فقیر بھی / قابو اسی پہ عشرت و ثروت میں چاہیے
قارون کے ہم خیال ہیں جو لوگ خلق میں / کچھ اعتدال ان کی دنائت میں چاہیے
لیکن ہے جن کے پیش نظر عسر من قنع / تقلید ان کی عزم و حمیت میں چاہیے
"باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو" / بے غیرتی نہ کسب معیشت میں چاہیے
کافی ہے گر جہاں میں رہ جائے نام نیک / کیوں فکر ترک مال وصیت میں چاہیے
ہے لازوال خلق میں اک دولت کمال / ہونا حریص کسب لیاقت میں چاہیے

ضامن کمال سے نہیں بڑھ کر ہے کوئی مال
یہ اصل چیز قبضہ قدرت میں چاہیے

یکرنگیوں کا لطف محبت میں چاہیے / ضد اتنی مہرباں نہ طبیعت میں چاہیے
زاہد ریاکار تک کچھ اچھا نہیں کھلا / ایک اور داغ جامۂ عصمت میں چاہیے
لیتے تو ہو وہ دل کہ جو ہے گنج آرزو / سعی بلیغ حفظ امانت میں چاہیے
کیا ڈر ہے جائے اس نہیں گر سرائے دہر / مسکن ترے حصار عنایت میں چاہیے
باقی رہے ذرہ نہ ہوس نشا تین کی / دل چور نشہ مئے الفت میں چاہیے
کیا لطف ہے رفیق ہوئے گر جناب خضر / مجنوں سا دوست وادی وحشت میں چاہیے
خون جگر سے لکھیں گے ہم آج اون کو خط / یہ رنگ شاعروں کی عبارت میں چاہیے

ہرگز نہ داغ ہجر دکھانا ابھی نہیں! — اے دل یہ آفتاب قیامت میں چاہیئے

کلک خیال دوست کی تصویر کھینچ دے — مونس کوئی تو عالم غربت میں چاہیئے

دنیا ابھی کا نام ہے اے شیخ کیوں نہ ہو — زنجیر حرص پائے قناعت میں چاہیئے

ضامن ہوس کو عشق سے نسبت نہ دیجیے
تفریق کچھ مجاز و حقیقت میں چاہیئے

۱۹۱۶ء

آئینہ بن گیا جس وقت یہ صورت دیکھی — تم نے میرے دل مشتاق کی حالت دیکھی

نظر غور سے دنیا کی جو حالت دیکھی — ہم نے برپا یہیں ہر روز قیامت دیکھی!

آئے اور آکے پھرے در سے شرارت دیکھی — کیوں نہ ہو وعدہ کے سچے ہیں صداقت دیکھی

میں برا ہوں نہیں اچھے سہی جانیدو نہ کر — مگر اوروں کی بھی ہے مینے طبیعت دیکھی

قاصد آیا وہ چلے گھر سے سواری نکلی! — آج تاثیر تری جذب محبت دیکھی

عمر عاشق سے زیادہ کبھی ہوتی ہی نہیں — دیکھی تیری بھی درازی شب فرقت دیکھی

ہجر کے ڈر سے کریں ترک محبت کیا خوب — اور دیکھیں گے جہاں اتنی مصیبت دیکھی

غیر کے مال پہ واعظ یہ سخاوت کیسی — پی چکے بادۂ کوثر تری نیت دیکھی

خاک چھانی بہت اس دار عنا کی ضامن
کنج عزلت ہی میں کچھ کچھ امنیت دیکھی

۱۹۱۶ء

در دروزہ عمر میں کیوں فکر اتنی اے دل ہے — خوشی نہیں نہ سہی خیر غم تو حاصل ہے

غم فراق نہ جائے گا جان ہے جبتک — خط مماس نفس مجھ کو خط فاصل ہے

سنو بدی مری تم مدعی سے ٹھیک نہیں — برا سہی میں مگر اس کا قول باطل ہے

سنا ہے قتل کریں گے اسے زلف کو وہ — اگر یہ سچ ہے تو پھر کیا مراد حاصل ہے

بھروسہ جس کو ہے اہل جہاں پہ اوسکی امید
خجل نہ کر مجھے ناصح بہت ملامت سے

اسیر حلقۂ دام خیال باطل ہے!
کسی پہ آ بھی گیا گر تو کیا ہوا دل ہے

ہم اوس کے خوان کرم کے ہیں ریزہ چیں ضامن
ہر اک فقیر و غنی جس کے در کا سائل ہے

سوئے دل تمہید عرض مدعا الٹی پھری
آکے لب تک رخصت طلب کی صدا الٹی پھری

جاکے پھر باب اجابت تک دعا الٹی پھری
تھی کمند جذبۂ دل نارسا الٹی پھری

کشمکش بیم و رجا کی مرنے بھی دیتی نہیں
آرزو کے حلق پر تیغ ادا الٹی پھری

آکے در تک کیوں پلٹتے وہ اگر قسمت مری
جاتے جاتے در سے فرقت کی بلا الٹی پھری

ناز کا پہرہ تھا اون کے دل پہ کیا ہوتا گزر
مفت کی خفت ہوئی آہ رسا الٹی پھری

پھر دل ناداں ہے گرداب ہوس کا آشنا
لے کے کشتی مری اے ناخدا الٹی پھری

سخت جانی ہی کو اپنی کیوں نہیں الزام ہم
یہ کہیں کس طرح سے تیغ ادا الٹی پھری!

میری آہ سرد نے باندھی جو داغوں کی ہوا
ہو کے رخصت موسم گل سے صبا الٹی پھری

شور مستی عشوہ کو چونکائے گا سمجھے تھے ہم
تھی حیا آنکھوں میں شوخی ادا الٹی پھری

گرد وحشت نارسائی تھی ہوائے وصل یار
دیکے بوسہ سنگ در کو بارہا الٹی پھری

ہنستے ہنستے رک گئے وہ مرتے مرتے میں بچا
گرتے گرتے رہ گئی برق بلا الٹی پھری

کس میں یہ قدرت ہے صید عشق پر ڈالے جو ہاتھ
آکے بالیں تک مری اکثر قضا الٹی پھری!

گلشن ہستی کی رونق اپنے دم کے ساتھ ہے
کچھ نہیں تاثیر یک نفس گریہ ہوا الٹی پھری

بزم میں سب بے مانگے ملتا کس طرح ساغر بھلا
دخت رز مجھ کو سمجھ کر پارسا الٹی پھری

ساز یکرنگی نہیں غیر از شکست مدعا
گنبد خالی ہی میں اپنی صدا الٹی پھری

جاکے دیکھا تم نہ تھے واں اک مسیحا اور تھے
چرخ چارم سے مری آہ رسا الٹی پھری

بس کرو ضامن نہیں ہرگز غزل کی [illegible]
تم کہو آخر کہے گا کوئی کیا الٹی پھری!

۱۹۱۵

آج پھر تقریب وصل یار ہو کر رہ گئی
بیخودی مہر لب اظہار ہو کر رہ گئی

توڑ کر دل گر نکل جاتی نظر پھر کچھ نہ تھا
پر خلش یہ ہے کہ آدھی پار ہو کر رہ گئی

یاد رخ میں خون رونا چاہیے اے چشم تر
لعل برساتا تھا گوہر بار ہو کر رہ گئی

آنیوالی تھی قیامت ٹل گئے تم راہ میں
بس وہ محو شوخی رفتار ہو کر رہ گئی

چھوڑ کر جاتی کہاں بیمار الفت مجھے
چارہ کچھ ممکن نہ تھا ناچار ہو کر رہ گئی

چل دیے بن کر غبار اونکے جلو میں عقل و ہوش
بیکسی نقش سم رہوار ہو کر رہ گئی

حسرت نظارہ نکلی بھی اگر اشکوں کے ساتھ
پھر اسی سلک گہر میں تار ہو کر رہ گئی

کیوں نہ پہلے ہی کیا عشق و ہوس میں تمنے فرق
چار دن کی گرمی بازار ہو کر رہ گئی

سامنے جب آسکے وہ تاب شعاع حسن سے
چشم حیران روزن دیوار ہو کر رہ گئی!

خانہ دل کیا عمارت تھی جو غم کے ہاتھ سے
دیکھتے ہی دیکھتے مسمار ہو کر رہ گئی

تم کو ضامن اس قدر کیوں فکر ہے ادغام کی
طرح تھی تدبیر وصل یار ہو کر رہ گئی!

۱۹۱۶

بیچین تن میں جاں ہے بیتاب بر میں جی ہے
گزری بہار لیکن جوش جنوں وہی ہے

ابرو پہ بل پڑے ہیں تلوار آپی ہولی ہے
اے مرنیوالو دیکھو کیا بانکا اوچھی ہے

جو مجھ کو مانگتا ہے وہ تجھ سے مانگتا ہوں
ہوگر کوئی دنی ہے ہو گر کوئی سخی ہے

داغ جنوں درم ہیں موتی یہ اشک غم ہیں
یاں عشق کی بدولت کس چیز کی کمی ہے

چہرہ سے لال دیکھو زلفوں کا حال دیکھو
اب میں نہ کچھ کہونگا کیوں اتنی برہمی ہے

کچھ بے نیازیاں ہیں کچھ حیلہ سازیاں ہیں
دنیا میں رسم الفت کہنے کو رہ گئی ہے

گیسو نہ ہوسکے سیدھے دکھنے لگیں گے شانے
کیا کھلے گی یہ میری تقدیر کی کجی ہے

بیداغ گو نہیں ہے میرا نگینہ دل
دیکھو تو مہر اس پر کس کی کھدی ہوئی ہے

ایمان کا ہے ڈر بھی اور جان کا خطر بھی
چلنا سنبھل کے ضامن یہ راہ عشق کی ہے

تیزی تیغ نگہ کا امتحاں گردش میں ہے
امتحانِ حسن ترکیب بیاں گردش میں ہے
دل نے خود بھٹکا یا امیدوں کو دشتِ آرزو میں
بزم میں ہے جرعہ ریز عشوہ چشمِ مستِ یار
جب سبھی جب ساتھ لیکر وہ صحرا کو بھی دل
کوچہ گردی سے میں خود نالاں ہوں ناصح کیا کرو
حال کیسا رقص جنوں سے ہے دلِ بسمل بجنید دی
عشق ٹھہرا جب سے دل میں بیقراری بڑھ گئی
کس کو دورانِ فلک نے بھی سحر رہنے دیا
یوں ہی کیا کم تھی برش تیغِ نگاہِ ناز کی
وہ گدا ہوں جانتا ہوں آپکو سلطانِ وقت
آرزو کے پیچھے دوڑی تھی جو دشتِ آرزو میں

۱۲۱۵

پھرتی ہے چشم فسونگر یا فساں گردش میں ہے
خامہ مانی کی صورت پھر زباں گردش میں ہے
رہنما کی رہزنی سے کارواں گردش میں ہے
خیر بادا کشتی میخوار گراں گردش میں ہے
آسماں کا اور میرا امتحاں گردش میں ہے
اندلوں میرا ستارہ مہرباں گردش میں ہے
بادہ الفت سے ہو کر سرگراں گردشیں ہے
کیا تماشا ہے کہیں ساکن مکاں گردشیں ہے
اس ہنڈولے میں ہے جو وہ بے گماں گردشیں ہے
آسماں کیوں صورت سنگِ فساں گردشیں ہے
سر پہ جب تک چترِ نیلی پرنیاں گردشیں ہے
ہمت اب مثل غبار کارواں گردشیں ہے

کوچہ الفت کہاں وہ بت کہاں ضامن کہاں
یہ بھی وحشت ہو کے دل کا امتحاں گردشیں ہے

یوں لے کے جو پھرتی ہے پیہم گھر گھر خبر اوسکی
الزام مری برہمی دل کا ہے تجھ پر !
بیتابی فرقت کا تقاضا ہے کہ مر جاؤں
بیتاب دل اک سمت ہے مضطر جگر اک سمت
میں سخت بہت ہوں مر وہ نگاہ کرے وار
دل لے لیا اچھا کیا تھا در پئے آزار
آنا ہو تو آئے جو نہ آنا ہو تو کہہ دے

۱۲۱۵

ہمراز ہوئی کب سے نسیمِ سحر اوس کی ؟
برہم ہوئی اے بادِ صبا زلف اگر اوسکی
ہے میری قضا تابع فرماں مگر اوس کی
کب تک میں خبر لوں اِدھر اسکی اُدھر اوسکی
محتاج فساں بھی تو ہے تیغ نظر اوس کی
بھولونگا یہ نیکی نہ کبھی عمر بھر اوس کی
ہر روز کی بیکل ہے قیامت مگر اوسکی

فرزانگی عشق ہے دیوانگی شوق !
ہم آپ سے کھوئے گئے پاکر خبر اوسکی

ضامن ہو کہ تم دوست ہیں دونوں سرے یکساں
بدنام ہوں کہہ کر ادھر اس کی ادھر اوسکی

آنکھوں ہی آنکھوں میں ضامن عہد و پیماں ہو گئے
اک نظر پر بندۂ بیدام جاناں ہو گئے

جو ترے خوان کرم پر آ کے مہماں ہو گئے
میزبان خلق بننے کے وہ شایاں ہو گئے

ان کا اک گوہر تو ہوتا زینت تاج اثر
کیا ہوا گر دیدۂ تر ابر نیساں ہو گئے

بیخودی میں یاد رہتا خاک درس آرزو
کچھ ورق تھے جو کہ نذر طاق نسیاں ہو گئے

دامن قاتل پہ لایا رنگ خون بے گناہ
ایسے گل پھولے دہان زخم خنداں ہو گئے

آہ کے ہمراہ منہ کو لخت دل آنے لگے
بوئے گل کیسا تہ برگ گل پریشاں ہو گئے

رشتہ الفت ہی کو کہتے نہ ہوں حبل الورید
رابطے جب تو میان جان و جاناں ہو گئے

راستہ دن رہتا ہو جو دل میں وہ کیا چھپتا مگر
حائل اپنے پردہ ہائے چشم حیراں ہو گئے

عشق گیسو نے کیا بند علائق سے رہا
قید کے اسباب آزادی کے ساماں ہو گئے

جن کا وادی فنا میں عشق تھا خضر طریق
نقش پا اون کے چراغ راہ عرفاں ہو گئے

اب صدا بھی ہو نہیں سکتی بلند اللہ رے ضعف
نالے کھنچ کھنچ کے مرے تار گریباں ہو گئے

یہ بنا جس روز سے داغ جنوں کی جلوہ گاہ
دل کے ہر گوشہ میں پیدا سو گلستاں ہو گئے

داغ کیسے پہلے زنگ آلود تھا مرآۃ دل
عشق نے کر دی جلا جوہر نمایاں ہو گئے

جان کر جو کچھ کیا تھا اوسپہ شرماتے وہ کیوں
کہہ کے اپنا درد دل ہم خود پشیماں ہو گئے

ذوق گلچینی باغ حسن کم ہوتا نہیں
حسرتا داماں نظر تار رگ جاں ہو گئے

جو نکلنے پائے تھے تسکیں انہیں سی کچھ ہوئی
رہ گئے جو نالے دل میں درد پنہاں ہو گئے

ضامن اتنا بھی نہ رونا چاہیے بے اختیار
گھر کے گھر سیل سرشک غم سے ویراں ہو گئے

۱۴۳

جب قضا نے جان لے لی عاشق بیمار کی
آبرو پھر کیا رہی قاتل تری تلوار کی

دھوم محشر میں ہے گو نہیں ہے چشم بت عیار کی
وور ہے لاکھوں پر ان ترکوں نے جب تلوار کی

حالت دل دیکھ کے ہی لال پیلا نکلی زباں
اسنے کیا دیکھا کہ باچھیں کھل گئیں سوفار کی

کشمکش میں غم کی نکلے حرف مطلب منہ سے کیا
آگئی ہے دل میں بھی تنگی دہان یار کی

اف ری وحشت ساعی صحرا نوردی ضعف پر
لے اڑیں مجھ کو ہوائیں دامن کہسار کی

ہر روش پر فتنے اٹھتے ہیں پئے تعظیم یار
حشر لیتا ہے بلائیں موجہ رفتار کی!

جوش وحشت پھر ہوا ہے آج ہمدم چھیڑ دے
یاد ہوں چبھتی ہوئی باتیں اگر کچھ یار کی

پرتو داغ جگر ہے جلوہ جوش بہار
ایک مرجھائی کلی ہے جنت اس گلزار کی!

جزر و مد عشق کا ہے نام ہستی و عدم
موت بھی اک موج ہے اس قلزم زخار کی

عشق کر دیتا نہ گر داغ جنوں سے دل پہ مہر
غیر ممکن تھا کہ ہو تنقیح اس طومار کی

حسن ہر صورت میں برق خرمن نظارہ ہے
لن ترانی ہے صدا ہر طالب دیدار کی!

روک لیں آنسو نہیں وسعت مژہ میں سکت
آبرو ملتی ہے مٹی میں در شہوار کی

دفتر راز محبت تھا جو دل پھونکا اوسے
قہر کرتی ہے شرارت آہ آتشبار کی!

ٹوٹ جائیگا یہ دیکھو یوں نہ تم مجھ سے کھنچو
کچا دھاگا ہے حقیقت کیا نفس کے تار کی

اس قدر ٹکرایا سر زنداں میں رخنے پڑگئے
میری وحشت دیکھ کر آنکھیں کھلیں دیوار کی

بس کرو ضامن نہ ہو جائے غزل طول امل
نغز گوئی چاہیئے حاجت نہیں طومار کی

۱۴۴

خدا تو کہہ نہیں سکتے خدا کی شان عالی ہے
مگر اپنی جگہ وہ بت مثال بے مثالی ہے

خدا جانے کہ وہ آتے ہیں یا موت آنیوالی ہے
مریض عشق کے چہرہ پر اسدم کچھ بحالی ہے

خدا رکھے محبت کو کہیں داغ ایسے ہوتے ہیں
نہیں یہ دل طبق ہے لعل کا پھولوں کی ڈالی ہے

دیے سب کام چھوڑ اب دل فروشی پیشہ کرتے ہیں
ترے دربار میں آنے کی یہ صورت نکالی ہے

فقط اک گوشۂ دامن کا طالب ہے غبار اپنا
نہ ذوق سرفرازی ہے نہ تاب پائمالی ہے

خدا آباد رکھے تیرے میخانہ کو اے ساقی!
بھرے ہیں سب کے دل لیکن مرا پیمانہ خالی ہے

اٹھایا فتنۂ قامت نے سر جب دم خجل ہو گی
جہاں تو ہے وہاں پھر کیوں قیامت آنیوالی ہے

یہ مہر و ماہ ہیں وہ دل جنھی کے داغ گردوں پہ
سوئے پستی کہیں جھکتے ہیں جن کی طبع عالی ہے

بجائے خاکساری خاک بیزی کا نتیجہ کیا!
یہ ہستی صورتِ نقش قدم مٹ جانیوالی ہے

عدم میں نکتہ رس کیوں جا کے مضموں کو ڈھونڈیں
سخن کوتاہ کردیں بس یہی نازک خیالی ہے

جفا لفظ تغافل ترک اب ہم رازداں ٹھہرے
ستمگر نے ستم کی یہ نئی صورت نکالی ہے

نہ پوچھو حال ہم سے ضامن آزادہ مشرب کا
نہ مومن ہے نہ کافر ایک رند لاابالی ہے

۱۲۲

الفت یار شمع رو نہ گئی
دل سے جلنے کی آرزو نہ گئی!

چشم تر رو لیے نہ بارش آئی
شورش موج آبجو نہ گئی

ارنی کہہ کے ہیں خجل موسیٰ
پیش کچھ اوس سے رو برو نہ گئی

رہ گیا نام نیک ناموں کا
مٹ کے بھی ان گلوں سے بو نہ گئی

ساتھ دل کا نہ داغ نے چھوڑا
جام سے محبت سبو نہ گئی!

دل و مژگاں میں چھیڑ ہوتی رہی
خلش خار آرزو نہ گئی

گو ہوئے لاکھ بار جلوہ فروش
لن ترانی کی گفتگو نہ گئی

بن گیا روز عیش شام الم!
دل سے پر مہر ماہرو نہ گئی

گو زمانہ بدل گیا ضامن
تم میں جو تھی مگر وہ خو نہ گئی

جتنے آنسو ڈبڈبا کر چشم تر میں رہ گئے
آ ملے بن کر وہ سب یائے نظر میں رہ گئے

دل میں اب کیا ہے بجز حرمان و یاس و درد و غم
خانماں برباد کچھ اس اجڑے گھر میں رہ گئے

نور کے چشمہ میں دہلنے سے مٹا کب جرم ذات
چند دھبے پھر بھی دامان قمر میں رہ گئے

پہنچے منزل پر وہی تھی جن کی ہمت زاد راہ
رہ گئے پیچھے جو سامان سفر میں رہ گئے

بخشوائیں گے مجھے کیا میرے اشک انفعال
چشم تر سے نکلے اور دامان تر میں رہ گئے

عمر بھر کی جانفشانی کا یہ نکلا ماحصل
دل میں کچھ داغ اور سودے چند سر میں رہ گئے

گرچہ بندش صاف ہے مطلب مگر کھلتا نہیں
عقدے کچھ پیچیدہ مضمون کمر میں رہ گئے

دل تو مدت سے نہیں پہلو میں ہاں دل کی جگہ
تھے کچھ ارماں چھید کے جو تیر نظر میں رہ گئے

پھونک دینگے خرمن یاس ایکدن بن کر شرر
میرے دو آنسو بھی گر جیب اثر میں رہ گئے

عیش سے پائندہ ہے کلفت کہ آثار خزاں
داغ سودا بن کے لالے کے جگر میں رہ گئے

ضامن اب غربت میں دیکھا کیجئے راحت کے خواب
عیش کے اسباب جو کچھ تھے وہ گھر میں رہ گئے

جو جاں نثار کشتۂ شمشیر ناز ہے!
خاک اوس کی سرمۂ نظر امتیاز ہے

اپنی فروتنی پہ مجھے آپ ناز ہے
اوس کا نیاز مند ہوں جو بے نیاز ہے

افسانہ کل وہ بات ہے جو آج راز ہے
باہم زبان و دل میں کہاں ساز باز ہے

کیا میرے دل کی قدر ہو ظاہر پرست کو
اس شیشہ میں بھری ہوئی صہبائے راز ہے

کیوں پھر سجدہ خشت خم آسماں وہ لے
ساقی کے در پہ جس کی جبین نیاز ہے

اس صیدگاہ میں نہیں آزادیوں کا لطف
دام ہوس بساط جہاں پر دراز ہے

دل سے یوہیں وجود بشر کو شرف ملا
ممتاز جیسے کعبہ سے ارض حجاز ہے

رکھ آنکھ بند کر کے قدم راہ عشق میں
یاں کا نشیب چرخ نہم کا فراز ہے

ہمت کلید ہے پئے قفل در مراد
دیکھو توسعی کر کے خدا کارساز ہے

ایسا بڑھا کہ سلسلۂ آرزوئے وصل
شب ہائے ہجر سے بھی زیادہ دراز ہے

پوچھو نہ کچھ کشاکش امید وبیم سے
بڑھ کر اٹھائے گوشہ داماں ناز میں
کیونکر اٹھاؤں سر رہ عجز و نیاز سے

تار نفس میں دل گرہ نیم باز ہے
اشک چکیدہ گوہر بحر نیاز ہے
نقش قدم ترا مجھے مہر نماز ہے

پایا اوسے بھی ہم نے تو اک بندۂ ہوس
ضامن کو سنتے تھے کہ بڑا پاکباز ہے

نالے کہیں کرتی ہے جو زنجیر کسی کی
بجلی سے نہ جھپکیں گی کبھی حضرت موسیٰ کی
شرمانے لگا آب بقا عمر خضر سے
پیوند شب ہجر ہوا روز قیامت!
زنداں سے چھٹا چشم غزالاں میں کیا گھر
ہیں عشق کے الجھاؤ مرے تار نفس تک
کرتا ہے کوئی چھیڑ سر بزم کسی سے
زخموں سے اٹھے آگ کے شعلے عوض خوں
ہر حرف میں آب خون جگر کی سی جھلک ہو
دوری سے چڑھی چشم تصور پہ وہ عینک

دل کھاتی ہے کیوں زلف گرہ گیر کسی کی
دیکھی ہے مری آنکھوں نے تنویر کسی کی
کھلنے جو لگی زلف گرہ گیر کسی کی
اور بن چکی زلف گرہ گیر کسی کی
صحرا میں بھی ہمراہ ہے زنجیر کسی کی!
اس ڈورے ہی کو کاٹ دے شمشیر کسی کی
تجویز ہوئی آج یہ تقدیر کسی کی
آتش تھی کہ آب دم شمشیر کسی کی
دیکھے کوئی رنگینی تحریر کسی کی!
ہر ذرہ میں پائی گئی تصویر کسی کی

ناکامیوں کا رنج ہی کیا چلتی ہے ضامن
تقدیر کے آگے کہیں تدبیر کسی کی!

نہ سکوں ہے نہ تحمل نہ شکیبائی ہے
ہیں کہاں وہ جنہیں دعوائے مسیحائی ہے

دل ہے پہلو میں تو رسوائی سی رسوائی ہے
آ ہیں اب چاہنے والے کی قضا آئی ہے

۱۳۳

خبر موسم گل باد صبا لائی ہے!
ہیں کہاں رند چلیں فصل بہار آئی ہے

خوف عصیاں کا نہیں مل کے پئیں چل واعظ
آج میخانہ پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے

پھر جنوں سلسلہ جنباں ہے پھر آئی ہے بہار
پاؤں کو پھر ہوس بادیہ پیمائی ہے

ہم تہیدستوں کا ساغر تو نہیں ہے ساقی
واژگوں کس لئے پھر گنبد مینائی ہے

جس کا نظارہ نہیں چشم خرد سے ممکن!
ایک عالم اوسی جلوہ کا تماشائی ہے

کون دیکھے گا میسر بھی ہو گر تیرا جمال
طاقت دیدہ نہ یارائے شکیبائی ہے

لوگ کیا جان کے دل اُسپہ فدا کرتے ہیں
کس کے قابو کا بھلا وہ بت ہرجائی ہے

سادگی پہ یہ لگاوٹ ہے قیامت ڈھاتی
ہائے ظالم نے کہاں سے یہ ادا پائی ہے

ناتوانی کا بھلا ہو کہ تن زار مرا
خار دامان گل گلشن رعنائی ہے

شوق گلچینی گلزار جمال اور یہ دل
اس کے دامن نے تو وسعت نہیں پائی ہے

میرے آئینۂ دل کو بھی کبھی دیکھا ہے!
یا زبانی ہی فقط دعوے یکتائی ہے

دیکھئے اوس کا جوانی میں ہو کیسا عالم!
بچپنے میں جسے یہ ذوق خود آرائی ہے

برق جمعیت ہستی نہ ہو یہ گرمی حسن!
ایک عالم ترا نادیدہ تمنائی ہے

کون اس راہ سے گزرا ہے جو اب تک یارب
دیدۂ نقش قدم چشم تماشائی ہے

اپنے ضامن کو نہ محروم رکھو اے پیر مغاں
یہ پرانا ترے میخانہ کا صہبائی ہے

۱۳۴

ساقی بس اک نگاہ کرم یا نہ چاہیئے
جھک جائے بزم جس سے وہ پیمانہ چاہیئے

کچھ ہو خیال زلف میں بہلا ہوا تو ہے
اک سلسلہ پئے دل دیوانہ چاہیئے

وے طاعت خدا ہے نہ زاہد خودی کو دخل
پایل ہر قدم پہ لغزش مستانہ چاہیئے

میرا ہی دل ہے عشق کی دولت کیواسطے
گنج نہفتہ کے لئے ویرانہ چاہیئے

اے دل شعار بوالہوسی ننگ عشق ہے
کچھ تو خیال وضع شریفانہ چاہیئے

کہتی ہیں میری طبع سے نازک خیالیاں
زلف عروس نظم کو یہ شانہ چاہیے

نقش قدم پر اون کے گھسوں کیوں نہ جبیں
واماندگی کا سجدہ شکرانہ چاہیے!

اے بوالہوس پڑی نہیں ملتی متاع عشق
دل بہر نذر جاں پئے بیعانہ چاہیے

عاشق کا دل ہے جلوہ گہ نور معرفت
بہر فروغ شمع سیہ خانہ چاہیے

پتلی کے ساتھ آنکھ میں پھرتی ہے تیری شکل
ایسے صنم کو ایسا ہی بت خانہ چاہیے

ہر کام میں شریک ہے توفیق کارساز
عزم صمیم وہمت مردانہ چاہیے

ناصح کے قدرداں نہیں دیوانگان عشق
ان کا شریک حال بھی دیوانہ چاہیے

اے شمع تیرے تاج زری کی ہو خاک قدر
اس میں بجائے گل پر پروانہ چاہیے

ضامن کو بزم وعظ میں کیوں لے چلا ہے شیخ
اس کو تو کوئی محفل رندانہ چاہیے

ہو اگر ایک تمنا تو تمنا کہیے!
دل میں ہنگامہ جو برپا ہے اسے کیا کہیے

نہیں آگاہ ہیں اوس حال سے جس حال میں ہیں
بیخودی کہیے جنوں کہیے کہ سودا کہیے

گرد صحرا ہے تو ہم ہے سحاب امید
قطرہ مل جائے جو پیاسے کو تو دریا کہیے

نسخہ دہر ہے مجموعہ اسباب و علل
سخت حیرت ہے کہ تقدیر کو پھر کیا کہیے

عمر کو دیکھیے کیوں برق کی چشمک سے مثال
چشمک برق کو اک عمر کا عرصہ کہیے

کام جس لمحہ میں انجام ہو کوئی اوس کو
حاصل زندگی خضر و مسیحا کہیے

گر حیات ابدی صرف ہو بیکاری میں
تو اوسے ماحصل مرگ مفاجا کہیے!

یہی قدرت کا ہے منشا یہی انساں کا ہے فرض
سوچیے سیکھیے یا کیجیے کچھ یا کہیے

لطف پانے ہی میں خوشی ہی میں اب تو ضامن
سننے والا نہ ہو جب کوئی تو پھر کیا کہیے

۱۲۲

ہرچند نہ تھا دل کو اب ذوقِ غزل خوانی
پر سلسلہ جنباں ہے پھر مشفقِ موہانی

ہوتا نہیں حسرت کا کم ذوقِ پر افشانی
منت کشِ مرہم ہے کیوں زخمِ پشیمانی

کیونکر کھلیں ظالم کے اندازِ ستم رانی
آبِ دمِ خنجر میں دیکھی نہیں طغیانی

پروانہ کا دل کس نے بخشا تھا زلیخا کو
کس شمع کا پرتو تھا حسنِ مہِ کنعانی؟

اسبابِ فراغت سے بے بال و پری اپنی
جمعیتِ خاطر کو کیوں کہیئے پریشانی

کیا خوانِ کرم تیرا کافی نہ نہیں ہوگا
ممکن ہے سلیماں کی جب ہو رسے مہمانی

کچھ بھید ہے یوں تم کو دل غیر جو دیتے ہیں
پہلے تو نہ تھی ایسی اس جنس کی ارزانی

کیوں چھپتے ہو عاشق سے کیا دیکھنگی وہ آنکھیں
خود آئینہ ساں جو ہیں سرچشمۂ حیرانی

محرومِ فراغت وہ کیوں ہونے لگے جن کو
تقلیلِ تمنا سے راحت کی فراوانی

ٹھنڈک نہ ہوئی جی کو آبِ دمِ خنجر سے
خمیازۂ ساحل تھا پیاسا نہ طغیانی!

آئینہ سے محو اون میں وہ محوِ خود آرائی
ہے کون جو دیکھے گا یارب مری حیرانی

ایں سینہ تلاشی وہ دل ہی نہیں پہلو میں
کیا لوٹ میں جائیگا غیر از غمِ پنہانی

کیا غیر کی تھی ہستی اپنی ہی خطا ہو گی
بے وجہ نہیں کرتا یوں دیو سلیمانی

دامانِ ہوس کیا ہو کافی تری رحمت کو
کب حوصلۂ ساحل ہے درخورِ طغیانی

اب اپنی بھی حالت پر افسوس نہیں ہوتا
یا شاق بہت دل کو تھی گھر ہی کی ویرانی

اوس در کا گدا ہوں میں جس در پہ سدا ضامن
کرتے ہیں جبیں سائی رومی ہوں کہ یونانی

۱۲۳

آئینۂ حسنِ امل کا ہے ترا نام مجھے
نظر آغاز میں آنے لگا انجام مجھے!

بوئے گل بھی ہوسِ ہم نفسی رکھتی ہے
کیا آشفتہ سری نے مری بدنام مجھے!

تھا کبھی ہم قدم حوصلہ و ہمت و عزم
اب تو ہے یادِ تمنا کا فقط نام مجھے!

میں تو شکوہ بھی نہ لاؤں کبھی لب تک اے چرخ
کام نکلے جو ترا رکھنے سے ناکام مجھے

داغ فرقت نہ ہوا مہر قیامت نہ سہی
کر دیا عشق نے خورشید لب بام مجھے

کرتا رہتا ہوں ہواداری عنقائے امید
بھیج دے کاش کوئی بوسہ بہ پیغام مجھے

شکوہ تھی عرض نیاز اور تحمل ہے غرور
آخرش کچھ تو دیا چاہیں وہ الزام مجھے

بیخودی بڑھ گئی حد سے ہے خودی اب درکار
ساقیا دے مئے پندار کا اک جام مجھے

ہوں گرفتار بلا اڑ کے کہاں جاؤں گا
نظر آتے ہیں ہوا میں قفس و دام مجھے

ایک دھوکا ہے فقط جلوۂ نیرنگ مراد
یعنی امید پہ کرنا ہے ہر اک کام مجھے

میری تقدیر میں ہے گوشۂ عزلت ضامن
خلق کی گرمی ہنگامہ سے کیا کام مجھے

برات عشرت جاوید پائی حب حیدر سے
مرے ساغر کی موجیں جا ملیں امواج کوثر سے

مقابل کر کے دیکھیں گے قبائے ناز دلبر سے
کوئی ٹکڑا اگر ہاتھ آ گیا دامان محشر سے

یہ جوہر ہیں کہ بدنامی کے دھبے ہیں ترا قاتل
کسی کا خون آخر پھوٹ نکلا تیرے خنجر سے

تم آؤ تو سر میدان ہم اس جینے سے باز آئے
لڑیں نظروں سے نظریں تیغ چمکے اور لہو برسے

مبارک عاشقوں کو نو بہار مرگ ناکامی
ہوئی چھریوں کی بارش پھر نگاہ عشوہ پرور سے

خطا کیا ہے خضر کی پردہ پڑ جائے جو آنکھوں پر
ادا کرتا ہے آب زندگانی خود سکندر سے

محبت میں ہر آنسو آنکھ سے گر کر یہ کہتا ہے
قدم باہر نہ دیں اس راہ میں گر تو چلو سر سے

کہاں تک خود فروشی اے مئے نخوت کے متوالو
دھلیں گے داغ رسوائی نہ موج آب گوہر سے

نہیں کم قطرۂ بے دست و پا سے دست و پا ارو
قیامت ہو گی اونچا ہو گیا پانی اگر سر سے

حقیقت جو روش سے ہے فریب رنگ کیوں کھائیں
وہ کانٹے جھانکتے ہیں زیر دامان گل تر سے

مبارک شام غم جو شوق کے شعلوں کو بھڑکائے
ہمارے داغ دل کرتے ہیں چشمک چشم اختر سے

بس اب کھینچیں گے خون دل سے گلزار تمنا کو
ترے وعدوں کے بادل گھر کے جب آئے شرر برسے

وعید قتل امید کرم سے جاں فزا تر ہے
کسی صورت سے چھٹکارا تو ہو ضامن ستمگر سے

صورتِ حال اور کچھ رمز نہاں کچھ اور ہے
اون کے سکوت محض پر اتنو گماں کچھ اور ہے

سمجھو نہ آب زندگی آب دم حسام کو
عربدہ جو نگاہ کا لطف عیاں کچھ اور ہے

مفتی شہر سے ابھی لینی ہے بیعت سبو
میکدہ خلوص میں پیر مغاں کچھ اور ہے؟

دانش خود فروش کو کیجئے نذر بیخودی
کیف شراب اور ہے مستی جاں کچھ اور ہے

تار رگ نیاز کو زخمۂ ناز چاہیئے
پردۂ ساز شوق میں حسن فغاں کچھ اور ہے

حافظ جاں ہے خصم جاں موت کفیل زندگی
گلہ کو ہے گماں کچھ اور فکر شباں کچھ اور ہے

محبس بے پناہ ہے گنبد بے در فلک
یاں سے کہیں نکل چلو راہ اماں کچھ اور ہے

دلق تکلفات میں چھپ گیا حسن سادگی
اہل جہاں کچھ اور ہیں وضع جہاں کچھ اور ہے

زینت چشم عشوہ کار سرمۂ طور ہے تو ہو
جنس دکان اعتبار جان جہاں کچھ اور ہے

گردِ رہ درنگ ہے جذبۂ شوقِ بے محل
چشم سراغ جو ہے اور قلب طپاں کچھ اور ہے

ضامن حق نوا کہاں واعظ خود ستا کہاں
اس کی زباں کچھ اور ہے اوسکا بیاں کچھ اور ہے

دل سیہ مستی میں بھی اتنا تامل پیشہ ہے
راوق معنی گداز جوہر اندیشہ ہے

جلوہ اعراض عکس شوخی اندیشہ ہے
ورنہ گلزار تحیر بے رگ و بے ریشہ ہے

سنگ راہ حیرت ہے کام جوئی کی ہوس
پائے ہمت کے لئے عرض تمنا تیشہ ہے

دور میں تیرے غلط سہی اے سپہر حیلہ کار
گھر ہوا روباہوں کا وہ جو جنگجو کا بیشہ ہے

امتحان گاہ وفا سے ہٹ نہیں سکتے قدم
جان جاتے جان جانے کا اگر اندیشہ ہے

کامیابی کا ثمر دے کیوں نہ شاخ اعتبار
ریشۂ حسن عمل اس نخل کا ہر ریشہ ہے

ضامن اک آزادہ رو ہے قاضی و مفتی نہیں
مشرب و ملت ہی رندی عشقبازی پیشہ ہے

خود داریوں کا بھی مجھے اب ہوش نہیں ہے
غفلت کدہ ہے شوق کی آغوش نہیں ہے

دستار جو واعظ کی ابھی تک ہے سلامت
میخانہ میں کیا ایک بھی مے نوش نہیں ہے؟

اے دل رہے انجام حبابوں کا نظر میں!
موج شکن زلف ہے آغوش نہیں ہے

۱۳۴ھ

اک موج تبسم تو ہو مزد نفس سرد
غنچہ بھی کسی کا لب خاموش نہیں ہے

دریا ہے وہی راہ طلب میں جو رواں ہو
گو ہر میں بھی ہے آب مگر جوش نہیں ہے

صورت کدہ وہم ہے آئینہ ہستی
تمثال حقیقت سے ہم آغوش نہیں ہے

کوثر کے عبث دیتا ہے چھینٹے اسے واعظ
ضامنؔ ابھی ہشیار ہے بیہوش نہیں ہے

مسیح جائے مرے درد کی دوا نہ کرے
جو کام ہو نہ سکے اس کا ادعا نہ کرے

ستم شعار ستم میں کمی ذرا نہ کرے
لگائے قلب پہ چھریاں مضائقہ نہ کرے

کہیں لگے ہم قدر انداز اوس کو جبکا تیر
بلا ارادہ بھی چل جائے تو خطا نہ کرے!

وہ بو رہے ہیں محبت کی راہ میں کانٹے
کرے مگر کبھی اپنے سے راستا نہ کرے

بھلا برا تو وہ کرتا ہے لیکن انساں سے
بھلا کسی کا نہ کر ہو سکے برا نہ کرے

خضر کی راہبری پوچھئے سکندر سے
جو خود غرض ہو کبھی اوس کو رہنما نہ کرے

۱۳۴ھ

یہ زنگ غم نہیں جوہر ہے دل کے رہنے دو
اس آئینہ پہ کوئی صیقلی جلا نہ کرے

نہ آئے بحر میں طوفاں نہ جوش دریا میں
یہ لطف اگر گرہ قطرہ موج وا نہ کرے

شکستہ حالی گل کہہ رہی ہے راز درول
فغان بلبل شیدا پہ اعتنا نہ کرے

جمال دوست ہے آئینہ ساز شوق
حکیم وہم دل حیرت آشنا نہ کرے

بھی بھی پھرے سیل ضیائے مہر منیر
جو ذرہ خاک کا آغوش شوق وا نہ کرے

دو نیم کر دیا ضامن کے قلب محزوں کو
پھر اس پہ حکم یہ ہے شکوہ جفا نہ کرے

حصۂ غزلیات ختم شد

مسمطات

(پ)

مخمس اول بر اشعار حکیم مومن خاں دہلوی

پھر ہے زوروں پہ دردِ پنہانی
بحرِ غم پھر ہوا ہے طوفانی
کیوں نہ ہو وجہِ اشک افشانی
یادِ ایامِ عشرتِ فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

رشکِ جنت پہ جس مکان کو تھا
کیا یہی وہ کھنڈر ہے واویلا
ہے مقدر ہی میں جو ویرانہ
جائیں وحشت میں کیوں سوئے صحرا
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

سچ ہے گزری ہے ایک سی کس کی
ہے تنزل کبھی عروج کبھی
تھی نصیبوں میں خانہ بربادی
خاک میں رشکِ آسماں سی ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی

کیا کریں کھا کے اب شکم کو پیٹ
نہ قلم ہاتھ میں ہے اور نہ سیف
نہ لباسِ شتا نہ لقمۂ صیف
کر دیا گردشِ سپہر نے حیف
برجِ خاکی سپہرِ کیوانی

کیا دھرا ہے جو آ کے لیجائے
خانۂ بے نوا میں کیا پائے
کون ناحق کی ٹھوکریں کھائے
ایسی وحشت سرا میں کون آئے
بیدری کر رہی ہے دربانی

کہیں ٹوٹے ہیں در کہیں روکار
ہیں چھتوں میں شکست کے آثار
ہر طرف سنگ و خشت ہیں انبار
کیا ہوئی وہ بلندیٔ دیوار
کیا ہوئے وہ عمادِ طولانی

صلح سے ہے زمانہ بر سرِ جنگ　　دیدنی ہیں سپہر کے نیرنگ
کل وہ تھا اور آج ہے یہ رنگ　　جائے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ
کاہ کرتی ہے نازِ ریحانی

نہیں معلوم کیا فلک کو ہے بیر　　حالت اپنی ہے اس کے ہاتھوں غیر
چھوڑ کے شر کبھی تو کرتا خیر　　اٹھ گئے حوض و نہر چشم بغیر
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

ہیں تباہی کے ہر طرف ساماں　　آئے دن کا ہے قحط آفتِ جاں
جانور جاں بلب بشر نالاں　　نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں
خاک سارے جہاں کی چھانی

در دے ہے بے زر بیکا بے درماں　　زندگی کھا کے ہوتی ہے غم پنہاں
سر چھپانے کو جھونپڑا نہیں یاں　　سقف رنگین و زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم نورانی!

دل پژمردہ خاک ہو بشاش　　ہم نہ ہوتے جہاں میں اے کاش
ہو گئے ہے عبث اب اونکی تلاش　　شور نداغ و زغن ہے سمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی

کتنی جلدی مٹیں وہ تصویریں　　نقش بر آب تھیں وہ تصویریں
اے خدا کیا ہوئیں وہ تصویریں　　نظر آتی نہیں وہ تصویریں
نقش دیوار کیوں نہ ہو مانی

فرشِ مخمل کہاں جو تھا پہلے　　نہ وہ مسند ہے اب نہ وہ تکیے
تھے جو سامانِ عیش کے سب ہے　　حسرتِ دل گدا ہوئے پردے
زینت افزا ہے کاخ سلطانی

بے محل اب ہے ذکر زینت کا　　تھا وہ دولت کا جو تجملا سارا
بس ہے ضامن جو بوریا ہو سکا　　آپ کاشانہ فرشِ خاک ہوا

کیسے قالیچہ ہائے کاشانی

مخمس بر غزل حضرت غفراں مکاں آصفجاہ سادس رحمۃ

ہر ایک بات ہے دلچسپ و دلربا اون کی
ہر اک روش ہے قیامت کی فتنہ زا اونکی
کبھی نہ بھولے گی تا حشر وہ ادا اون کی
سوال وصل پہ نیچی نظر تھی کیا اون کی
ہماری آنکھ میں پھرتی ہے وہ حیا اونکی

اگرچہ رنج و محن میں کٹی سدا اون کی
زبان خلق پہ رہجائے گی وفا اون کی
ہوئے شہید کہ تقدیر تھی رسا اون کی
مرے جو عشق میں عاشق وہ تھی قضا اونکی
یہ آپ کہدیں کرے مغفرت خدا اونکی

میں ہوں کہ اف بھی نہ کی لاکھ درد و رنج سہے
وہ ہیں کہ حال دل زار بھی نہیں سنتے
میں سرمہ سمجھوں جو خاک قدم بھی ہاتھ لگے
یہ اون کا قول ہے میری بلا ملے تجھ سے
بلائیں اوس کی بھی لوں گر ملے بلا اونکی

نہ اون سے ملنے کی خواہش نہ غم ہی ہجر کا اب
اگر ہے کچھ تو اسی بات کا ہے رنج و تعب
بڑا غضب ہے جو ہوں باریاب بزم طرب
عدو بھی وصل کے طالب ہیں خیر ہو یارب
دعا قبول ہماری ہو یا دعا اون کی

کمند زلف رسا کاکلیں ہیں دام بلا
رسیلی آنکھیں ہیں جادو نگاہ تیر قضا
ہے رخ وہ شمع جسے دیکھ کر ہوں غش موسیٰ
ستم ہے غمزہ بلا ناز ہے غضب ہے حیا
اور اوسپہ ڈہاتی ہے آفت ہر اک ادا اونکی

جو نقش پا ہے محیط جہاں کو کم جانیں
ہو اکو تیرا وہ کس طرح ہمقدم جانیں
نہ کیوں نثار کرے خلق دمبدم جانیں
چلے یہ چال قیامت کی بھی تو ہم جانیں
بہت اڑاتی ہے اٹکھیلیاں صبا اونکی

وہ بوالہوس ہیں سمجھتے ہیں ناز کو جو عذاب
ہیں یادگار یہ راز و نیاز عہد شباب
ہمیں ہیں دونوں غنیمت خطاب ہو کہ عتاب
نہ اس کا مثل جہاں میں کہیں نہ اوسکا جواب
وفا وفا سے ہماری جفا جفا اون کی

وہ جن کے عشق میں شہرہ ہے چارسو میرا
وہ جن سے نام ہے بدنام کو بکو میرا
وہ جن کے واسطے پانی ہوا لہو میرا
اوسی کی مانیں خوشی سے جو ہو عدو میرا
غرض ہی کیا انہیں میری کسی بلا اونکی

ادا کسی کی خدا جانے کیا دکھائے گی!
قیامت آئے گی اک روز اور آئے گی
حیا کسی نرگسی سر پہ قہر ڈھائے گی
کبھی وہ شوخی رفتار رنگ لائے گی
کرے گی خون مرا ایک دن حنا اونکی

ہوا ہے صورت مجنوں کہیں کوئی ناشاد
وہاں پہ اڑتی ہے اب خاک گھر جو تھے آباد
کسی نے پھوڑ کے سر جان دی بنا فرہاد
ہزاروں حسن کی شہرت سے ہو گئے برباد
بندھی ہوئی ہے زمانہ میں کیا ہوا اونکی

ہے عیب لطف ستم عاشقوں کی جانوں پر
کوئی کہے تو کہے زور کیا زبانوں پر
ہر ایک کرتا ہے ناز اپنے قدر دانوں پر
خدا کے سامنے رکھونگا ہاتھ کانوں پر
برائی میں انہیں سننے کا برملا اون کی

سمجھ کے کہتے تھے پہلے ہی سب یہ ہم اے دل
اٹھے گا کس سے اٹھائے یہ کوہ غم اے دل
کہ رکھ نہ راہ محبت میں تو قدم اے دل
وہ ابتدا ہی میں کرنے لگے ستم اے دل
اب آگے آگے قیامت ہے انتہا اونکی

نصیب مجھ کو الٰہی انہیں کی صحبت ہو!
ہو لاگ جن کی غضب اور لگاوٹ آفت ہو
کہ جن کی چال سے ہر گام پر قیامت ہو
بنا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو
ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اون کی

جو پیش آئے محبت کی راہ میں اے دل
یہ اسے دل پہ چلا ہے کسی کا بس غافل
کر اوس پہ صبر کہ ہے جد و جہد لاحاصل
ہر ایک بات پہ استاد تو مچل اے دل

ستم میں تیرے اٹھاؤں گا یا جفا اونکی

خموش اے دل ناداں شکایتیں تا کے
جفائیں کرنے دے کرتے ہیں وہ جو پے در پے
مقدرات کو بھی میٹ سکتی ہے کوئی شے
ازل کے روز سے اک لاگ حسن و عشق میں ہے

نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اونکی

وہ جذب عشق ہی کیا دل پہ جو اثر نہ کرے
گواہی دیتی ہے حالت ہی خود بغیر کہے
بلائے سے جو نہ آتے تھے بے طلب آئے
شب وصال میں جو ہاتھا پائی تھی اُسنے

مسک گئی ہے ہر اک جائے سے قبا اونکی

ہوئے ہیں کھا کے نمک بچپنے سے اتنے بڑے
کہے ہر ایک سے ضامن بھی مفتخر ہو کے
اب آرزو ہے کہ وہ دن خدا نصیب کرے
ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے

عجیب رنگ میں ہر بیچ چھپنے ہو کیا اونکی

مخمس ترجیع بند جو جشن جوبلی حضرت غفران مکاں آصفجاہ سادس رح کے موقعہ پر منجانب اطفال مڈل اسکول محبوب نگر پڑھا گیا

پھرتی ہے باد صبا اترائی
باغ پہ تازہ رونق چھائی
مژدۂ فصل گل ہے لائی
کرتی ہے بلبل نغمہ سرائی

جوبلی آئی جوبلی آئی

مدت سے تھی جس کی تمنا
شاہ آصف جاہ ہمارا
آج خدا نے دن وہ دکھایا
جشن چہل سالہ ہے مناتا

جوبلی آئی جوبلی آئی

شاہ دکن محبوب علی خاں
آپ کے ہم پہ ہیں کیا کیا احساں
آصف ذیشاں رستم دوراں
کم ہے کریں گر جان بھی قرباں

جوبلی آئی جوبلی آئی

تو نے جو گھر گھر مدرسے کھولے ہم نے علم کے موتی رولے
طائر شوق نے جیب پر تولے بلبل نطق چہک کر بولے

جوبلی آئی جوبلی آئی

آؤ لڑکو خوشی منائیں جشن کا دن ہے دھوم مچائیں
جس کا کھائیں اوس کا گائیں! شاہ کو دیں سب مل کے دعائیں

جوبلی آئی جوبلی آئی

یارب شاہ کی عمر و دولت روز افزوں رہے تا بہ قیامت
سر پہ ہو سایہ رب العزت روز یوہیں ہوں جشن مسرت

جوبلی آئی جوبلی آئی

ترکیب بند

جو وفد انجمن الفرض علیگڈھ کی آمد پر ایک خاص جلسہ میں پڑھا گیا

یاد ہیں وہ دن کہ تھا باغ تمنا ہرا گلشن اسلام میں دخل خزاں کا نہ تھا
دولت و اقبال میں حشمت و اجلال میں کوئی ہمارا نہ تھا ہمسر و ہم مرتبہ
فتح و ظفر تھے قریب راہ نما تھا نصیب پھر گئے قوموں کے رخ ہم نے جدھر رخ کیا
ابر ترقی تھا یا کوکب احمدی دیکھتے ہی دیکھتے چار طرف چھا گیا
کردیا قوموں کو ایک ہوگئی بد ساری نیک شرع کی تعلیم نے زشتیاں دیں سب مٹا
دین نبی نے کئے ایک سیاہ و سپید شاہی و ردی کا فرق ہم میں نہ باقی رہا
یاوری بخت سے ہاتھ لگا تاج و تخت پیروی عقل سے مل گئی راہ ہدا
خاک نشینی پہ تھے مہر سپہر عروج نقش قدم جن کے ہیں زینہ بام علا
خادم و مخدوم کا فرق نہ تھا قوم میں سامنے اسلام کے ایک تھے شاہ و گدا
شمع طریق عمل ملت بیضا ہوئی رسم اخوت نبی حبل متین ہوا

شانِ اخوت سے تھی شان سب اسلام کی
یکجہتی پہ بنا ہوتی تھی ہر کام کی

جب کہ بدلا یہ رنگ اور ہی عالم ہوا
تھا جو نہال مراد وہ شجر غم ہوا

باد سموم نفاق چلنے لگی ہر طرف
کینہ و بغض و حسد ذائقہ سم ہوا

گھٹ گئیں غمخواریاں بڑھ گئیں عیاریاں
جاتی رہیں یاریاں جوش و صفا کم ہوا

سلسلہ اتحاد قوم کا شیرازہ تھا
ٹوٹتے ہی جس کے سب دفتر برہم ہوا

شیعہ و سنی کی جنگ فارس و ترکی کی جنگ
تا بہ ابد تفرقہ ہم میں مسلم ہوا

ناصح مشفق کا نام ہجو میں آنے لگا
جس نے کہی نیک بات مستحق ذم ہوا

کوشش رفع نفاق گذری دلوں پہ گراں
بار جہالت سے قد حلقۂ خاتم ہوا

نیچریوں کا گروہ قابل لعنت بنا
چارہ گری کا صلہ قہر جہنم ہوا

نوحہ مرگ پدر نغمۂ عشرت فزا
اور ترقی کا راگ نوحۂ ماتم ہوا

عقل پہ پتھر پڑے ہو گئی الٹی سمجھ
ہر ادب آموز قوم جہل مجسم ہوا

خواری و ذلت کو بھی سمجھے کہ اقبال ہے
اپنی تباہی کی جڑ زشتی اعمال ہے

بادۂ عشرت کجا خون جگر تک نہیں
اپنی خرابی کا آہ دل پہ اثر تک نہیں

بستر سنجاب ہے ہم کو یہی فرش خاک
خواب میں ہیں مست گو بالش سر تک نہیں

جہل۔ تعصب۔ نفاق۔ بے ہنری۔ کاہلی
گھر میں گھس آئے ہیں چور پہ ہمکو خبر تک نہیں

لٹ گیا شہر کمال کھد گیا قصر جلال
ہو گئی برباد قوم رہنے کو گھر تک نہیں

صولت جد و پدر دولت فضل و ہنر
غیروں پہ ہے سب ہدر راہ مفر تک نہیں

شان وہ اسلاف کی حال یہ اخلاف کا
گدیہ گری کے سوا شکل بسر تک نہیں

بے خبری یہ نہیں بے پدری جانیے
ہیں یہ پسر ہونہار یاد پدر تک نہیں

یاد ہوں کیا وہ پدر مل گئے جو خاک میں
ان کا تو یہ حال ہے فکر پسر تک نہیں

سب یہی مرگ قوم ہے مرض الموت قوم
شام کو بچ بھی گئی گر تو سحر تک نہیں

سلطنت و نیوی ملک کسی کی نہ تھی!
پر یہ غضب کیا ہوا علم و ہنر تک نہیں

کھول کے آنکھیں ذرا بہر خدا دیکھیئے!
تھے ابھی کل آپ کیا آج ہیں کیا دیکھیئے

اب بھی گیا کیا ہے ہو باہم اگر اتفاق
چھوڑیے یہ خوئے زشت خوب نہیں ہے نفاق

سارے مسلماں ہیں ایک یاد رہے یہ اصول
قہر ہے اندھیر ہے ان میں ہو گر افتراق

بحث نہ اس سے کرو کس کا وطن ہے کہاں
ہند ہو یا ہو دکن شام ہو یا ہو عراق

ایک عمارت کے ہیں چھوٹے بڑے سب ستون
جن سے ہوا قصر دیں رد کش نیلی رواق

کچھ متزلزل ہوا ان میں سے کوئی اگر
جان لو مسمار ہیں یہ در و بام و اطاق

اب بھی جو مل کر بہم لیجئے ہمت سے کام
نکبت و ادبار یہ سارے ہوں بالائے طاق

تیرگی جہل سے پائیں مسلماں نجات
نیّر اسلام سے دور ہو دَورِ محاق

پھر ہو وہی عظم و شان پھر ہو وہی آن بان
پھر ہو وہی دبدبہ پھر ہو وہی طمطراق

اس کے لئے ہے مگر اتنی ضرورت ضرور
عرض کروں باادب ہو نہ اگر دل پہ شاق

گرم نوائی میں آپ کہئے گا مجھ کو معاف
آگ ہے دل میں لگی خون میں ہے احتراق

چھوڑیے ناٹک کا شوق علم و ہنر سیکھیئے
تجربہ کسب زر خرچ کے زر سیکھیئے

سوانگ نیا لائے ہیں چند مہذب جواں
ان کی طرف دیکھیئے یہ بھی ہیں ذی عز و شاں

شہری و ملکی نہیں ہیں یہ غریب الدیار
رنج سفر جھیل کر آئے علیگڈھ سے یاں

گو کہ نہیں ہیں گدا مانگتے لیکن ہیں بھیک
جاکٹ و پتلوں پر ڈالے ہوئے جھولیاں

ٹھیک نہ معلوم ہو آپ کو گر انکا حال
ان کی حقیقت مجھے کرنی پڑے گی عیاں

باغ ہے کل ہند میں ایک مسلمانوں کا
جس کا تھا اک پیر مرد پہلے کا بھی باغباں

باغ لگایا تھا یہ اوس نے بصد جدّ و جہد
حیف نہ پائی مگر دست اجل سے اماں

تھا وہی خدمت گزار اور وہی آبیار
مرگیا وہ اور ہے باغ کو خوف خزاں

یہ بھی اوسی باغ کے خادم بے مزد ہیں
خادم بے مزد قوم قوم کے ہیں باپ ماں

قوم کے غم سے نژند قوم کی شادی سے شاد
دل سے جو ہمدرد ہوں ایسے بشر ہیں کہاں
ان کو اسی باغ سے چونکہ ملا ہے ثمر
ذائقہ درد کو سمجھی ہے ان کی زباں

کرتے ہیں خدمت ادا دل سے یہ خلعت اساس
قوم کے مخدوم ہیں قوم ہو گر حق شناس

ہند میں ملک دکن مرکزِ اسلام ہے
شرق سے لے تا بغرب اسکا بڑا نام ہے
والیٔ عالی نژاد خسرو والا نہاد!
یعنے حضور نظام مرجعِ اقوام ہے
اپنوں ہی کی وہ بھلا لیگا نہ کیونکر خبر
غیروں پہ جس شاہ کا بذل و عطا عام ہے
ملک کی بہبود ہے قوم کی بہبود سے
مجمع اجزا ہی سے صورت اجسام ہے
قوم ہو گر فرد فرد قوم نہ باقی رہے
ملک ہو گر جزو جزو قطعۂ انعام ہے
یاں پہ یہ قومی گدا آئے ہیں دیتے صدا
قوم کا ہے چل چلاؤ یاروئیں کہرام ہے
اے شہ اسلامیاں تو ہے پناہ جہاں
تجھ سے بنا ہی بہت مادر ایام ہے
تو نے بہت کچھ دیا مدرسہ کو قوم کو!
دوحۂ تعلیم کا پھر بھی ثمر خام ہے
حضرت محبوب علی کون ہے تجھ سا قوی
گرتی ہوئی قوم کو تھام علی نام ہے
یاں کے مسلمانوں سے بھی ہے یہی التجا
بھیک دیں راہ خدا قوم کا یہ کام ہے

آج نہ لی گر خبر پھر نہیں کل خیریت
یہ ہوں کہ وہ میں کہ تم ہوگی بری سب کی گت

ترکیب بند

جو اقبال کلب حیدرآباد دکن کے خاص جلسہ میں پڑھا گیا

پھر جاں حریف حسرت و آلام و درد ہے
پھر سوئے دشت عزم نفس رہ نورد ہے
پھر عرصۂ خیال میں ہنگامہ ہے بپا
پھر دل امید و بیم کا دشت نبرد ہے
ہے ہمت آج مرحلہ پیمائے شوق پھر
پھر پائے گوچہ گرد ہوس دشت گرد ہے

پھر ہو رہی ہے گرمی بازار آرزو
ہنگامۂ فضولی و کرد و نہ کرد ہے
پھر فکر ہے کہ جمع ہو وہ دفتر تباہ
اک عرصۂ دراز سے جو فرد فرد ہے
سودائے خام لائے لگا رنگ پختگی
پھر بدر و مہ آہ کچھ فلک لاجورد ہے
دھل جائے آب شرم سے گر کچھ عجب نہیں
رخ پر جمی ہوئی جو جہالت کی گرد ہے
کہتا ہے کون گر کے پھر اٹھتا نہیں کوئی
ہر قوم اس بساط پہ چوسر کی نرد ہے

ہاں سختی زمانہ کی پروا نہ چاہیے
عزم صمیم و ہمت مردانہ چاہیے

ہے یاد پہلے صاحب تاج و نگیں تھے تم
بزم جہاں میں صدر نشیں اک نہیں تھے۔ تم
اقبال تھا بزرگوں کا خالق کی دین تھی
جس کے سبب سے مالک روئے زمیں تھے۔ تم
وہ دن گذر گئے وہ زمانہ نہیں رہا
جب پورباروپسر آتبیں تھے۔ تم
ہاں پہلے تھے کبھی قرشی اور ہاشمی
اسلام کے سپہر پہ ماہ مبیں تھے تم
کیا فائدہ ہے تم سے کہے کوئی آج گر
یہ ذکر کل کا ہے کہ جہاں تھے جبیں تھے تم
اسوقت تو حضیض مذلت میں ہو پڑے
گو پہلے ساکن فلک ہفتمیں تھے تم
سوچو ذرا تو کس لئے دولت وہ چھن گئی
خالق نے دی تھی جو تمہیں جسکے امیں تھے تم
اقبال و جاہ و دولت و علم و کمال و فضل
کیا ان میں سے کسی کے بھی قابل نہیں تھے تم؟

کس نے یہ تم کو بادۂ غفلت پلا دیا
مٹی میں آہ نام آب و جد ملا دیا

جو کچھ ہوا ہوا مگر آگے اب ہوگا کیا
بربادیوں کا کون دقیقہ ہی اٹھ رہا!
اک وہ تھے جو گدا سے بنے شاہ بحر و بر
اک تم ہو چھوڑ کر جو حکومت بنے گدا
وہ تھے کہ عزم و ہمت جرأت کی تھے مثال
تم ہو کہ جبن و سستی و غفلت پہ ہو فدا
وہ تھے کہ جن کے پاؤں کے نیچے تھے بر و بحر
تم ہو کہ خاک سر پہ ہے اور اشک زیر پا
وہ تھے کہ جن کے سایہ میں غیروں کو تھی اماں
تم ہو کہ اپنے سایہ سے بھی رہتے ہو خفا
باغ وجود میں جو گل سرسبد تھے وہ
تم صفحۂ جہاں پہ ہو اک داغ بدنما

یوناں سے جاکے لائے وہ سرمایۂ علوم
ثروت میں جانتے تھے وہ کسب ہنر کو فرض

اور تم نے گھر میں جو تھا اُسے بھی لٹا دیا
حاجت میں تم نے بے ہنری کا سبق لیا

کس مے نے تم کو بیخود و مدہوش کر دیا
انجام کار کو بھی فراموش کر دیا

بیخود ہو اب بھی یاکہ سرو پا کا ہوش ہے
خمخانہ جہاں کیطرف اک نظر کرو!
پیر مغاں بنا ہے ہر اک رند خستہ حال
زیر خرابہ خاک بسر تھا جو کل پڑا!
کیسا غضب ہے ہم نے اتاری تھی جو شراب
ماتم کی صف بنی جو بساط نشاط تھی
دامن ہے خوں کے آنسوؤں سے دامن بہار
کیا جانے کیا زباں سے نکلتا ہے جوش میں

اُس کی سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
دیکھو مئے عروج کو ہر خم میں جوش ہے
ساقی کا جانشین ہے جو دُرد نوش ہے
موج مئے کمال سے وہ درعہ پوش ہے
وہ اب یہیں ہے نیش حریفوں کو نوش ہے
نغمہ کے بدلے جزع و بکا و خروش ہے
داغ الم سے دل سبد گل فروش ہے
احباب کے لئے یہ سخن بار گوش ہے

ہر چند یہ کہیں گے بہت کچھ بھلی بُری
میں تو یہی کہوں گا کہ ہے بیخودی بری

اے قوم ہوشیار ہو غفلت کے دن نہیں
ہنسنے کا یہ محل نہیں رونے کا وقت ہے
وہ دن بھی یاد ہیں کہ ہمارا ہی دور تھا
بیغیرتی کا اوڑھ کے برقع نہ شاد ہو
کچھ دن جہاں میں اور بھی رہنا ہے گر تجھے
آپس میں اتفاق کی فکر ضرور ہیں
اب بات بات میں نہ جہالت کو دخل دے
حاجت ہے اسکی اب من و تو کا رہے نہ فرق
قائل ہیں جتنے اشہد ان لا الہ کے

جد و پدر کے عظمت و شوکت کے دن نہیں
ایام غم ہیں عیش و مسرت کے دن نہیں
اب دور ساغر مئے عشرت کے دن نہیں
کر عزت اپنی گو کہ یہ عزت کے دن نہیں
ہمت سے کام لے کہ حمایت کے دن نہیں
یہ باہمی نفاق و خصومت کے دن نہیں
لے کام عقل سے کہ جہالت کے دن نہیں
ذکر نزاع مشرب و ملت کے دن نہیں
بس ہے کہ چلنے والے ہیں سب ایک راہ کے

گرو وزنی ہے زید بلا سے ہوا کرے — جنت ملے گی عمرو کو اچھا ملا کرے
ضامن وہ جنتی ہے ہمارے عقیدے میں — جس طرح سے ہو قوم کا جو کچھ بھلا کرے
شیعہ سے کوئی بحث نہ سنی سے ہے غرض — اسلام خلق میں رہے باقی خدا کرے
اسلام کی بقا ہے مسلمانوں کی بقا — آئے وہ دن کہ انسے زمانہ وفا کرے
لیکن وفا کرے گا زمانہ جبھی کہ قوم — من حیث قوم خدمت قومی ادا کرے
ہر شخص سمجھے حق اخوت کو فرض عین — یہ جان اوسپہ اور وہ دل اس پہ فدا کرے
گر یہ نہیں تو جان لو آیا قریب وقت — بیماری اجل کو مسیحا بھی کیا کرے
اس طرح سے تو چل نہیں سکتا ہے کوئی کام — رینگیگی نہ جوں بھی کانوں پہ ناصح بکا کرے

ہشیار سر سے سیل تباہی گذر گئی
"بیدار اب کہ لذت خواب سحر گئی"

دیکھو ادھر یہ کون ہیں کیا ہیں کہاں کے ہیں — انساں ہیں جن ہیں یا کہ ملک آسماں کے ہیں
گلفام ہیں کہ سبز پری ہیں کہ لال دیو! — آئے ہیں بمبئی سے کہ ہندوستاں کے ہیں
کرتے ہیں ذکر قوم کا نیچر نہ ہو کہیں! — بس چلیئے اب سمجھ گئے ہم یہ جہاں کے ہیں
ہیں جاں نثار قوم کے سید کی یادگار — یہ بھی مرید خاص اوسی پیر مغاں کے ہیں
ہے ہے یہ کس کا نام زباں سے نکل گیا — شاکی دل و جگر مری تیغ زباں کے ہیں
وہ کیا گیا کہ جان گئی قوم سے نکل — قالب ہیں پنج کرور جو محتاج جاں کے ہیں
سب بے دین تھا لعین تھا مرتد تھا کچھ بھی تھا — پر ذلہ خوار ہم اوسی محسن کے خواں کے ہیں
لیکن اوسی نے ہم کو خودی کا سبق دیا — ہم جن سے چونکے نعرے اسی کی فغاں کے ہیں

مذہب میں اوس کے خدمت قومی تھی فرض عین
حقا کہ تھے عبادت مقبول اوس کے ہین

خوبو اوسی کی اونکے دماغوں میں ہے بھری — مدنظر ہے قوم کی ان کو بھی بہتری
مومن نہ ہوں پہ مومنوں کے خیرخواہ ہیں — واعظ نہ ہوں پہ قوم کے یہ بھی ہیں مشتری
اسلام کے فدائی ہیں بے مزد و بے صلہ — دہری خطاب دے انہیں کوئی کہ نیچری

دل سے عروج قوم کی لو ہے لگی ہوئی	مٹ جائیں خود یہ چاہیں گے یارو نکی برتری
سمجھے ہیں یہ ضرورت تعلیم کو اہم	جس کے بغیر ہوگی نہ شاخ امل ہری
تم سے تمہارے واسطے ہیں بھیک مانگتے	پیشہ کیا ہے قوم کی خاطر گداگری
خالق کرے کہ تم کو بھی ہوش آئے اسقدر	محسوس ہو کچھ اپنی تباہی و ابتری
ان کیطرح سے دل میں تمہارے بھی درد ہو	مہلک مرض کو جہل کے سمجھو نہ سرسری

تجویز جو دوا یہ کریں اوس کو مان لو
تعلیم پہ مدار ترقی ہے جان لو!

تعلیم مدرسوں کی نہیں تم کو کارگر	کرتی ہے جو ضرورت قومی سے بے خبر
تعلیم اپنے بچوں کو اس طرح کی دلاؤ	پھیلائے اتفاق جو ان میں بہم دگر
درکار اس کے واسطے ہیں ایسے مدرسے	سید نے جس کی ڈالی تھی بنیاد پیشتر
سعی بلیغ چاہیئے جن کے قیام میں	حتی کہ دار علم بنے خود ہر ایک گھر
افسوس قوم سے مگر اس کی نہیں امید	سینچا گیا جب اس سے نہ چھوٹا سا اک شجر
کالج کا ایک کام مکمل نہ ہو سکا	کیا حشر ہوگا کام جو چھیڑا دوسرا اگر
بے سود کوششیں ہیں یہ بیہودہ خواہشیں	کیوں لوگ غل مچاتے ہیں ناحق یہ گردو کر
باتیں بنانے سے نہیں چلتا ہے کوئی کام	ہے قول سے عمل کی جداگانہ رہگزر

جو چاہیں کہہ لیں بیٹھ کے گھر میں زبان سے
کرتے ہیں کام یہ کوئی کرنے کی شان سے

جاگو خدا کے واسطے غفلت کو چھوڑ دو	بغض و نفاق و کینہ و نخوت کو چھوڑ دو
گر اعتبار دوست پہ اپنے نہیں تمہیں	للہ مدعی کی رقابت کو چھوڑ دو
گر پیروی عقل نہیں ہے تمہیں پسند	بیراہ رو نہو نہ حماقت کو چھوڑ دو
قسمت کے خوابہائے پریشاں میں مت پڑو	خود کچھ کرو بہانہ قسمت کو چھوڑ دو
قسمت ہے اوس کیساتھ جو ہمت سے کام لے	ایسا نہ ہو کہ دامن ہمت کو چھوڑ دو
زنجیر توڑ دو یہ جو ہے پاؤں میں پڑی	یارو تعصب اور جہالت کو چھوڑ دو

پہلے جو کام سب سے مقدم ہے وہ کرو
ہر بابیوں کی بیہدہ عادت کو چھوڑ دو

دو ان کا ساتھ جو یہ علیگڑھ سے آئے ہیں
ان کے مخالفوں کے رفاقت کو چھوڑ دو

نیچر نہ سمجھو پیر طریقت یہی تو ہیں
مخدوم قوم و خادم ملت یہی تو ہیں

گھبرائیے نہ خاتمہ عرض حال ہے !
جو کچھ ہے دل میں آئے زباں تک محال ہے

اس سرزمیں پہ خون تمنا کا بہہ گیا
مایوس دل ہو نہ وحشت قتال ہے

یا ہم جہاں میں ادب آموز خلق تھے
یا اب لکھے پڑھے ہوؤں کا ہم میں کال ہے

اسلامیوں کو جہل نے دنیا سے کھو دیا
اعمال زشت کا یہ ہمارے مآل ہے

محتاج روٹیوں کو ہیں جو تاجدار تھے
دنیا میں نادرات سے اپنی مثال ہے

نیرنگی طلسم ہے کیفیت جہاں
عالم بساط خمکدۂ اختلال ہے

گرداب و مد و جزر محیط امید و بیم
تار نگاہ دیدۂ عبرت کا جال ہے

کل کیا تھا آج کیا ہے خدا جانے کل ہو کیا
امید پھر محرک پائے خیال ہے

جہدے نما بیاب دگر راہ خانہ را
"بشکن بآب صبح خمار شبانہ را"

مرثیہ ترکیب بند

بر وفات حسرت آیات حضرت قبلہ گاہی مولانا مولوی سید محمد کاظم حبیب کنتوری مرحوم

اعلی اللہ مقامہ

اے فلک ایکدم کو رخصت آہ
میری حالت سے ہے خدا آگاہ

کجروی نے تری کیا دل تنگ
رات دن دیکھتا ہوں موت کی راہ

ہے چمن زار اشک خوں دامن
نفس سرد ہے نسیم گیاہ

آہ جاں سوز برق خرمن صبر
رگ ابر بہار تار نگاہ

بجھ گیا دل برنگ شمع سحر — رنگ ہستی کو دیکھ کر واللہ
لفظ ہستی ہے شرح حرف عدم — کوئی باقی نہیں بغیر اللہ
تخت طاؤس گر ہو تختۂ مرگ — ہے نتیجہ وہی غم جانکاہ
ہے سراب خیال کا دہوکا — بحر خضرا و مہر و اختر و ماہ
سب ہے وہم ضعیف کا پرتو — باغ و بستان و نخل و برگ و گیاہ
سہ موالید اور عناصر چار — سب کا حاصل ہی صفر سے کوتاہ
نام کو ہفت روزہ ہے دنیا — مگر اس میں بھی ہے شک اشیاہ
عدم اول ہے اور عدم آخر — اسپہ ہیں خود مشاہدات گواہ

چشمۂ زندگی ہے بحر فنا
ہے جہان حدوث شہر فنا

رنگ لاتا ہے آسماں کیا کیا — دیکھیں نیرنگیاں یہاں کیا کیا
ہو گئے صرف دست برد خزاں — چمن و باغ و بوستاں کیا کیا
بے نشانی سے کیوں نہ کھوکے نام — نامیوں کے مٹے نشاں کیا کیا
زیر سقف فلک ہے یاروں کو — ہوس بام و آستاں کیا کیا
ہیں مکیناں خانۂ بے در — آرزومند پاسباں کیا کیا
دیکھتے ہیں کہ نذر دست اجل — ہوتے ہیں پیر و نوجواں کیا کیا
پھر بھی اکسیر کی تمنا ہیں! — عمر کھوتے ہیں رائگاں کیا کیا
گو نفس ہے شدید خاموشی! — ساز ہستی پہ ہیں گماں کیا کیا
ہے بقا گرچہ نقش پائے فنا — خاک اڑاتے ہیں کارواں کیا کیا
رکھتے ہیں پیروان اسکندر — خواہش عمر جاوداں کیا کیا
سنتے ہیں اک وجود وہمی پہ — چشمہ و خضر کے بیاں کیا کیا
خبر اس کی مگر نہیں کہ ہے موت — متقاضی برائے جاں کیا کیا
کیا کرے کوئی لیکے آبحیات — مرگ تعبیر جب ہے خواب حیات

کیا ہوا دل جو بیقرار ہے آج
سینہ کس زخم سے فگار ہے آج

آسماں کیا زمیں پہ ٹوٹ پڑا
شور محشر جو آشکار ہے آج

ہو نظر میں نہ کیوں زمانہ سیاہ
منقلب رسم روزگار ہے آج

ابر غم ہے نہیں یہ ابر بہار
چشم ہر اختر اشکبار ہے آج

تیرگی ہے نشان شال عزا
خود جہاں ہے کہ سوگوار ہے آج

لٹ گیا ہائے کس کا باغ وجود
کہ خزاں سے خجل بہار ہے آج

سیر گلشن نصیب مدعیاں
داغ سینہ پہ لالہ کار ہے آج

حسرت جاوداں کی بار آئی
رخصت عیش مستعار ہے آج

پہلے تھی خار آرزو کی خلش
غم کی برچھی جگر کے پار ہے آج

اختلال حواس ایک طرف
کہ عناصر میں انتشار ہے آج

کیا عجب روح پر ہو جسم جو بار
جسم کو خود ہی روح بار ہے آج

رخصت ای آہ جاں گسل رخصت
اپنی ہستی سے مجھ کو عار ہے آج

دشمنوں کو یہ دن نصیب نہ ہو
ہیں زمانہ میں ہاں حبیب نہ ہو

ہائے کس کا زباں پہ نام آیا
رگ جاں نے جو نیشتر کھایا

ہے کہاں میرا ایہ دار کہ جو
لکھے اب مجھ کو اپنا سرمایہ

غم یہی کیا ہے کم کہ اٹھ جائے
سر سے بیٹے کے باپ کا سایہ

نہ کہ جو باپ ہو حبیب سا باپ
نام آبا کو جس نے چمکایا

جو کہ تھا وجہ نازش اسلاف
جس سے اخلاف نے شرف پایا

نیر اعظم سپہر کمال
عرفی و انوری کا ہم پایہ

دانش اوسکے کلام کا زیور
حکمت اوس کے سخن کا پیرایہ

باب علم نبی کا پوتا تھا
علم ورثے میں اوسکے تھا آیا

اوس کے روشن سواد خط نے مدام
رقم مہر و مہ کو شرمایا

اف ری آتش زبانیاں اوسکی
ہر دل سرد جس سے گرمایا

گو کہ ایمان شاعری ہی جھوٹ
پر نہ وہ راستی سے باز آیا

بارہا اوسکا رنگ حکمت بیز
روح سعدی کو وجد میں لایا

اٹھ گیا دفعتہ وہ جان سخن
آہ ویراں ہوا جہان سخن

اوس سے تھی رونق جہان کمال
وہ زمیں پر تھا آسمان کمال

اوس کی ایک ایک بات جوہر نطق
اوسکا ایک ایک حرف جان کمال

اوس کی تحریر حرز جان سخن
اوس کی تقریر داستان کمال

اوس سے شاداب تھا ریاض کلام
اوس سے سرسبز بوستان کمال

اوس کا ہر غنچہ مضامیں تھا
گل صد برگ گلستان کمال

اوس کے دلدادہ معنی وحشی
اوس کے وارفتہ عاشقان کمال

وہی خلاق تھا معانی کا
تھا کلام اوس کا ارمغان کمال

خاک کنتور اوسکے دم سے بنی
غیرت خاک اصفہان کمال

زندہ تھا اوس سے نام نیشاپور
تھا نظیری دم بیان کمال!

فخر تھا اوس کو عشق و ناسخ پہ
تھی مگر یہ بھی ایک شان کمال

اب جسے چاہیں لوگ ٹھہرائیں
اوستاد سخن ضمان کمال

اوس کے اٹھنے سے مٹ گیا لیکن
صفحۂ دہر سے نشان کمال

رونق بزم شاعری نہ رہی
سب رہا نکتہ پروری نہ رہی

اوس کا دل تھا ہزار فنوں کا ساز
کب فقط ریختہ تھا مایۂ ناز

فاضل کامل و ادیب دراریب
ناظم و ناثر بدیع طراز

تھا ظہوری کی طرح سے جو وحید
نثر نثری سے نثر تھی انباز

کس نے لکھا معاملہ ایسا
ہوتا بوالفضل کا نہ کیوں دمساز

فیصلے اوس کے ہوتے گر مشہور — اوس کو محمود جانتا ہر ایاز
اوس کی تفسیر پاتی گر تکمیل — دیتی فیضی کی روح یہ آواز
مرحبا مرحبا حبیب لبیب — "نیک انجام یافت آں آغاز"
اگر آہنگ فارسی چھیڑا — ہوگئے بند حسن کے اہل حجاز
عاشقانہ غزل پڑھی جو کبھی — دل سامع تھا مثل شمع گداز
لی ثنائی سے داد حسن بیاں — حکمت آمیز گر ہوا انداز
گل کھلائے اگر نصیحت کے — تازہ کی روح بلبل شیراز
قلم اٹھا اگر تصوف میں — کر دیا وا در خزینۂ راز

باغ معنی کھلا دیا اوس نے
معنوی کو بھلا دیا اوسنے

کس سے کہیئے وہ کیا تھا کیسا تھا — فرد تھا بے بدل تھا یکتا تھا
ڈھونڈیئے عمر بھر جو لیکے چراغ — نہ ملے مثل اوس کا ایسا تھا
جیسی صورت تھی ویسی سیرت تھی — دل بھی روشن مثال سیما تھا
نیک دل نیک نفس نیک نہاد — سربسر نیکیوں کا پتلا تھا
ہو عداوت کسی سے یا الفت — کھوٹ دل میں کبھی نہ رکھتا تھا
تھا جو رندانہ پن تو بالاعلان — بے ریا تھا جو زہد و تقوی تھا
کام تھا کنبہ پروری اوس کا — ہاتھ تھا تنگ دل کشادہ تھا
ایک کی آمد اور دس کا خرچ — ہمت اوس کی تھی دل اُسی کا تھا
گرچہ ناواقفوں میں تھا جزرس — گھر میں حاتم سے بھی زیادہ تھا
ہم وطن ہو عزیز ہو کوئی ہو — سب پہ در اوسکا راتدن وا تھا
فکر تھی دوسروں کی راحت کی — آپ تکلیف خود اٹھاتا تھا
یوں تو سب ہیں مگر عزیزوں کو — ایک اسی ذات کا سہارا تھا
ایسا سردار خاندان نہ رہے — کام کیا پھر رہے جہاں نہ رہے

اگرچہ قانون ایزدی ہے یہی — کہ پسر دیکھے داغ بے پدری
ہم نے مانا کہ جانے والے تھے آپ — مگر ایسی ابھی تھی کیا جلدی
نہ قوی کچھ ضعیف تھے ایسے — نہ مرض کوئی تھا نہ بیماری!
تھی فقط چار اور پچپن سال — باغ ہستی کی سیر فرمائی!
ابھی مرنے کے دن نہ تھے ہرگز — ملک الموت کو یہ کیا سوجھی
گھر کا رستہ بتا دیا کس نے — کام کیا موت کا تھا کیوں آئی
چلتے پھرتے یہ کیا ہوا یارب — کیا بلا آسماں سے ٹوٹ پڑی
صرف مرنے سے دو گھڑی پہلے — مانگی دفتر کے جانے کو گاڑی
یک بیک پھر خیال کیا آیا — باگ جو خالد کی طرف پھیری
کون سی ایسی بات آئی پیش — طبع نازک پہ جو گراں گذری
جان دے اس طرح وہ جنگل میں — ہائے کشتور کا وہ شیدائی
حیدرآباد لائیں لاش احباب — اف ری بیکسی و تنہائی

یوں ہی پردیس میں جو مرنا تھا
مجھ کو تو اطلاع کرنا تھا

مجھ سے دیکھی تھی کہ خطا کوئی — کیا نہ تھا اور دوسرا کوئی
کیا ہوا تھا برادر جانباز — جس سے تم کو نہ تھا سہارا کوئی
جو پسر سے بھی تھا گرامی تر — جیسا کم ہوگا باوفا کوئی
آپ کا وہ پچاس سال کا دوست — دور ایسا بہت تھا کیا کوئی
لکھ کے خط کیا اسے بلایا تھا — تار برقی دیا تھا یا کوئی
کیوں نہ آئے عدالت کا بھی کام — تیری خدمت سے تھا جدا کوئی
کاش اتنا تو مجھ سے فرماتے — ہے منتظر ہی کو بلا کوئی
بدنصیب اور نہ ہم سا ہوگا کون — نہ ہوا حق ترا ادا کوئی
خیر گھر والوں سے جو نفرت تھی — پاس تھا یار و آشنا کوئی

تھے شباب و سلام و عالم و شوق — یار خدمت میں پا سکا کوئی!
نوحہ خواں تھا بجز صدائے نفس؟ — ہمنشیں وقت نزع تھا کوئی؟
کون سمجھا تھا ہوں گے ہیچ یہ سخن — تم دلی تھے نہ ظاہرا کوئی

اب کھلا مرد راہ تھے حضرت
ہاں سیادت پناہ تھے حضرت

الوداع اے کلیم طور سخن — ہم ہیں اب اور رنج و درد و محن
رنگیا تیرا مرثیہ کہنا! — نہ مذاق سخن نہ لطف سخن
خانہ بربادیوں کا ذکر ہی کیا — حجرہ حجرہ ہے گھر کا بیت حزن
دیکھ کر حالتیں بزرگوں کی — نقش حیرت ہیں بچے سب ہمہ تن
ایک کہتی ہے سو گئے ابا — ایک کہتی ہے مر گئے وہ بہن
پر وہ کیا جانیں موت ہے کیا چیز — کھیل کے دن ہوں جنکے اور بچپن
ہے سمجھدار کوئی تو اس کا — خشک ہے وحشتوں سے خون بدن
کس کو بہلاؤں کس کو سمجھاؤں — یاس و حسرت سے بنے ہیں قفل دہن
دیکھوں اس جنگ کا ہو کیا انجام — مجھ سے یہ خاش پر ہے چرخ کہن
ایک دل اور ہزار تیر الم — ایک سر اور لاکھ سنگ فتن
جائے اذن نہ پائے فتن ہے — مجھ کو دوزخ ہے ہو وطن کہ دکن
یاد اب کیوں وطن کی آتی ہے — نہ رہا جب وہ جان نثار وطن
سکہ کشور کو جو کہتا تھا — آہ اوس کا دکن ہوا مدفن

تھا یہی کیا نوشتۂ تقدیر
ایک جا ہوں حبیب و آغا و مہر

بس کر اے [illegible] — سنکو آتا ہے بار بار جگر
دل [illegible] زباں پہ [illegible] — جانگزا سانحہ ہے مرگ پدر
تیری [illegible] نصیب [illegible] — کیجئے کیا مشیت داور

چارہ جز صبر اب نہیں کوئی دھوئیں گے کیا یہ داغ دیدۂ تر
ایک دن یونہیں سب کو مرنا ہے سب کو طے کرنی ہے یہ راہگزر
ہو خطاکار یا ہو نیکوکار موت سے یاں نہیں کسی کو مفر
اسے خوشا بخت اوسکے جسنے کیا بوئے گل کیطرح جہاں سے سفر
خدمت آخری کو بھی نہ ہوا اپنے بیگانہ کا جو دست نگر
نیک بندے خدا کے ایسے کم آتے دنیائے زشت میں ہیں نظر
مست حب ولائے آل تھا وہ تھا ثنا خوان سبط پیغمبر
حیدری تھا محب تھا ہوگا ضرور از دم نزع تا دم محشر
حشر میں حوض پر قیامت میں! اوس کا ہاتھ اور دامن حیدرؑ
شد فنا در ولا و بجر بقا دخل الجنۃ ہی الماویٰ
۱۰۳ ۱۲۴۱ + = ۱۳۴۴ھ

مرثیہ ترکیب بند
بر وفات مولانا سید امجد علی اشہری مرحوم

تو بھی آخر چل دیا سن کر صدائے الرحیل اشہری اب ہم کہاں سے پائینگے تیرا عدیل
گو ہوا ہے تو طلب رونق فزائی کو وہاں ہو نہیں سکتے جہاں ہم در رہا ہرگز دخیل
کس طریقہ سے مگر ہوگا ہمارا غم غلط رونق بزم احبا کی تھا کوئی سبیل!
دوست سے کورانہ سختی سے کیا تجھ کو سروکار ہے غضب جاتا رہا اک اور اردو کا کفیل

ہم کو رکھے گا یہ صدمہ مدتوں یونہیں خراب
چشم پرنم آہ بر لب سینہ بریاں دل کباب

کیا نتیجہ کہہ کے وہ باتیں جو سننے ہوں کہیں بیتے خاکی پیکر انسان فانی کچھ نہیں
ایک خواب خوش ہے روح اور زندگی افسانہ ہے جو نہیں ایسا کریں اک دم بھی جسکو دلنشیں

دہر میں جب حادثہ کوئی بڑا آئے نظر
اوس سے عبرت کا سبق حاصل کریں اہلِ نظر
دی ہیں خالق نے ہمیں کیا آنکھیں اتنی ہی لئے
تا کہ برسایا کریں آنسو قیامت تک یوہیں

غمِ جدائی کا تری کوئی بٹا سکتا نہیں
داغ یہ دورِ فلک دل سے مٹا سکتا نہیں

ہے محبت کے لئے یہ کام از بس خوشگوار
خوبیوں کا تیری ہر دم کرتی رہتی ہے شمار
تھے ترے افعال سوچ چشمہ فیضِ ازل
ذکر جن کا دل سے دھو دیتا ہے گردِ انتشار
زندگی میں قوم نے تیری نہ کچھ کی قدر حیف
اب کہاں ہاتھ آئیں گے اردو کو یہ خدمتگزار
کون پہنچائیگا اس کشتی کو ساحل تک بھلا
جو کہ برگِ کاہ سے بھی ہے سوا ناپائدار

پر سہے جی میں کام کچھ ہاتھوں سے لینا چاہئے
ہو جہاں تک ناؤ کو اردو کی کھینا چاہئے

حیرت افزائے نگاہِ شوق تھا تیرا جمال
اس بڑھاپے میں ترا چہرہ تھا اک مہِ کمال
مہماں لاکھوں ہی خوانِ علم پر تھے۔ تھا اگر
لقموں سے دہر کی خالی ترا خوانِ نوال
عادتِ مہر و وفا خوش خلقی و خوش نیتی!
تھے تری سیرت کے چہرہ پہ یہ دلکش خط و خال
دل دکھاتی ہے ہمارے اب انہی باتوں کی یاد
خارِ غم بن کر کھٹکتے ہیں جگر میں یہ خیال

لیکن ان باتوں پہ اب رونے سے حاصل کچھ نہیں
ساتھ مرنے والے کے سنجے بیاں بھی مر گئیں

تھا فلک پرواز تیرا طائرِ فکرِ رسا!
فکرِ دنیا سے پریشاں اسلئے ہوتا نہ تھا
علم سے تیرے ہوا نامِ وطن [illegible]
سارے پیشوں سے تھا اشرف بالیقیں پیشہ ترا
رک گئی تھی کب تیرے گوہر بار خامہ کی زباں
کہتی رہتی تھی حقیقت کا فسانہ برملا
جو یہ تیرا تھا اون کی راہ تک شمعِ طریق
جو ہیں تیرہ تنگ زمانہ سے ابھی ناآشنا

گو شکستہ تھے دولت و علم و ہنر اہلِ دیار
تیرے دم سے عرصہ تک بنا تھا روزگار

نظم ہو یا نثر ہو یہ گلشن اردو زباں
آبیاری سے تری رہتا تھا ہر دم گلفشاں

ڈر تھا پامالی کا جس کو اور نہ تھا خوفِ سموم
تیرے دم سے تھا تر و تازہ ریاضِ خسروی
اتنی جلدی موت کیوں داعی ہوئی سوئے عدم
جس کی شادابی و سرسبزی تھی ازبس بستاں
تیرے قدموں کے تلے ہوتے تھے اشجار رواں
کیا بہت آگے تھا تیرے ساتھیوں کا کارواں

تیرے اٹھ جانے سے گلزارِ ادب مرجھا گیا
رخصتِ فصلِ بہاری کا زمانہ آگیا

فصلِ گُل تھی خندۂ گُل سے زیادہ بے ثبات
کر گئے لیکن مشامِ جاں معطر خلق کا
تیری مستانہ ادا اور تیری آزادہ روی
شہرت و عزت کا باعث تھی شریفانہ روش
جب کمال آیا شبابوں پر بجھی شمعِ حیات
جاں فزا خوشبو سے اپنی تیرے گلہائے صفات
تیری استغنائے دل تیری ہر اک مردانہ بات
گرچہ تھی تیری غرض الفقر فخری کائنات

بس سبق تجھ سے انہیں ہو سربلندی کی ہوس
کلفتوں میں بھی ترکِ راحت پسندی کی ہوس

آخری حقِ محبت ہے جو کرتا ہوں ادا
اشہری اب تو کہاں پھر اور کہاں وہ صحبتیں
پھر گئی آنکھوں کے نیچے صحبتِ بزمِ حبیب
بس قلم کو روک ضامن اب لکھا جاتا نہیں
کر قبول اس کو ہے گو ناچیز میرا مرثیہ
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
کیا کہیں تیری خبر نے کیا اثر دل پر کیا
حضرت اشہر کو پرسہ دے دے اپنے باپ کا

تم کو دے اللہ صبر اس درد میں منظر علی
لے کے جائیں مرثیہ اپنے کو لبِ کوثر علی

مرثیہ ترکیب بند

بر وفات ملک معظم ایڈورڈ ہفتم

آج کیوں چھایا ہے یہ ابرِ الم
آج کیوں دل ہے اسیرِ رنج و الم
آج کیوں چشمِ جہاں ہے پُر نم
آج کیوں جان ہے مجبورِ ستم

آج کیوں آتی ہے رکتی ہوئی سانس ۔۔۔ آج کیوں سینہ میں گھٹتا ہے دم
آج کیوں چہرۂ عشرت ہے کبود ۔۔۔ آج کیوں دست تاسف ہیں بہم
آج کیوں سر پہ ہے خاک حسرت ۔۔۔ آج کیوں بر میں ہے رخت ماتم
آج کیوں روئے فلک ہے گرد ۔۔۔ آج کیوں قامت ہستی میں ہے خم
آج کیوں رایت دولت ہے نگوں ۔۔۔ آج کیوں حالت ملت ہے دژم
آج کیوں خلق ہوئی نیلی پوش ۔۔۔ آج کیوں دہر بنا مجلس غم
آج برٹن ہوا کیوں بیت حزن ۔۔۔ آج کیوں ہند ہے درہم برہم
کیا ہوا آج کہ بدلا ہوا ہے! ۔۔۔ کچھ بری طرح سے رنگ عالم

جان ہستی کہ بر سنگ زدند
سنگ گوئی بدل تنگ زدند

کس کے مرنے کی خبر آئی ہے ۔۔۔ روح کیوں جسم میں گھبرائی ہے
کس نے دنیا سے کیا آج سفر ۔۔۔ ساری دنیا جو الٹ آئی ہے
کس کا ماتم ہے کہ ہے عالمگیر ۔۔۔ کون سے دل کو شکیبائی ہے
ابھی نظروں میں ہے شان دربار ۔۔۔ یاد وہ انجمن آرائی ہے
بات کل کی ہے کہ چرچے تھے یہی ۔۔۔ ہند میں تازہ بہار آئی ہے
گلشن دہلی مرحوم نے پھر ۔۔۔ رونق باغ جناں پائی ہے
شاہ کی تخت نشینی کا ہے جشن! ۔۔۔ فرش کو عرش کی ہمتائی ہے
جوق کے جوق چلے آتے ہیں ۔۔۔ راجے مہراجوں کی بن آئی ہے
اس کو اظہار عقیدت میں غلو ۔۔۔ اور اُس سے شوق جبیں سائی ہے
تہنیت کے چلے آتے ہیں پیام ۔۔۔ عیش و عشرت کی گھٹا چھائی ہے

گر امروز نگویم چونست
سینہ ہا ریش و دردہا چونست

عہد وکٹوریہ نیک صفات ۔۔۔ تھا عجب عہد عمیم البرکات

علم و شائستگی و امن و اماں — ہیں اسی عہد کے سارے ثمرات
عدل و انصاف و مساوات حقوق! — قابل شکر نہیں کون سی بات
ان کے فرزند جناب ایڈورڈ — تھے اسی طرح پسندیدہ صفات
مختصر عہد حکومت ان کا — تھا رعایا کے لئے عہد نجات
گرچہ برپا ہوئی کیا کیا شورش — گرچہ نازل ہوئے کیا کیا آفات
پنجۂ آہنی کا نے مگر! — کس طرح رد کر دیے سب بدعات
جوش ٹھنڈا کیا نرمی سے کہیں — گہ سیاست سے کیے رد خطرات
دیں نئی ممبریاں کونسل میں — ہندیوں کو ملے عالی درجات
ایسا قیصر نہ رہے دنیا میں — موت اور شاہ کو آئے ہیہات

بچنیں رنگ جہاں می گریم
زار می گریم و ہاں می گریم

پانچویں کو یہ اڑی تھی افواہ — کہ علیل آج ہیں کچھ شاہنشاہ
پھر چھٹی کو ہوئے شائع اخبار — کہ ہے بیماری حضرت جانکاہ
ہے جو لاحق مرض صعب خناق — سخت تشویش میں ہے خلق اللہ
کہتے ہیں عارضہ کو سب مہلک — ڈاکٹر روتے ہیں با حال تباہ
اہل دربار و اعزہ سارے — متاسف ہیں بصد حسرت و آہ
سرنگوں سب ہیں طبیب شاہی — ہاتھ ہیں چارہ گری سے کوتاہ
یاس سی شہر پہ اک چھائی ہے — حق سے ہیں شاہ کے سب صحت خواہ
کر گیا ایک سحر ہفتم کو! — ہوا مسموع کہ شاہ ذی جاہ
دار فانی سے سوئے ملک بقا — ہو گئے راہ سپر وا اسفاہ
سنتے ہی یہ خبر وحشت اثر — اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے واللہ

گوئیا زلزلہ افتد بدہر
نیست امروز دلے شاد بدہر

خلق عالم میں ہے اک ماتم عام
دیکھو جس سمت مچا ہے کہرام

یاد کر کر کے صفات قیصر
سر کو دھنتے ہیں خواص اور عوام

کوئی کرتا ہے دعا بخشش کی
کوئی ہے نوحہ کناں صبح و شام

کوئی کہتا ہے کہ جنت میں ملے
شاہ کو پہلوئے عیسیٰ میں مقام

ہمزباں ہوکے سبھوں سے ضامن
ہم بھی کہتے ہیں کہ رب علام

ان کو یہ مرتبے دے اور ہمیں
کر اس آفت میں عطا صبر تمام

ان کی اولاد کو بھی مثل ان کے
رکھ سدا دہر میں تو فرخ کام

جارج پنجم کی حکومت ہو وسیع
کوئین کیسطرح جیسے ہوں نیکو نام

سیکڑوں سال رہے ہاتھو میں
یا خدا توسن دولت کی زمام

خوشدل از شاہ رعیت بادا
سایہ اش سایۂ رحمت بادا

مقطعات

گل پژمردہ

صبح اٹھتی ہوئی مشرق سے نمودار ہوئی
اور میں روتا ہوا بستر سے اٹھا پُرارماں

تھی جو اک خار غم عیش گذشتہ سے خلش
دل کے بہلانے کو راہی ہوا سوئے گلستاں

جلوۂ گل نے نگاہوں کو تراوت بخشی!
کم ہوا شبنم شاداب سے جوش خفقاں!

جی کو تسکیں بھی ہوئی سیر بھی کی پھول چنے
ایک گلدستہ لیا اور ہوا گھر کو رواں

جس کی خوشبو تھی مجھے نکہت باغ امید
جس کے بندھن کو سمجھتا تھا کہ ہر رشتہ جاں

پر اشاروں ہی اشاروں میں کوئی اپنی طرف
کھینچتا تھا انہیں جذب نظری سے جو وہاں

جھپٹا وقت جب آیا تو بچا کر مری آنکھ
چلدیا وہ تھا جو ان پھولوں کے پردے میں نہاں

اب جو دیکھا تو ہیں مرجھائی ہوئی پتیاں کچھ
دلکشی ان میں کہاں حسن کہاں بو وہ کہاں

یاد آئی مجھے گلزار جوانی کی بہار
کہ اسی طرح سے تھی اوس کی بھی رونق گزراں

بیٹھنے ہی کو تھی دل پر مرے اک گرد ملال
کہ اٹھا پیر خرد پاس سے دامن افشاں

برہمی دیکھ کے اوس کی مرا جی چھوٹ گیا
دوڑ کر تھام لیا جھٹ سے کنار داماں

عرض کی میں نے خطا کی نہیں کوئی عمداً
عفو فرمائیے دیکھا ہے جو سہو و نسیاں

اس لجاجت پہ مری آگیا کچھ رحم اسے
گہر افشاں ہوا اس طرح سے سن او ناداں

بڑا مطلب ہے کہ پیری کی بھی برباد ہو صبح
جس طرح شام جوانی ہوئی نذر حرماں

پہلے بدمست تھا اب ہے ہوس بدمستی
اب خمار اوس کا ہے اوسوقت جو تھا خواب گراں

تو نے بدنام کیا مجھ کو زمانہ بھر میں
پیر دنفس رہا بات سنی تیری کہاں

رنج جتنا تجھے ان پھولوں کے مرجھانے کا ہے
ہوتا اے کاش بس اتنا ہی غم عمر رواں

جانے دے ذکر گذشتہ کو جو ہونا تھا ہوا
لے سبق اس سے ہی جو اک گھاس ہے جنگل کی یہاں

دیکھ ان پھولوں کو ان کی بھی کوئی ہستی ہے
دو گھڑی کے لئے آئے تھے سوئے باغ جہاں

تو نے خود دیکھا ہے کیا شان تھی کیا رونق تھی
گھر کے خاروں میں بھی جبتک رہے زیبستاں

ان کی خوشبو کو لئے پھرتی تھی کاندھے پہ نسیم
تازہ رکھتی تھی جو ہر وقت دماغ انساں

حسن سے انکے تھا روشن چمنستاں کا چراغ
جان و دل ہوتے تھے نظارے سے انکے فرحاں

گرچہ مرجھا گئے بیکار ہیں تیرے نزدیک
پہلے سے بھی مگر اب قدر ہے کچھ ان کی گراں

صبح تک تیرے لئے مایۂ تفریح تھے صرف
دردوالوں کے لئے آپ یہ بنیں گے درماں

عمل خیر نہ دنیا میں ہو جس سے کوئی!
ایسا انساں بھی کہے گا کہ ہوں میں بھی انساں

یوں تو پہلے بھی ہے پیچھے بھی ہے مرنا لیکن
زندگی موت ہے غفلت میں جو گذرے یکساں

مستقل اپنے ارادہ میں رہے ہے وہی مرد
خندہ روئی کو نہ دے لاکھ ہوں رنج و حرماں

اوس کو پورا کرے ہر حال میں جو اسکا ہی فرض
بو نہ گل بن کے رہی ہو نہ کسی دل پہ گراں

جائے دنیا سے تو وہ نقش قدم چھوڑ کے جائے
راہروؤں کو جو رہ راست کا بتلائے نشاں

کام کرنے کے لئے کم نہیں کچھ عمر بشر
گرچہ کوتاہ ہو یا لمبی کی ہر ادر ہے گزراں

"بادہ پر تو خورشید و ایاغ دم صبح
مفت آنانکہ درآیند بہ باغ دم صبح"

دلِ گم گشتہ کی یاد

یادِ عہدِ عیش رفتہ دل سے جاتی ہے کہیں
تھا بہار زیست اک اک لمحہ جسکا بالیقین

ہر ادا ہوتی تھی ہوتی تھی مسرت کی دلیل
تھی مگر اوس عہد میں کلفت بھی راحت کی دلیل

جس کو سب کہتے ہیں دل تھا اک جہانِ آرزو
اوسکا ذرہ ذرہ دنیا تھا نشانِ آرزو

گوہرِ یکدانۂ بحرِ سعادت تھا وہ دل
زینتِ تاجِ سرِ مہر و محبت تھا وہ دل

تھا کہیں لیلیٰ کی محمل اشکِ مجنوں تھا کہیں
بحرِ بے پایاں کہیں اک قطرۂ خوں تھا کہیں

شاہدِ رعنائے فطرت کا وہی آئینہ تھا
گوہرِ اسرارِ قدرت کا وہی گنجینہ تھا!

ہستیٔ بے مایہ کا اپنی وہی سرمایہ تھا
اک اوسی کے دم سے تھا دنیا میں جینے کا مزا

پر نہ راس آئی اوسے اس باغ کی ٹھنڈی ہوا
دن مرادوں کے جب آئے عشق کا فدیہ ہوا

دفن ہے وہ نخلِ الفت کی گھنیری چھاؤں میں
کر دیا ہے زندہ درگور اوسکی فرقت نے ہمیں

برگِ گل تربت پہ اوسکی جائے خاکِ انبار ہیں
اور یاں پہلو میں ارمانوں کے بدلے خار ہیں

وہ گلِ پژمردہ باغِ عیش کے ہیں یادگار
اور ہیں رہ آوردِ دشتِ یاس یہ چاک و خار

ہائے وہ دل ہائے وہ ہم ہائے وہ عہدِ شباب
کیسے دن تھے کیا زمانہ تھا ہوا کیا انقلاب

"شامِ عیش و روزِ وصلِ دوستداراں یاد باد
داشتم دل یاد باد آں روزگاراں یاد باد"

پھر مجھ کو ہنسنا چاہیے

سب کو بحرِ فکر میں پایا جو ضامن کو غریق
اوس سے یوں کہنے لگا ایک اوسکا یارِ طریق

اس گھڑی کس سوچ میں بیٹھا ہے تو اے مہرباں ۔ تیری صورت سے سراسر ہے پریشانی عیاں
چاند سا چہرہ ترا افکار سے ہے پُرشکن ۔ یا شب مہتاب میں ہے آب دریا موجزن
موج دریا کو کہیں گر فی المثل دست دعا ۔ ہے تری چین جبیں انگشت حسرت برملا
اس کی لہروں سے ہو ظاہر گر پریشاں خاطری ۔ اس سے بڑھ کر بیکلی پیدا ہے صورت سے تری
کیا ہوا کس بات سے پہنچا تجھے اتنا ملال ۔ اے سدا خوش رہنے والے اسقدر کیوں ہے نڈھال
خوشدلی وہ کیا ہوئی تیری وہ جودت کیا ہوئی ۔ وہ ظرافت وہ طلاقت وہ بشاشت کیا ہوئی
کیا ہوئیں وہ صحبتیں احباب سارے کیا ہوئے ۔ وہ لگاوٹ وہ حسینوں سے اشارے کیا ہوئے
کیا وہی تو ہے کہ جو تھا رونق بزم سخن ۔ ماہ تھا تو رشک انجم سارے اہل انجمن
تو وہی ہے رونی محفل کو ہنسا دیتا تھا جو ۔ اپنا کیسا دوسروں کا غم بھلا دیتا تھا جو!
کچھ تو کہہ اللہ کیا حالت ہے یہ اے مہرباں ۔ آہ بر لب چشم پُرنم دل مکدر سر گراں
سن کے یہ تقریر ساری ہنس کے وہ کہنے لگا ۔ تم مرے ہمدرد ہو اب تم سے کہنا ہی پڑا
تم نے دیکھا ہے کبھی عالم میں ایسا کوئی دل ۔ ساتھ ہی راحت کے جس پر غم نہ گذرے متصل
ہے قدامت سے مگر دستور عالم کا یہی! ۔ ساتھ کم دیتا ہے آزردہ دلوں کا یاں کوئی
میں بھی ہوں گلزار ہستی ہی کا آخر ایک پھول ۔ خندہ رو گاہے کبھی غنچہ کی صورت دل ملول
ہاں مگر احباب میں کرتا نہیں اظہار غم ۔ تا کہ اُن کا بار خاطر ہو نہ میرا بار غم
عالم تنہائی شب کو غنیمت جان کر ۔ آ کے بیٹھا ہوں کہ مکروہات سے ہو کچھ مفر
یاد عیش رفتہ و اندوہ و حسرت ہائے حال ۔ قعر دریائے فراموشی میں دوں ان سب کو ڈال
صبح سے پھر آ ہوالی پھر تقیہ چاہیے ۔ مجلس احباب میں پھر مجھ کو ہنسنا چاہیے

مسلمانوں کی عبادت

کم ہے ایسے عابدوں کی جس قدر عزت کریں ۔ ساتھ جن کے ہر جگہ رہتی ہیں جن کی مسجدیں

گو ہو برپا کیسا ہی ہنگامہ لہو و لعب
مشتعل گو جنگ و خونریزی کی ہو نار غضب

ناؤ پر ہوں ریل پر ہوں یا بھرے بازار میں
دیس میں پردیس میں یاروں میں یا اغیار میں

کیسے ہی لوگوں میں ہوں اور کیسی ہی صحبت میں ہوں
اختلاقات ان کے اونکے کیسی ہی عادت میں ہوں

ان کی وضع ان کے طریق انکی زباں انکا خیال
کیسے ہی ان سے الگ ہوں یہ نچھوڑیں اپنی چال

وقت جب آئے تو چپکے سے بچھا کر جانماز
جانب قبلہ جھکا دیں عجز سے فرق نیاز

پھر نہ دیکھیں یہ کہ ہے پاس انکے کوئی دوسرا
پھر نہ دیں کان اس پہ گو ہو کیسی ہی دلکش صدا

حمد خالق میں زباں انکی رہے گوہر فشاں
جسم میں لرزاں ہو خوف حق سے جان ناتواں

سجدہ میں جائیں تو اٹھنے کا بمشکل نام لیں
گھر پہنچ کر جیسے فاتح لشکری آرام لیں

دیوان اکبر

پڑھا اکبر کا دیوان آج سارا
کیا مضموں کی ندیا کا نظارا

عجب زور طبیعت ہے خدا داد
ہے دیوان یا کہ ہے گنگا کا دھارا

شکریہ عطائے خدمت
بہ جناب نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی

مجھ سے پیر خرد نے کل یہ کہا
ہم نے بھی اک زمانہ دیکھا ہے
اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا!
ہو ہی جاتی ہے آدمی سے خطا
ہے مگر اور چیز فعل عمد!

دور ہی سے تجھے ہے اپنا سلام
تجھ سا دیکھا نہیں کوئی خود کام
صبح جو جائے اور آئے شام
اٹھ ہی رہتا ہے کل پہ آج کا کام
سہو و نسیاں ہے اور چیز کا نام

گرچہ ہے سہو فطرت بشری! — تھا نہ حاشا یہ سہو کا ہنگام!
تو ہی کہہ یہ کہاں کا ہے دستور — کیوں اسی کا ہے کیا شرافت نام
آپ میں ایسے کیا ہیں لعل لگے — آپنے ایسا کیا کیا ہے کام
کون سی آپ میں لیاقت ہے — قدر جس کی کریں خواص و عوام
کوئی جوہر ہے آپ میں کہ جو ہو — قابل فخر و لائق انعام
کس لئے پھر یہ خود فراموشی — بیخودی کیوں بغیر بادۂ جام
شرم کر شرم کچھ تو مرد خدا — ڈوب مرنے کا تیرے ہے یہ مقام
تجھ کو ایسا نہ جانتے تھے ہم — پیچ بیت سرشت انساں نام
شکر نعمت میں یہ تساہل حیف — نہ کیا چلتے وقت جا کے سلام
اوس پہ طرہ یہ ہے کہ یاں آکر — ہو گیا ایک ماہ آج تمام
بیٹھے ہیں آپ ویسے ہی بیٹھکر — اک عریضہ نہ ہو سکا ارقام
خیر اب اٹھ کے لے دوات قلم — جلد کر اوس کو کر سکا ہے جو کام
نظم کر مدحت عماد الملک — کر ادا شکر بخشش و اکرام
حسن کے تقریر اوسکی میں نے کہا — کیجئے انصاف سے یہ ہے مرا کام
لائق مدحت عماد الملک — نہیں میرا کسی طرح سے کلام
ہے حماقت کی اک صریح دلیل — گر فلک کو کہوں بلند مقام
گر فلاطوں کو لکھوں دانشمند — پختہ مغزان دہر سمجھیں گے خام
جو مجسم ہو جوہر قابل! — عارضی وصف سے اوسے کیا کام
گو کہ مشکور ہوں دل و جان سے — ہے یہ اظہار شکر میں بھی کلام
کرتے ہیں سچے دل سے جو نیکی — اون کو ہوتی نہیں ہے خواہش نام
ہل آتی جس کے گھر میں آیا ہو — اوس سے کیوں ہو نہ شیوۂ اکرام
کیا سبب سمجھے کے تجھ سے ہو سلوک — جن کے پوتے وہ میں ہوں اسکا غلام
میں ہوں معذور کیا کروں ضامن — کہ خوشامد نہیں ہے میرا کام

ہاں دعا وہ ہمیشہ دیتا ہوں
ہے گواہ اس پہ خالق علام

احتجاج شاعر بہ جناب ایڈیٹر صاحب عصر جدید میرٹھ

چند ٹھہرائے ہیں خواجہ نے جو بستی کے امام
اعتراض ان کا ہے ظاہر ہے یہ ہر چند صحیح
امرا اور علما سے نہیں ہم کو کوئی بحث
حالت ان کی جو ہے ظاہر ہے عیاں را چہ بیاں
شعرا زلف کے پھندے میں جو رہتے ہیں پھنسے
لیکن اس فرقہ میں ابھرا ہے جو اک اور گروہ
ہے غضب ان کی مساعی کی نہ کیجیے قدر
آپ کرتے ہیں جو کچھ ہم بھی وہی کرتے ہیں
کیا ہے اردو کا جسے کہتے تھے قرآں سید
ہزل گویوں سے مراد آپ اگر لیتے ہیں
یاد خواں ہوں شعرا آپ کے یہ بات ہے اور
یاد رہے گو صائب و سعدی و سنائی بھی تھے
طبع موزوں جو نہ انسان کو دیتا خالق
جب نہ کاغذ تھا نہ تحریر نہ چھاپہ نہ پریس
فلسفہ تھا یہی تاریخ یہی اور یہی طب
شعر ہی سے پڑی آفاق میں بنیاد علوم
اب بھی ہے فلسفہ روح کا یہ اصل اصول

ادبی فہرست میں داخل شعرا کا بھی ہے نام
کیجیے غور مگر اس میں تو ہے جائے کلام
فقہا اور مشائخ سے نہیں کچھ ہمیں کام
ان کے عادات ہیں جیسے انہیں شایاں ہے سلام
آپ ہی ان کی ہر اک صبح ہے صورت شام
جس کا ممنون ادب اور ہے مشکور اسلام
قہر ہے ان کو جو ٹھہرائے ہیں بستی کا امام
ٹھنڈی نظروں سے نہیں گھٹ سکے یہ پرجوش کلام
روشن اس نظم ہی سے آپ کے نانا کا ہے نام
فرق کچھ کیجیے نانا میں نہ دھوکے میں عوام
ورنہ کیا پوچ ہے سب ملٹن و کوپر کا کلام
کیا اسی طرح سے تھی منہ میں او نکے بھی لگام
آج لیتا نہ زمانہ میں کوئی علم کا نام
شعر ہی دنیا تھا و موقت میں ہر چیز کا کام
شعرا ہوتے تھے تلمیذ خدا ایسے علام
شعر ہی اب بھی ہے جولاں گہ فکر اقوام
ہاتھ میں شعر کے اب بھی ہے تصوف کی زمام

واعظ نازک ہے پیچ یہ کہ نہ سمجھیں اسے آپ
شعر ہے جان ادب شعر ہے ایمان ادب

کیا کریں ہم نہ چلے بے مئے و پیمانہ جو کام
چھینٹے جان ادب پر نہ ملامت کے سہام

"آں کہ بدنام کند صحبت بد را غلط است
بلکہ مے می شود از صحبت ناداں بدنام"

عمل

جیسے سحاب ترقی بکھر رہے ہو وہ سب
ہر اک ارادے میں ہوں پاؤں تھکا دل کے

غبار تا فلک منزل جہاز عمل
بساط دھرے ہے میدان ترک تا ز عمل!

شکار طائر مقصد کمال ہے ضامن
کمیں میں اسکے نہ جبتک ہو شاہباز عمل

چال چلن

پوچھا پیر خرد سے میں نے
شرف و کرم پر سوال مختصر سا
کیا ہے آدمی کو جو بزرگی
ہر شے سے زیادہ قابل قدر
لیکن وہ شرف شرافت نہیں ہے
کیونکہ کہتے شریف ان کو
[illegible]
ہو دولت و نہیں حسب و نسب پہ
افلاس کا ان کو غم نہیں کچھ

کس چیز کا نام ہے شرافت
[illegible] آ کا شان حقیقت
اللہ کرے جیسے کرامت
ہر چند کہ ہے نسب کی صحت
اور ول کی طرف ہو جسکی نسبت
جو آپ نہ ہو شریف خصلت
جس کا [illegible] تمام آدمیت
مشروط نہیں بہ وضع و صورت
درکار نہیں ہے اسکو دولت

دولت وہ جو خود اپنی ذات سے ہو
جس گھر میں یہ شمع ہو فروزاں
جو دل اس شمع سے ہو روشن
وہ چال چلن کی ہے درستی

جوہر یہ بہت ہے بیش قیمت
ہوتا نہیں اوس میں دخل ظلمت
سمجھو اوسے جلوہ گاہ قدرت
جو ہے تاج سر شرافت

زینہ ہے یہی ترقیوں کا
اور ہے یہی شاہراہ عزت

راہ امید

ٹھیک اترتی نہیں کسی کی فال
ہاں مگر اس قدر چلا ہے پتہ
یاں کی کوتاہی و درازی راہ
جانے کیا کیسی ہے رہ ہستی
پھر بھی سارے مسافر اس رہ کے
نیک دل اور راست باز ہوں سب
متنفر ہوں بشر سے بشر!
بعد منزل کی فکر پاس نہ آئے
لیکن آئے کہاں سے تجھ میں یہ بات
تجھ پہ شدت کا ہے قصور نگاہ
ابھی ہستی ہے تجھ پہ نادانی
اور کسی دن خدا نکردہ اگر
آشنا دیں گے عہد الفت توڑ
حسد و کینہ اور بغض و نفاق

جو کھلے عمر کے سفر کا حال
کہ یہ دنیا ہے اک طلسم کدہ
سمجھے انسان کیسے خاطر خواہ!
ہے بلندی کہاں کہاں پستی
مشفق ہوں گر ایک دوسرے سے
ایک کے ایک چارہ ساز ہوں سب
ایک پہنچائے ایک کو نہ ضرر
راستہ ہنستے بولتے کٹ جائے
گر ہے قسمت میں تلخی اوقات
ہے مصیبت کبھی ترے ہمراہ
دیکھ کر تیری اشک افشانی
روز تیرہ ہو تیرا ابر سے بیش
موج طوفاں میں تجھکو جائیں گے چھوڑ
تجھ پہ کردیں گے زندگانی شاق

اوس گھڑی نیکیوں پہ کر تکیہ ساتھ مت چھوڑ عزم و ہمت کا

پشت گرمی تری کرے جو امید
آئیگی فاستجب لکم کی امید

ریفارمر اور شاعر

کہنے لگے یہ مجھ سے کل اک میرے مہرباں
اک بات میں کہوں گا نہ مانو اگر برا

میں ہوں تمہارا دوست بھی اور خیر خواہ بھی
لازم ہے منہ پہ کہہ دوں جو دیکھوں کوئی خطا

پہلے تو آپنے کیا وہ کام اختیار
کچھ جس سے فائدہ نہیں جز خشک واہ وا

باعث اسی کا ہے یہ جو حضرت کو راتدن
رہتا ہے مفلسی و فلاکت کا سامنا

لیکن نہیں ہے اس سے مجھے کوئی خاص بحث
سچ ہے یہ بھی اک مذاق طبیعت کا مقتضا

کہتے ہو تم غزل یہ ہے بیشک مرے خلاف
اس کو برا سمجھتے ہیں تعلیم یافتہ

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
حالی کا قول تم نے یہ شائد نہیں سنا

مینا و جام و ساقی و صہبا و مے فروش
کرتے ہو جن کا ذکر تمہیں ان سے واسطہ

طاؤس و کبک و قمری و دراج و فاختہ
صحرا و باغ و خار و گل و صرصر و صبا

موج و حباب و قطرہ و گرداب و مدوجزر
اشک و سرشک و خون دل و گریہ و بکا

گلفام و گلعذار و گل اندام و گل بدن
خورشید و ماہ چہرہ و خوش رو و خوش لقا

سفاک و کینہ خواہ و ستم کیش و تندخو
بے مہر و بے مروت و پرکار و پر دغا

رخسار و زلف و گیسو و چشم و لب و ذقن
ناز و کرشمہ شرم و حیا شوخی و ادا

اندوہ و یاس و درد و غم و حسرت و ملال
روز فراق شام مصیبت شب بلا

فرہنگ شاعری ہیں یہ گنتی کے چند لفظ
جن پہ ہے ناز آپ کو شاباش مرحبا

سو سال پہلے آپ کو آتا تھا خلق میں
انگریزی پڑھ کے نام ڈبویا یہ کیا کیا

ہیں کھلتے جاتے پھول نئے شاخ نظم میں
اب چل رہی ہے اور ہی اس باغ میں ہوا

آگاہ ہیں جو لوگ زمانہ کے رنگ سے — کرتے نہیں کبھی گل و بلبل کا تذکرہ
دیکھی ہے میں نے حال میں اک نظم نیچرل — اک مینڈک اور چوہے کی ہے نقل بامزا
حد سے زیادہ دونوں میں تھی دوستی مگر — اوس کا مقام کوہ تھا اور اس کا بحر تھا
یہ بُعد بس کہ شاق تھا دونوں کیواسطے — تھا حصر اتفاق پہ ملنے ملانے کا
اک ڈوری اپنے پیروں میں دونوں نے باندھ لی — اس طرح وصل کا کیا مضبوط سلسلہ
باہر نکل کے گھر سے ملاقات کے لئے — آتا جب ایک ہوتا تھا آگاہ دوسرا
اک روز کا ہے ذکر کہ باہر آیا موش — اک چیل نے جھپٹ کے زمیں سے اٹھا لیا
چوہے کو لیکے چیل ہوئی جب گھڑی بلند — مینڈک بھی ساتھ ساتھ اوسی کے لٹک گیا
آخر میں نقل کے یہ نتیجہ نکالا ہے — ہے ساتھ غیر جنس کا ہر حال میں بُرا
اس رنگ کا کلام اگر ہو تو دیکھئے — ہوتی ہے کیسی شہرت و قدر اوسکی جابجا
اخبار والے شوق سے ہیں لیکے چھاپتے — اور پڑھنے والے اس سے اٹھاتے ہیں فائدا
پر آپ کا ہے وہ سخن آبدار جو — بزم نشاط ہی میں ہے گانیکے کام کا
جزو پیمبری ہے بلا شبہ شاعری — اُس میں اگر شریک نہ ہو کذب و افترا
جب تک نہ واقعات مفید ایسے نظم ہوں — تشبیہ و استعارہ ہے بیکار آپ کا
کس کام کی یہ بندش پُر لطف آپ کی — مضمون جسمیں کچھ نہیں الفاظ کے سوا
اب کوئی چیز کام کی تصنیف کیجئے — دکھڑا تو ہم نے بلبل و گل کا بہت سنا
جب لعن طعن کر چکے یہ وہ بزرگوار — اور میں بھی کچھ نہ اون سے مروت میں کہہ سکا
بیٹھے تھے ایک اور وہاں مرد نکتہ سنج — آخر کو بول اٹھے نہ اون سے رہا گیا
ضامن کے شعر آپ کو کیوں آئینگے پسند — اردو سے مارکٹ کا ہے انمیں کہاں مزا
مینڈک کی غائیں غائیں کے دلدادہ ہیں جب آپ — کیا لطف دیگا آپ کو بلبل کا چہچہا

"تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس
صائب دو چیز می شکند قدر شعر را"

تہنیت عطائے خطاب نواب منظور جنگ بہادر
بہ عزیزی مرزا منظور احمد خانصاحب

ہے برج خم میں لال پری کیوں مقید آج
ساقی ہو دور بادۂ عشرت مجدد آج

پھولی ہے ہر طرف شفق فرح و انبساط
رنگ فضائے ملک دکن ہے مورد آج

ہر شخص کی فلک سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی
ظاہر ہوا کہ ماہ رجب کی ہے آمد آج

شاہ دکن کی سالگرہ کا دن آیا ہے
افراط جوش عیش و طرب کی نہیں حد آج

باجوں کا شور اور سلامی کی شلکیں
کر ہو رہے ہیں گوش سپہر مشید آج

نغموں کے غل سے گونج اٹھے شہر و دور
ہیں تار ساز سلسلۂ شوق ممتد آج

ایوان خسروی میں ہے سامان جشن کا
تزئین بزم دہر میں گردوں کو ہے کد آج

شہ کی خوشی کے ساتھ رعایا کی ہے خوشی
لٹتی ہے مفت دولت شادی سرمد آج

تقسیم ہو رہے ہیں زر و خلعت و خطاب
دریائے فیض خسرو گیہاں کو ہے مد آج

حساد سوز رشک سے جل بھن کے ہیں کباب
احباب کے دلوں کا بر آیا ہے مقصد آج

ضامن دعائیں شاہ کو دو ان کو تہنیت
منظور جنگ ہو گئے منظور احمد آج

مثنویات

نقش قدم

میں کون ہوں کیا ہوں کیا بتاؤں
اک موج ہوا ہوں کیا بتاؤں

اک موج ہوا تو ہے بڑی شے
ہستی مری اتنی بھی نہیں ہے!

اک موج ہوا چمن میں گر آئے
سو رنگ سے لاکھ گل کھلا جائے

غفلت کے ماتوں کو جگا دے
آنکھوں میں سمائے نیند بن کر
ہو زلفِ صنم کے حق میں شانہ
لے جائے اڑا کے بادلوں کو
بھڑکا کے شرر کو شعلہ کر دے
پردے ہیں سمائے ساز کے گر
آہن میں دکھائے شانِ داؤد
قوت بخشے تو اس میں بخشے!
پانی نہ ملے تو وقت ٹل جائے
اک موجِ ہوا بغیر لیکن
میں کیا ہوں کبھی اگر تو کیا ہوں
اک سیل کی رو جسے بہا دے
لیکن آنکھیں ہوں گر کسی کے
ان خاک نشینوں پہ کیا ہوں
میں نقشِ قدم تو ہوں بہر رنگ
اس نور کی مجھ میں ہے تجلی
ہمسر کیوں کر ہو طور میرا
وہ شعلہ فروش بیخودی تھا
اس لو سے تھی خیرہ چشمِ موسیٰ
ہے یوں تو جہاں نگار رخانہ
یہ کوکب و مہر و ماہ و افلاک
بحر و گرداب و قطرہ و موج
تصویریں ہیں یہ جیتی پھرتی ساری

تھک کر جو پڑیں انہیں سلا دے
جاں تازہ کرے میانِ پیکر
دیوانوں کو ہوتا نہ پانہ
شاداب کر آئے جنگلوں کو
بے بال و پری کو بال و پر دے
نغموں سے دل کرے مسخر
ہر تار سے بے زبانِ داؤد
عیسیٰ کا نفس ہو جاں بھی بخشے
دانہ نہ چڑھے تو کام چل جائے
اک پل نہ کٹے کہاں کا اک دن
نقشِ قدم رہِ فنا ہوں
اک موجِ ہوا جسے مٹا دے
دیکھے مجھے وہ بغور دیکھے
کلکِ قدرت کا نقشِ پا ہوں
پر ہوں سرِ لوحِ نقشِ ارژنگ
جو طور سے بھی نظر نہ آئی
ہے شمعِ شعور نور میرا
میں شمع فروز ہوں خودی کا
وا ہو مری ضو سے چشمِ اعمیٰ
نقاشِ ازل کا کارخانہ
یہ چادرِ آب و بسترِ خواب
یہ منظر ہائے پستی و اوج
باطل کنِ ادعائے مانی

اک شکل سے ایک شکل افضل
ہم بھی اسی باغ کا ہوں گو پھول
ہو کوئی گلاب یا ہو خیری
میں میں ہوں بھلا ہوں یا برا ہوں
بس ضامن بس خموش کیا ہے
تو اور یہ لن ترانیاں بس
جو شان خلیفۃ اللّٰہی ہے
تھے اور ہی وہ نفوس قدسی
تو کیا تیری بساط کیا ہے
اے رہرو شاہراہ غفلت
ہر وہم پہ جان دینے والے
نا واقف رسم آدمیت
منزل کے نشاں سے بھی ہے آگاہ؟
بند آنکھ کئے چلا کہاں دیکھ
یہ تیز روی! ذرا ٹھہر جا
جس وشت کو کر رہا ہے نو طے
جتنے ہوئے آگے جانیوالے
اس دشت سے سب گذر چکے ہیں
کانٹا جو کچھ تھا جس نے بویا
ٹھوکر کھائی چلے جو بے راہ
حق لے گردی سے چشم عبرت
گو شکل دہان بے زباں ہے
کر ہو جویائے حسن انجام

اک نقش سے دوسرا ہے اول
ہیں تیرے مقابلہ میں سب دھول
الفضل لنا و لا لغیری
آئینۂ ذات کبریا ہوں
آ ہوش میں کیوں بہک رہا ہے
اے مور ضعیف و ناتواں بس
کیا تیرے لیے وہ اٹھ رہی ہے
انساں کے بدن میں شان باری
ادنیٰ اک بندہ ہوا ہے
اے بارکش گناہ غفلت
کشتی خشکی میں کھینچنے والے
گم کردہ جادۂ سعادت
کچھ تجھ کو خبر ہے کدھر راہ؟
نقش قدم گذشتگاں دیکھ
اگلے ہیں جدھر گئے ادھر جا
واں خضر بھی اور غول بھی ہے
پچھلوں کو ہیں رہ بتا نیوالے
طے عمر کی راہ کر چکے ہیں
کھویا گیا جو خود اوس نے کھویا
جویا ہوئے جو وہ پا گئے راہ
ہر نقش قدم سے لو ہدایت
دستاں زبان حال گویاں سے
بیگانہ ان سے دستی گام

ان کو نقش قدم نہ سمجھو
ہر خاک نشیں کو کم نہ سمجھو

گردباد

کل طبیعت جو بہت گھبرائی
سوئے صحرا مجھے وحشت لائی

دور تک دشت خزاں دیدہ تھا
نہ کہیں پھول تھا نے پتہ تھا

نظر آتا تھا عجب عالم ہو
خاک اڑتی تھی ہوا سے ہر سو

دھوپ میں ذرے چمکتے تھے کہیں
ریت سے شعلے لپکتے تھے کہیں

باد صرصر کی جو موج آتی تھی
ایک بجلی سی چمک جاتی تھی

آگ کی طرح دہکتی تھی زمیں
کوئی چشمہ تھا نہ سایہ تھا کہیں!

جی میں آیا کہ پلٹ ہی نہ چلو
جیتے جی کس لئے دوزخ میں جلو

ناگہاں جا پڑی اک سمت نظر
اک کف پا کا نشاں آیا نظر

میں نے جھک کر جو ذرا غور کیا
عجب اوس نقش کا دیکھا نقشا

تھا جو وہ نقش دہن کی صورت
اوس سے گویا یہ سنی کیفیت

دیکھو ہے دشت طلب یہ صحرا
کام ہمت کا ہے اسمیں چلنا

اس کے آگے ہے بلند ایک مقام
بام مقصود ہے اوس ٹیلے کا نام

دیکھنے میں تو ہے چھوٹا سا کوہ
لیکن اوس کی ہے عجب شان شکوہ

ڈہڈہاتے ہوے سبزہ کی لہک!
اطلس چرخ سے جس کو چشمک

ہر طرف پھول کھلے رنگا رنگ!
ایک سے ایک کا ہے چوکھا رنگ

چہچہے طائروں کے شاخوں پہ
لحن داؤد کا رکھتے ہیں اثر

صاف و شفاف ہیں شیریں چشمے
ابرو آب خضر کی جن سے ہے!

بیچ میں ایک مسطح ہے چٹان
جو کہ ہے معدن یاقوت کی جان

سے ہے یہاں تخت بچھا بیٹھا کار
اوسپہ سونے کی ہر نصب اکٹ رت
یوں تو کہنے کے لئے ہے بیجاں
کامیابی ہے لکھا ماتھے پہ !
حسن سا حسن ہے اللہ اللہ
خلق شیدا ہے زمانہ عاشق
جاں فدا کرنے پہ سب آمادہ
جس کو دیکھو وہ چلا آتا ہے
ان میں کوئی ہے جواں پیر کوئی
پست ہمت یہ وہ ہمت والا
راستہ ایک یہی ہے لیکن
دشت حرماں ہے اسی دشت کا نام
تا بہ سرحد تو سبھی آتے ہیں
کم ہیں ایسے جو کڑی سہہ جائیں
ایک ہم بھی ہیں جو یاں آئے تھے
گرچہ ہمت سے بہت کام لیا
وصل قسمت میں نہ تھا کیا کرتے
لیکن اس ننگ کا یارا نہ ہوا
عشق صادق کا تقاضہ یہ ہوا
رے کے بس نام خدا بیٹھ گئے
خاک اب تفتہ جگر اٹھیں گے
یہی باتیں تھیں کہ رنگ اور ہوا
کشمکش میں وہ بیاباں آیا

تخت طاؤس ہو جس پر سے نثار
حوریں صدقے ہوں وہ پیاری صورت
اور سچ پوچھو تو ہے جان جہاں
لاکھ زیور کا ہے جو اک زیور
قیمت ہر دو جہاں ایک نگاہ
غیر عاشق ہے یگانہ عاشق
ایک سے ایک سوا دلدادہ
اک کشش ہے کہ کھنچا آتا ہے
ناتواں کوئی ہے کوئی ہے قوی
ایک سے ایک نئی مت والا
جو ہے دشوار گزار اور کٹھن
یہیں ہو جاتی ہے ہمت ناکام
اکثر اس دشت سے پھر جاتے ہیں
طے کریں راہ کو منزل پائیں
ساتھ ارمان بہت لائے تھے
کیا کریں ساتھ نہ طاقت نے دیا
گھر پلٹ جاتے تو اچھا کرتے
بیٹھ رہیں یہ گوارا نہ ہوا
یہیں رہ جاؤ پلٹنا کیسا !
بن کے نقش کف پا بیٹھ گئے
مٹ کے اٹھیں گے اگر اٹھیں گے
یک بیک آگئی چوبائی ہوا
دشت کی ریت نے چکر کھایا

چوکھی سے چلنے لگی جب کہ ہوا
کھا کے چکر ہوئی مٹی جو بلند
پہلے ہم اس کو تماشا سمجھے
مگر اک آن میں وہ دشت غبار
قلّہ کوہ پہ جا کر پہنچا !
عزم و ہمت نے یہ دن دکھلایا
پہلے جب گھر سے نکالا تھا قدم
شوق کامل نے یہ بخشی معراج
کون کہتا ہے بگولا تھا وہ

حلقۂ نقش وہ گرداب بنا
بن گیا چرخ کا صحرا پیوند
سرسری ایک بگولا سمجھے
یعنی وہ نقش سر راہگذار
آرزو جس کی تھی واں پہ پہنچا
رتبہ خواہش سے زیادہ پایا
پائے بوسی کا فقط بھرتا تھا دم
کامیابی کے بنا سر کا تاج
ایک ہمت کا کرشمہ تھا وہ

ہر کہ جاں در رہ ہمت بازد
نیز خاکش بفلک پردازد

حسین ساگر

کل میں بستر پہ اپنے سوتا تھا
کھل گئی آنکھ سن کے یہ آواز
میں نے دیکھی وہیں اٹھا کے گھڑی
تھے گھڑی نے بجائے ساڑھے چار
ہو چلا تھا سفید کچھ کچھ چاند
آتا تھا جو نسیم کا جھونکا
چادر نور سر فلک سے اٹھی
تخت عاج قمر تھا شب کو جہاں
آمد بادشاہ خاور تھی !

ناگہاں اک ہوا دھماکا سا
چشم غفلت ہوئی یکایک باز
ہوا ظاہر گجر کی توپ وہ تھی
صبح کے تھے فلک پہ سب آثار
پڑ گئی تھی چمک ستاروں کی ماند
شمع انجم بجھا کے جاتا تھا
ہوا فرش سپیدۂ سحری !
تخت یاقوت اب شفق کا تھا واں
فوج انجم میں ایک بھگدڑ تھی

دیکھ کر یہ سماں نہ تاب رہی / یہی بے اختیار چاہا جی
کہ چلو سیر دشت و باغ کریں / تازہ دم پھر دل و دماغ کریں
سو چکر یہ اٹھا میں بستر سے / پہنے کپڑے رواں ہوا گھر سے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو آتی تھی / تازگی تن میں روح پاتی تھی
جاں فزا تھی ہوائے صحرائی / بادہ نوشی تھی بادہ پیمائی
الغرض چلتے چلتے تھک جو گیا / اک تالاب کے قریں ٹھہرا
کون تالاب جو ہے شہر کی جاں / جس کا آب آب چشمہ حیواں
اس سے دو بڑے ہیں شہر میں جو نل / رگ جاں خلق کے ہیں وہ بالکل
اس پہ سب اہل شہر جیتے ہیں / سب بڑے چھوٹے اسکو پیتے ہیں
اس کے آگے ہے اک آب صبوح / کہ ہے سرسبز اس سے مزرع روح
کیوں نہ وہ آب آب کوثر ہو / جس کا منبع حسین ساگر ہو
یاں جو پہنچا میں آئی تن میں جان / نہ تھکن راہ کی رہی نہ تکان
آنکھ میں کھب گئی وہاں کی بہار / ہوئی پیش نظر جناں کی بہار
آنکھ میری لڑی تھی چار طرف / فوج مضموں کھڑی تھی چار طرف
پہلے پورب طرف جو ڈالی نگاہ / شاہ فکر بولا بسم اللہ
پاؤں رکھنا یہاں سنبھل کے ذرا / اس طرف ہے نشیب حد سے سوا
جھانک کے نیچے جس گھڑی دیکھا / ڈھال تھا ڈھائی تین سو گز کا
تھا مگر کیا وہ اک ذرا سا ڈھال / کہیں رکتا ہے شاعروں کا خیال
اس نے طے کی نہیں ہی کوئی راہ / فرش سے عرش تک ہی جولانگاہ
آنکھ میری ادھر ہوئی جونہی بند / طبع موزوں کا اوسطرف تھا سمند
جا کے دیکھا سماں وہ فطرت کا / جلوہ تھا اک خدا کی قدرت کا
تھی زمرد کی کان ساری زمیں / سبزہ پر نظریں ٹوٹی جاتی تھیں
تھا بچھا فرش مخملی یکسر / پھسلا جاتا تھا صاف پائے نظر

بکھرے تھے اوس کے گوہر شبنم
اون کا جلوہ نظر جو آتا تھا
کہ فلک نے جو دیکھ لی یہ بہار
جا بجا پھول سبزہ سے تھے عیاں
تارے تھے آسمان قدرت کے
زرد کوئی سفید کوئی تھا
موتیا تھا نہ تھا گلاب اون میں
دور تک جھنڈ تھا پھولوں کا
کہیں پھولا ہوا تھا سنکیسر
کنڈے کے پیچھے اک سڑک ہے بنی
اس سڑک پر ہے اک مکان بنا
اب بھی لکھا ہے آئیں فیکٹری
کیا خبر کیا تباہی آئی ہے!
تھوڑی دور اور اس سے آگے ہے مکان
کہتے ہیں اس کو کپڑے کی گرنی
کام کرتے ہیں سارا دن مزدور
برکت ہے یہ سارے دولت کی
بیچ میں ایک نہر ہے جاری
دھوبی دھوتے ہیں جا بجا کپڑے
کوٹ پتلون سارے لاثانی
سب یہ اوضاع ملک کے ہیں نشان
دیکھ کر یہ نظارۂ جاں بخش
دور تک سامنے تھا عالم آب

آب میں جو تھے موتیوں سے نہ کم
شب کے تاروں پہ دھیان جاتا تھا
اپنے اختر کئے زمیں پہ نثار
سبزہ رنگوں کے ہاتھوں کی افشاں
پیارے تھے نخل بند فطرت کے
تھا کوئی سرخ اور کوئی اودا
پھر بھی تھی ایک آب و تاب انہیں
وہ سماں زرد زرد پھولوں کا
کہیں برگد ہیں آرہے تھے ثمر
جس پہ چلتے ہیں جھٹکے اور بنڈی
جو کسی وقت برف خانہ تھا
مگر اب رہتے ہوں گے دیو و پری
ہر طرف سے اداسی چھائی ہے
یہ مکان ہے بڑا رفیع الشان
اس جگہ کی ہے جس سے آبادی
یاں سے چلتے ہیں سیکڑوں رنجور
واہ کیا بات ہے تجارت کی
یاں سے واں تک بنی ہیں گھاٹ کئی
کیسے خوشرنگ خوشنما کپڑے
کرتی ساڑی چولی شیروانی
جن سے ظاہر ہے جامہ زیبوں کی شان
اپنے مرکز پہ آیا فکر کا رخش
تھا جو تسکین دہ دل بیتاب

ہو چکا تھا بلند مہر فلک — جس کے پرتو کی آب میں تھی جھلک
لطف پاتی تھی اس سماں کا نگاہ — سطح پانی کی تھی کہ بازیگاہ
موجیں چوگان تھیں شہسوار صبا — عکس خورشید گیند سونے کا
جابجا جو شعاعیں گرتی تھیں — ہوتا تھا اون کے دیکھنے سے یقیں
چادر آب رواں کی ہے نیلی — کہ سنہری دھنک ہے جس میں ٹکی
خم گردوں سے گرتی تھی جو شراب — ساغر سے بنے تھے جام حباب
پر تنک ظرف چونکہ از حد تھے — ٹوٹے جاتے تھے جوشش مے سے
ٹیلے کچھ تھے میان آب بلند — رخ لیلی کے خال کے مانند
کشتیاں چند اک طرف تھیں پڑی — تھے ہلال ایک آسماں پہ کئی
فرش سے عرش تک تھا عالم نور — قدرت حق کا ہر طرف تھا ظہور
گرچہ آتی ہے شہر سے یہ سڑک — اور جاتی ہے منزلوں ہی تک
کٹے پر لیکن اہتمام ہے خاص — یاں صفائی کا انتظام ہے خاص
اس سڑک کی بیاں ہو خوبی کیا — مانگ ہے مہ جبینوں کی گویا
ایک جانب ہے مہندی کی ٹٹی — خوشنما بیلیں پھولوں کی ہے چڑھی
دوسری سمت اک روش ہے بنی — شارع عام سے ذرا اونچی
جابجا بنچیں آہنی ہیں بچھی! — جن پہ دم لیتے ہیں تماشائی
دو مکاں ہیں سہ منزلہ محکم — طوم کہتا ہے جن کو اک عالم
ایک منزل ہے جن کی آب میں بند — ایک منزل ہے بند سے بھی بلند
چھت پہ ان میں سے ایک کی میں چڑھا — سامنے شہر کے تھا کٹورا سا
اک طرف شہر اک طرف لشکر — تھے عجب خوشنما وہ دو منظر
ہٹ کے لشکر سے اک عمارت تھی — شاہد عظمت و جلالت تھی
جا کے پہنچا وہاں جو یک خیال — ہوا دل کو عجب طرح کا ملال
کیا بتاؤں میں کس کا وہ گھر تھا — قبلہ گاہ مراد جو در تھا

یعنی وہ آستانۂ اجلال — جو کہ تھا برج نیّر اقبال
جس میں رہتا تھا افتخار دکن — مایۂ عزت و وقار دکن !
جس کا دست سخا تھا ابر کرم — جس کی بزم طرب تھی محفل جم !
نیک دل نیک نفس نیک نہاد — خوش سیر خوش صفات راد جواد
سیرت اوس کی کمال کا مظہر — صورت اوس کی جمال کا منظر
آپ لائق تھا اور لیاقت دوست — آپ اشرف تھا اور شرافت دوست
مس کو مَس کر کے کرتا تھا وہ طلا — آدمی کا ہے کو تھا پارس تھا
کون تھا جو پہنچ کے اوس در تک — نہ ہوا ہو رہین حق نمک
پر یہاں کس کو ہے نمک کا پاس — بد بہت اور کم ہیں نیک اساس
مدعی اوس کے ہمنشیں نکلے ! — دوست ہی مار آستیں نکلے
یہی سب باعث فتور ہوئے — وجہ ناراضی حضور ہوئے ۔
نہ رہا شہ کو اعتبار اوس کا — خاک میں مل گیا وقار اوس کا
اسی اندوہ نے اوسے مارا — گر کے اس کوہ نے اوسے مارا
گردش روزگار پر افسوس — ایسے لیل و نہار پر افسوس
بادشہ ہو کہ ہو گدا کوئی — نہیں اس دم کا آسرا کوئی
گنج قارون ہو اوس کا سرمایہ — قیصر و جم سے ہو فزوں پایہ
نوح کی عمر بھی اگر مل جائے — اور سکندر کا بخت بھی ہاتھ آئے
مثل حاتم سخا ہو اوس نے کی — نیک ہو تا بہ وسعت نیکی
اک جہاں تابع حکومت ہو — خلق ساری رہین منت ہو
فوج انجم سے ہو فزوں لشکر — اوس کے زیر نگیں ہوں سب کشور
زور چلتا نہیں قضا سے کوئی — نہیں ممکن لڑے ندا سے کوئی
کوئی نیکی بھی آڑے آ نہ سکی — دولت اقبال کو بچا نہ سکی
ظاہرا تھا مرض نہ بیماری — مرض الموت سے ہے ناچاری

دن تو سارا شکار میں کاٹا
ہو ا ساتھی نہ کوئی کربت میں
کوئی خویش و عزیز پاس نہ تھا
گرچہ شہ بعد مرگ کن فیکون
پھر بھی ہونے کے امر ہو نہ سکے
کس طرح سے نہ دل مکدر ہو
فرد کامل تھا جو زمانے میں
گو کہ میں اوس کا حق گذار نہ تھا
کیسی عبرت کی یہ مگر جا ہے !
مگس خواں تھے جو وہ اب ہوئے کیا
جو تھا مطلب کا اپنے ساتھی تھا
مدح تو نے کہی نہ تھی ضامن
گرچہ تو ہے فقیر وہ تھا امیر
پر یہی شان آدمیت ہے !
کر دعا حق سے یہ بعجز و نیاز
الغرض دل میں آیا جب یہ خیال
نہ گراں گذری دھوپ کی گرمی
کبھی دنیا کے حال پر تھی نظر
روح افزا تھا جو کہ وقت سحر
کھلتا تھا جس ہوا سے غنچۂ دل
مردنی چھا رہی تھی پھولوں پہ
گردنیں ڈالے دیتے تھے اشجار
گرمیاں مہر کی جلاتی تھیں

شب کو خود ہو گیا شکار قضا
موت بھی آئی عین غربت میں
چند واماندہ نوکروں کے سوا
ہوئی لاش آ کے شہر میں مدفون
بیٹے میت پہ آ کے رو نہ سکے
چشم اشکوں سے تر نہ کیونکر ہو
نہ رہا ہائے وہ زمانے میں
گو کہ اوس در پہ مجھ کو بار نہ تھا
کیسی ناحق شناس دنیا ہے
نوحہ خواں بھی نہیں کوئی اوسکا
اس کا ایک آشنا نہ تھا گویا
نوحہ کہہ لے یہی سہی ضامن
ہے دعائے فقیر جنس حقیر
یہی اک دوستی میت ہے
در رحمت ہو اس پہ یا رب باز
ہوا جی خود بخود کچھ ایسا نڈھال
گھر پلٹ کر چلیں یہ شدت نہ رہی
کبھی اپنے مآل پر تھی نظر
کاٹے کھاتا تھا اب وہی منظر
انقباض اب اوس کا تھا حاصل
تھا کہ اڑاتی تھی سبزہ کو چادر
تمتمائے تھے چہرۂ اشجار
موجیں بجلی سی تڑپی جاتی تھیں

خون کیطرح کھولتا تھا آب — چشم پرنم بنی تھی چشم حباب
بدلے شبنم کے اڑ رہی تھی خاک — گرد آلود تھا رخ افلاک
لوگ سب اپنی اپنی حاجت سے — آنے جانے لگے تھے کثرت سے
ساتھ ادن سب کے ہو لیئے ہم بھی — تھا مقدر میں ایک یہ غم بھی

سیر سے بھی ہوا نہ تازہ دماغ
پھول چننے گئے تھے لائے داغ

تقریظ ترجمہ مراۃ العروس مترجمہ جی۔ ای۔ وارڈ۔ ایم۔ اے

مہر عالمتاب جب پنہاں ہوا — پڑ گیا دنیا پہ پردہ رات کا
ہر طرف سے اک خموشی چھا گئی — لے کے جام بیخودی نیند آگئی
کر دیا ایک اک کو مست خواب ناز — اٹھ گیا نیک اور بد کا امتیاز
ہو کے فارغ سارے دن کے کام سے — بستروں پہ لیٹے لوگ آرام سے
تیرگی تھی سارے عالم پہ محیط — اور غفلت نیند کی ہم پہ محیط
ہوشیاری ایسی غفلت پہ نثار — تھی خودی کی بیخودی آئینہ دار
کیوں نہ ہو اللہ کی رحمت ہے نیند — دافع گرد غم و کلفت ہے نیند
نام میں اس کے ہے جادو کا اثر — کرتی ہے ہر باخبر کو بے خبر
نشہ اس کا نشۂ مئے سے ہے تیز — کرتی ہے اس سے خودی کوسوں گریز
گہ غم افزا گہ طرب اندوز ہے — روح اس کی مرغ دست آموز ہے
اسپہ وا ہر ایک باب بستہ ہے — مایۂ راحت پئے ہر خستہ ہے
جیتے جی جنت میں یہ پہنچاتی ہے — خاکیوں کو عرش پر لے جاتی ہے
لیٹے ہی بیٹھے کرا دیتی ہے سیر — دونو عالم کی دکھا دیتی ہے سیر
تخت شاہی پر کبھی پہنچا دیا — قعر نکبت میں کبھی پھکوا دیا

حور بن کر جلوہ دکھلایا کبھی — دیو بن کر جی کو دہلایا کبھی
نیند جسدم آنکھوں میں آنے لگی — طرفہ تر ہر رنگ دکھلانے لگی
تھا عجب لطف تماشہ خواب میں — خضر فرخ پے کو دیکھا خواب میں
لائے ہیں تشریف وہ عالی صفات — ہاتھ میں ہے ساغر آب حیات
مجھ سے فرماتے ہیں پی لے اسکو تو — ہے جو عمر جاوداں کی آرزو
جام یہ بھی جام جم سے ہے دیکھنا — دوست رکھنا جان سے اسکو سوا
اس میں آئیں گے نظر اشکال وہ — تھے نہاں مراۃ اسکندر سے جو
کھل گئیں آنکھیں جونہی دیکھا یہ خواب — غرق حیرت تھا دل پر اضطراب
فکر تھی یارب یہ ہے کیا ماجرا — دیکھیں ہے اس خواب کی تعبیر کیا
کون ہے خضر اور ہے کیا آب حیات — جام جم کیسا یہ ہے کیا واردات
اتنے میں خورشید نکلا دن ہوا — شب کی تاریکی کا پردہ اٹھ گیا
خواب راحت سے ہوئے سب ہشیار — خلق کا جاری ہوا پھر کاروبار
یوں ہیں جب سات۔ آٹھ۔ نو۔ دس بجگئے — ڈاکیہ وارد ہوا کچھ خط لئے
اون خطوں میں ایک پاکٹ بھی تھا — دیکھتے ہی جس کے جی خوش ہو گیا
تھا عیاں سرنامہ سے رنگ وداد — نور افزائے نظر خط کا سواد
کس طرح کہیے کہ وہ تحریر تھی — مشفق نادیدہ کی تصویر تھی!
الغرض دل کو زیادہ کب تھی تاب — جب لفافہ کھولا نکلی اک کتاب
پڑھ کے ٹیٹل پیج ظاہر ہو گئی — تھی جو کچھ تعبیر شب کے خواب کی
یعنے وہ جو خضر صورت تھی بزرگ — مجھ جو ہیں مہرباں جیسے بزرگ
ہیں وہ جی۔ ای۔ وارڈ صاحب ذی شرف — فاضل نام آور و بالغ نظر
جو ہیں اُستاد علوم مشرقی! — بلکہ نقاد علوم مشرقی!
ہیں ادیب کامل اردو زباں — جیسے کوئی فاضل ہندوستاں
آب حیواں ہیں وہ اوکا عجیب — جن کا سرچشمہ ہے اک ہندی ادیب

دل سے بہر قوم جس کا درد مند — جس کی ایک اک بات ہو اک ایک پند
کرکے ظاہر فائدہ تعلیم کا ! — جس نے کی ہے فکر بہبود نسا
کر دیا ہے جس نے یہ گر آشکار — عورتوں پر ہے ترقی کا مدار
عورتیں گر قوم کی جاہل رہیں — مرد لائق ہو سکیں ممکن نہیں !
جام وہ جس میں یہ آب صاف تھا — ساغر جم سے ہے رتبہ میں سوا
یعنی شرح باب عادات العروس — نسخہ نایاب مراۃ العروس !
جو توجہ سے بنا ہے وارڈ کی — شمع فانوس زبان انگلسی
روشنی کا جس کی ہوگا یہ اثر — عورتیں یورپ کی جو ہیں باخبر
دیکھیں خط و خال محبوبان ہند — سمجھیں کچھ کچھ حالت خوبان ہند
جس سے پیدا ہوگا ربط باہمی — اٹھے گی بیگانگی میں کچھ کمی !
گرچہ بُعد ظاہری رہجائیگا — ہوگا قائم باطنی اک سلسلہ
مل گئی تعبیر جب یہ خواب کی — پھر تو دل کی کچھ عجب حالت ہوئی
ہوگیا بیخود خوشی کے جوش میں — مست جیسے ہو نہ اپنے ہوش میں
وہ سبوئے ہندی جو تھی چکھی ہوئی — سامنے یورپ کے خم میں تھی دھری
یعنی پہلے جو کتاب اردو میں تھی — اب وہ انگریزی میں چھپ کر آگئی
پھر خیال استفادہ ہو گیا ! — شوق پابند ارادہ ہو گیا
کیا کہوں پڑھ کر ملا کیسا مزا — ہر ورق پر کرتا تھا شکر عطا
یوں تو انگلش کی ثنا ممکن نہیں — اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں
صاف ہے سنجیدہ ہے آسان ہے — پھر بھی پوری ترجمے کی شان ہے
وارڈ سا فاضل کہاں ضامن کہاں — ذرہ نتواند رسد تا فرق داں

آپ کی تعریف اور میرا دہن
اس میں ہے خود مجھ کو بھی جائے سخن

تقریظ ترجمۂ رباعیات حالی

مترجمۂ جی۔ ای۔ وارڈ۔ ایم۔ اے

الا اے ساقیِ صہبائے معنی!
خم و خمخانہ و ساغر کا صدقہ!
رہوں آخر یونہیں ناکام کب تک
کہاں میں اور کہاں یہ وحشتستاں
سخن فہم اور نہ ہے کوئی سخن سنج
نہ وہ صحبت نہ وہ احباب ہیں یاں
کلب کوئی نہ کوئی انجمن ہے
خمارِ بادۂ لطف شبانہ!
لبوں پر دم ہے تھوڑی سی پلا دے
میں ہوں میخانۂ ناسخ کا خمار
وہ مے دے دو جس سے درد دل اٹھے
وہ مے دے جو کہ ہو پروردۂ ذوق
وہ مے دے جو کہ ہو صاف اور بےغش
وہ مے طالب ہے جسکا محرم راز
وہ مے اعشیٰ و دعبل کے تھے جو
وہ مے دے پی چکا ہے جسکو سعدی
وہ مے جس سے کہ خاقانی تھا خمار
وہ مے جس سے کہ متوالا تھا جامی
وہ مے دے جس پہ تھا خیام کو ناز
وہ مے جو تھی خم خسرو میں باقی

بہت بے کیف ہے شیدائے معنی
خبر لے ساقی کوثر کا صدقہ
نہ دیگا روح پرور جام کب تک
کہاں بلبل کہاں شور دلستاں
ہوں تنہا کنج عزلت میں محن سنج
نہ دلچسپی کے کچھ اسباب ہیں یاں
نہ لکچر روم نے بزم سخن ہے
ہوا ہے سرگرانیکا بہانہ
دل مردہ کو مے دے کر جلا دے
سمجھے ہے آتش سیال درکار
وہ دارو دے کہ امرت بھی خجل ہو
کہ دل میں شعلہ زن ہو آتش شوق
کرے جو صیقل مرعات دانش
وہ مے پیمانہ جس کا ہے خدا ساز
وہ مے سحبان و ائل پیتے تھے جو
جو ہے فردوسی و حافظ کی جھوٹی
وہ مے جس سے سنائی تھا سرشار
وہ مے عاشق تھا جس سے پر نظامی
وہ مے جس سے ہو کشف سرمدی راز
ولی اللہ تھا جس سے کہ ساقی

وہ مے پیتے تھے جس کو میر و سودا
تبرک جانتے تھے جس کو انشا

وہ مے دے ذوق کو تھا ذوق جسکا
وہ مے مومن کو بھی تھا شوق جسکا

وہ مے رکھتی تھی غالب کو جو سرمست
وہ غالب فکر سے جسکی فلک پست

وہ غالب نازش ہندوستاں تھا
وہ غالب تاج فرق شاعراں تھا

دوات اوس کی تھی اور تھا خامہ اوسکا
خلف کیسے وہ فخر اسلاف تھا

اوسی غالب کا حالی جانشیں ہے
سپہر نظم کا ماہ مبیں ہے

الا اے خواجہ ما خواجہ حالی
ز مدحم پایہ ات گردد نہ عالی

چگویم من چنینی یا چنانی!
کہ گویم ہرچہ بالا تر ازانی

ترے دم سے ہے اب رونق سخن میں
ہے تجھ سے تازگی حرف کہن میں

ثنا میں تیری یہ کہنا ہے کافی!
کہ تو نے کی گزشتہ کی تلافی

دکھائی شاعری کی اک نئی راہ
کہ تا آئندہ نسلیں ہوں نہ گمراہ

یہ کیا کم ہے کہ تیری فکر روشن
ہوئی یورپ میں جاکر پر تو افگن

نہ کیوں کر اس خوشی سے شادماں ہوں
سخن میں میں بھی تیرا ہمزباں ہوں

سنا جب مجھ سے یہ افسانہ شوق
دیا ساقی نے اک پیمانہ شوق

جسے پیتے ہی گویا جی اٹھا میں
کہ گو مردہ نہ تھا دل مردہ تھا میں

وہ مے کیا تھی؟ نہ تھی صہبائے خلر
وہ مے کیا تھی؟ نہ تھی وہ آتش تر

نہ تھا وہ بادہ آب پرتگالی
نہ تھی وہ مے شراب یامجالی

نہ شیری تھی نہ وسکی تھی نہ رم تھی
زباں سے کیا بیاں ہو لذت اسکی

وہ مے تھی طاہر و صافی و بے کیف
مئے کوثر کی ثانی بے کم و کیف

غلط ہے تھی مئے کوثر کی ثانی
وہ تھی افشردۂ روح معانی

وہ قطرے ریزش خون جگر تھے
کہ حالی کی ریاضت کے ثمر تھے

ثمر وہ جو دوائے علت جہل
اثر سے جس کی ہوں نا اہل بھی اہل

اور اس صہبائے جاں پرور کا ساقی
ہے یورپ کی مثال خوش مذاقی

یہ تحفہ وارڈ کا بھیجا ہوا ہے! — یہ جام بادۂ خذ ما صفا ہے!
ہے یہ گرچہ وہی سر جوش معنی — زباں پہلے بھی جس سے آشنا تھی
وہی معشوق ہے یہ جس کا ہر دم — بھرا کرتے ہیں ابنائے وطن دم
پہ اب شکل اور ہی پیش نظر ہے — لباس یورپی میں جلوہ گر ہے
ملے جب صورت ایسی وضع ایسی — نہ کیونکر ہو عیاں قدرت خدا کی
مترجم یہ رباعیات حالی — ہیں گویا گنج یاقوت ولآلی
مصنف شمس چرخ علم و دانش — مترجم فخر دانایانِ انگلس
ہے جیسی وارڈ نے دی داد تحقیق — ہے اس کی اہل یورپ ہی کو توفیق
انہیں کا کام ہے دانش پرستی — انہیں پہ رحمت حق ہے برستی
انہیں کو دی ہے حق نے یہ کرامت — بنا دیتے ہیں ہر رائی کو پربت
یہی ہیں آج حلال دقائق — انہیں پر وا ہیں ابواب حقائق
یہی ہیں قدردان علم و ادب کے — یہی ہیں راہبر راہ طلب کے
یہی ہیں جوہری دُرِ شرف کے — پرکھنے والے ہیں لعل و خذف کے
یہی ہیں فاتح باب فضیلت — یہ ہیں دنیا میں ارباب فضیلت
انہیں کا ہے عمل خذ ما صفا پر — خذف ریزوں سے چن لیتے ہیں گوہر
نمونہ جس کا یہ اک ترجمہ ہے — جو انگریزی میں اردو سے ہوا ہے
یہ ہے اس ترجمہ میں خاص خوبی — کہ مثل اصل ہے ترتیب رکھی
معانی من وعن سمجھا دیے ہیں — مطالب مو بمو سلجھا دیے ہیں
پھر اوس پر شرح ہے نورٌ علیٰ نور — ہیں جس سے آشکارا رمز مستور
لکھے ہیں جو تلفظ کے قواعد — نہیں پوشیدہ کچھ اون کے فوائد
جو انگریزی میں ہو جائیں یہ رائج — تو نکلیں گے بہت اچھے نتائج
غلط ہونے نہ پائے گا تلفظ — سمجھ میں جلد آئے گا تلفظ
لکھی ہیں مختصر تلمیحیں جتنی! — تحقیق پر اون ہی سے مبنی

ضروری وزن پیٹر ہیں وے ہیں — کہ یورپ والے موزوں شعر پڑھیں
غرض جو بات ہے سے قابل داد — بجا ہے چشم خوباں سے ہو گر صاد
بس اے ضامن قلم کو روک بس کر — سخن کو ختم کر شکر عطا پر

رباعیات

چھوا، جو، گاڈ، ایشور، کیا ہے تو — اللہ ہے یا علت اولیٰ ہے تو
سب کچھ کوئی کہتا ہے کوئی کچھ بھی نہیں — ہے پر مصداق ما عرفنا ہے تو

گر فرش زمین و آسماں ہے تو وہ ہے — پیدا ہے تو وہ ہے اور نہاں ہے تو وہ ہے
دیر اور کعبہ میں ہے فقط راہ کا پھیر — یاں ہے تو وہ ہے اور وہاں ہے تو وہ ہے

ہے جس سے یہ معمورۂ ہستی آباد — معدوم وہاں عدم کی ہے جڑ بنیاد
حقا کہ فنا نہیں ہے عین بقا — تبدیل صُوَر ہے معنی کون و فساد

بطحا میں تو نے جب ولادت پائی — اس خاک نے آسماں کی رفعت پائی
کب تجھ سے شرف عرب نے تنہا پایا — گیتی نے ترے قدم سے عزت پائی

آثار جہاں ہیں دل دکھانیوالے — اسلام پہ ہنستے ہیں زمانے والے
منجدھار میں ہے پھنسا جہاز امت — اے کشتی نوح کے بچانے والے

کفر و اسلام کچھ بہت دور نہیں — بندہ کو خدا کہوں یہ مقصود نہیں
ہاں بندۂ حق نما علیؑ ہے ضامن — ممدوح خدا کے وصف مستور نہیں

ساغر سے ہے کچھ کام نہ صہبا سے غرض گو مست ہوں ساقی پہ نہیں بادہ پرست	خم سے مطلب ہے اور نہ مینا سے غرض مجھ کو ہے فقط تری تولا سے غرض
لینے نہیں کام عقل سے خانہ خراب پھر اوس پہ یہ شوخ چشمیاں تو دیکھو	کرتے ہیں خطا چھوڑ کے خود راہ صواب دیتے ہیں خدا کو فاعل شر کا خطاب
خالق نے عبث نہیں دیے عقل و شعور کرتے نہیں ہم آپ تمیز بد و نیک	ناداں ہے بتائے جو بشر کو مجبور اور تھوپتے ہیں خدا کے سر اپنا قصور
بار دنیا ہی ہم سے جب اُٹھ نہ سکا سنگینی خشت سے گریزاں ہوئے جو	اٹھے گا بوجھ کس طرح عقبیٰ کا اوس خاک سے خاک ہوگی کعبہ کی بنا
قلب روشن خدا نے جس کو ہے دیا افسوس ہماری زشتی اعمال سے	اوس کی شب تار میں بھی ہے نور صفا روز روشن بھی ہے نظر میں تیرہ
گذرا ماضی عبث ہے اب اوسکا ملال کرنا ہے جو وہ جلد کرے ضامن	موہوم ہے آمد آمد استقبال! کچھ قابل اعتبار گر ہے تو یہ حال!
گو دولت و وقت دونوں ہیں بیش بہا مل جاتی ہے کھوئی ہوئی دولت ضامن	دولت سے کہیں وقت کی قیمت ہے سوا کھویا ہوا وقت پھر نہیں ہاتھ آتا
آخر سستی و جہل تا کے ضامن دنیا کی فکر اور نہ عقبیٰ کا خیال	غفلت کی کوئی انتہا ہے ضامن یہ بےخبری خبر تو ہے اے ضامن

تقدیر پہ تکیہ وہ کیا کرتے ہیں!
بیماری جہل کا نہیں کوئی علاج

فطرت کے خلاف جو سدا کرتے ہیں
کرنی ہو دوا جب تو دعا کرتے ہیں

قسمت کا گلہ فلک کا شکوہ کب تک
جس ہاتھ سے کر سکتے ہو سب کچھ ضامن

غیبی امداد کی تمنا کب تک
اوس ہاتھ کو سر پہ رکھ کے رونا کب تک

ہر چند کہ تقدیر سے انکار نہیں
ضامن اسلام پھر کہاں گر یہ کہیں

اسباب و علل کی بحث بیکار نہیں!
تدبیر سے قسمت کو سروکار نہیں

ہر کوشش کا ہے چونکہ مخفی انجام
سوچو تو سہی مخبر صادق کا ہے قول

تقدیر نتائج علل کا ہوا نام
مجھ سے ہے سعی اور خدا سے اتمام

یک لحظہ سمند سعی ساکن نہ ہوا
تقدیر تھی تدبیر غلط کی دشمن!

پھر بھی چاہا تھا جو وہ ممکن نہ ہوا
قائم بالنار پار واک دن نہ ہوا

الٹی ہے زبسکہ اپنی ہر اک تدبیر
ہے نقص تسلسل علل وہ در اصل

ہو جاتی ہے دلیا جو پکاتے ہیں کھیر
یاروں نے ہے جس کا نام رکھا تقدیر

جس طرح کا ربط جسم اور جان میں ہے
دیکھا نہیں جس کو سب ہیں جویاں اوسکے

نسبت وہی مذہب اور انسان میں ہے
ہر دل میں وہی ہے گو کسی شان میں ہے

لاعلمی حق سے ہے گو ہنگامہ بپا
ممکن ہی نہیں خیال مذہب سے نجات

ہے فکر بشر ازل سے حق کی جویا
عبد شیطاں ہے جو نہیں عبد خدا

آتے ہیں نظر جبہ و دستار کہیں
قوم ایک ہو کیسے جب ہوں وضعیں اتنی
ہے سوٹ کہیں جامہ و شلوار کہیں
دیکھی نہیں پھوٹ کی یہ پھٹکار کہیں

کوٹ اور پتلون کے پہننے والو
تقلید نے فیشن کی کیا تم کو تباہ
گوروں کی شکل بننے والے کالو
اپنی حالت پر اک نظر تو ڈالو

ہرگز نہیں بد وضع فرنگستانی
لیکن فیشن کا بھوت سر پہ نہ چڑھاؤ
اچھے کو برا کہوں یہ ہے نادانی
آخر کس برتے پہ یہ تتا پانی

ہو صحن چمن جلوۂ جاناں نہ ہو
سب جانید و ذکر عیش ہے نصف العیش
ساقی ہو مے ہو اور پیمانہ ہو
پر وہ بھی جبھی کہ پیٹ میں دانہ ہو

آخر ہے شباب جوش مستی کب تک
ضامن یہ بیخودی عیاذاً باللہ
ذوق رندی و مے پرستی کب تک
سمجھے گا تو نہ اپنی ہستی کب تک

ہے کون سی بات جس کا امکان نہیں
پھر بھی کوئی مجھ سے بڑھ کے نادان نہیں
مشکل ہے وہ کیا مجھ پہ جو آسان نہیں
پہچان ہے سب کی اپنی پہچان نہیں

گو بے ہنری اور تہی دستی ہے
افلاس کا غم کچھ نہیں ہم کو ضامن
غفلت ہے جہل ہے یہ سستی ہے
جب تک داروئے بیخودی سستی ہے

پیرایہ ہر عروج و پستی ہے تو
ہے تیرے لئے گرم تماشہ گہ دہر
رونق افزائے بزم ہستی ہے تو
افسوس ہے گر رہین مستی ہے تو

اسپ ہمت کبھی بدی کرتا ہے امید و رضا سعی و تحمل کو نہ چھوڑ		نفس سرکش کہیں خودی کرتا ہے جو کرتا ہے فضل ایزدی کرتا ہے
جنس عشرت نہ ہوتی سستی کب تک آنی تھی بہار آگئی آخر کار		توبہ دیتی نہ اذن مستی کب تک میخانہ پہ رحمت نہ برستی کب تک
صوفی کو کمال خرقہ پوشی سے ملا کیونکر نہ منائیں خیر میخانے کی		واعظ کو عروج خود فروشی سے ملا ہم کو دل صاف بادہ نوشی سے ملا
میخانہ میں آؤ مے پرستی دیکھو ضامن توبہ! یہ گوشہ گیری کب تک		ہنگامۂ بیخودی و مستی دیکھو! کچھ لطف بہار باغ ہستی دیکھو!
گو کیسے ہی معیوب ہوں افعال بشر گر قید سے ہے بیگم کے شرافت کی دلیل		ممدوح ہیں سب ہیں داخل رسم اگر اغیار کے ساتھ رقص ہیڈم ہے ہنر
جس کے ہیں زبان و مذہب و مسکن ایک لیکن ملک ایک اور اغراض ہوں ایک		کہتے ہیں وہ گروہ ہے نیشن ایک ہے قوم کا یہ صحیح ڈفنیشن ایک
جس گھر میں ہو اختلاف چلتا نہیں کام ہیں مشترک اغراض تمدن کی بنا		ہو جاتی ہے گھر والوں کی واں زیست حرام مجموعۂ افراد ہی کا قوم ہے نام
ہوں لاکھ زبان و مذہب و مسکن ایک افراد کے اغراض مخالف ہیں جہاں		مشکل ہے کہ ہوں راہبر و رہزن ایک کیونکر وہ گروہ بن سکے نیشن ایک

ہے بغض وحسد نے ہر طرف سے گھیرا کیسی قوم ایک ہو غ جبتک اغراض	کرتا نہیں اتفاق ہم تک پھیرا یارب کہیں دور ہو یہ بیسہ ا یہ تیرا
ہندی ہیں عرب عجم میں گر جاتے ہیں لیں گے کس منہ سے ملک اور قوم کا نام	اور ہند میں رہ کے ترک کہلاتے ہیں ہم اپنے تئیں سب سے جدا پاتے ہیں
ہمدردی ملک اون میں ہو کیا پیدا بھائی کو بھائی کھائے جاتا ہے جہاں	ہے جن کی ادا ادا سے کینہ پیدا دنیا سے وہ قوم کاش ہو ناپیدا
ہندو ہیں کہ مسلم کو ملیچھ جانتے ہیں کس طرح سے ایک قوم ہوں گے ہندی	مسلم ہیں کہ ان کا کفر گردانتے ہیں جب گھر ہی میں رزم جنگ کی ٹھانتے ہیں
کیوں لڑتے ہو گر ہیں رسم و آئین جدا کچھ بھی یہ مآل کار کو سمجھیں گر ا	مٹی تو ہے ایک ہوں جو ہیں دین جدا عبد الحق سے نہ پھر ہوں شیو دین جدا
آئی ہے بہار سبز ہیں دشت و جبل گردوں سے لگی ہے نردبانِ کہسار	جنت کو رشک دے رہا ہے جنگل حوریں بھی اب آئیں گی پئے سیر نکل
ضامن یہ غرور خاکساری کب تک ہے فقر میں جھوٹ دعوے خلق حسن	دریوزہ گری و ہرزہ کاری کب تک عیب ظاہر کی پردہ داری کب تک
وہ مرد نہیں جو معرکہ سے ہٹ جائے نامردی و مردی میں بہت فرق نہیں	جو کام کرے بشر اوسی پر ڈٹ جائے پیچھے جو پڑے ایک قدم سر کٹ جائے

بچے چڑیا کے اڑنے لگتے ہیں جہاں لیکن ہے جہاں معاشرت مشترکہ		کرتی نہیں پھر اُن کی خبرگیری ماں وہ قوم دبی ہے زیر بار اخوان
میراث اب وجد کی توقع ہے جہاں دولت کی فراہمی کا انجام یہ ہے		بیٹوں کو فلاح کی نہیں فکر وہاں آپس کی مخالفت سے گھر ہو ویراں
میراث میں مال اور نہ زر چھوڑ کے جاؤ دختر سے بھی ناخلف پسر بدتر ہے		ممکن ہو تو کچھ علم و ہنر چھوڑ کے جاؤ گر چھوڑتے ہو خلف پسر چھوڑ کے جاؤ
انگلش کا اگرچہ مرحلہ ہے درپیش یہ جامہ عاریت مبادا چھن جائے		اردو کا خیال چاہیے بیش از بیش باید پیراستن کہن خرقہ خویش!
درپیش ہے کیسی سخت مشکل دیکھو اردو میں عوام کو دیا گر نہ رواج		ہشیار ہو یونیورسٹی بل دیکھو رہ جائے گی ساری قوم جاہل دیکھو
اس پختگی خام سے خامی اچھی اعلیٰ تعلیم کو کہاں تک روئیں		ان قیدوں سے ہے قید غلامی اچھی تھی ہم کو ہماری شرح جامی اچھی
کہتے ہو گورنمنٹ نے بے آس کیا تم خود کوئی فکر اپنی کرتے نہیں کیوں		تعلیم کالے کے ستیاناس کیا اچھا کیا کرزن نے جو بل پاس کیا
اقلیم سخن کو ملک جم جانتے ہیں آئینہ فکر مظہر قدرت ہے		اس فخر سے اور فخر کو کم جانتے ہیں اس جام جہاں نما کو ہم جانتے ہیں

مرہون کرم اگر طبیعت ہوتی کرتا نہ کبھی کسی کے سجدہ سے گریز		اسد رجہ نہ سرکشی کی عادت ہوتی شیطاں کو جو آدمی کی صحبت ہوتی
ہے مد نظر دل کی خرابی کب تک حیراں ہوں نگاہ مست کی شوخی سے		با وصف حجاب بے حجابی کب تک کعبہ میں رہے گا یہ شرابی کب تک
جز سنگ ملامت اور کیا ہاتھ آیا دیوانگی عشق کو شہرت دے کر		اطفال کو اک شغل نیا ہاتھ آیا کھویا جو اعتبار تھا ہاتھ آیا
انسان کا فرض زندگی ہے محنت تکلیف اٹھائی جس نے ڈھونڈا آرام		وجہ آسائش دلی ہے محنت راحت پائی ہے جس نے کی ہے محنت
کہتے ہیں جس کو اعتبار اہل نظر منظور جو ہو خلق میں عزت پاتا		موقوف نہیں وہ جاہ اور منصب پہ ضامن آپ اپنی پہلے تو عزت کر
یہ خط و محیط و مرکز امکانی یعنے کہ ازل سے تا ابد بحر وجود		یہ قطرہ و موج و شورش و طغیانی ہے حاصل ضرب نقطہ حیرانی
نیکی و بدی جہاں میں یوں ہیں توام نیکی کی جھلک سے کب بدی ہے خالی		دریا دو جیسے مل کے بہتے ہوں باہم جز خیر اتم نہیں کوئی خیر اتم
مانا یہ مانگنا خطا ہے نہ ثواب! لیکن ہے دناوت سے بھی بدتر وہ کرم		یہ بھی مانا کہ ہے برا تلخ جواب! ہوں قوم کے جس کرم سے عادات خراب

اک منعم جز رس سے کسی نے یہ کہا بولا وہ ہنسیں مجھ پہ مگر ان کے لئے	ہنستی ہے ترے بخل پہ ساری دنیا ہر دم ہوں میں آٹھ آٹھ آنسو روتا
کون ان کو گدا کہے گا جو سنڈ مسنڈ ان ڈاکوؤں کے مربیوں کو دیکھو	کھا کھا کے حرام لقمہ ہیں پیلتے ڈنڈ کیا امرہوں کو خیرات پر اپنی ہے گھمنڈ
آغوش ہے ماں کی درس گاہ جمہور عورت ہی سے ہے مرد کی ہستی قائم	ملتا ہے یہیں سے اولاً درس شعور تعلیم نساء ہے اصل تعلیم ذکور
کوشش وہ چاہیے کہ نااہل ہوں اہل کہدو کہ نہ گھبرائیں محبانِ وطن	ہو جائیگا فاش علم سے پردۂ جہل کر دیگا خدا ان کی بھی مشکل کو سہل
سچ بات کے کہنے میں پس وپیش نہ کر آزادی رائے کی سپر ہاتھ میں لے	ملا سے نہ ڈر خیال درویش نہ کر! تیغ اوہام سے جگر ریش نہ کر
صحت کے لئے دوا کی تدبیر نہ کر محنت کو بنا کلید ابواب مراد	دولت کے لئے شکوہ تقدیر نہ کر اکسیر یہی ہے فکر اکسیر نہ کر
ہر چند کہے کوئی کہاں مانتے ہیں ناصح انہیں سمجھانے سے حاصل کیا ہے	کرتے ہیں وہی دل میں جو ٹھانتے ہیں ضامن کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں
ضامن مذہب ہے گر تعصب کا نام جنت میں جائے یا کوئی دوزخ میں	ایسے مذہب کو دور سے اپنا سلام ہم ساقط ہیں جنس سے ہم کو اس سے کیا کام

ڈگری پائے ہوئے لیاقت والے مغرور نہ ہوں کتب کی حالی پر !		با شملہ بقدر فضیلت والے ہیں اور ہی چیز علم کے متوالے
داغ دل بیتاب دکھایا نہ گیا خودداری و عشق ! کوئی نسبت ہے بھلا		حرف مطلب زباں پہ لایا نہ گیا رونے کے سوا کچھ اور آیا نہ گیا
گو شہر کی دوری سے ہو بیتاب بہت محبوب نگر کے بھی مناظر دیکھو		یاد آتی ہے وہ صحبت احباب بہت حس ہوں تو ہیں تفریح کے اسباب بہت
دہقاں جو چراتے ہیں مویشی اکثر کیا باعث ننگ ان کی یہی محنت ہے		ہل جوتتے ہیں کرتے ہیں اوقات بسر جس سے سلطاں کا ہے خزانہ پُر زر
کیا غم ہے اگر منصب و جاگیر نہیں کہتے ہیں جو مفت خوردہ کہنے دو		اہل دولت میں کوئی توقیر نہیں پیشہ میں کسی طرح کی تحقیر نہیں
کاندھے پہ جو صرف ایک کمل ڈالے ہے اوّل کسب ہنر ان میں بھی		پھرتے ہیں برہنہ جسم کالے کالے سمجھیں گر قوم کے وہ نشا سنے والے
ذرات خلا میں چند تھے سرگرداں دنیا کا ہے اتفاق پر دار و مدار		یک جا ہوئے آراستہ کی بزم جہاں پڑ جائے اگر پھوٹ قیامت ہو یہاں
صوفی کہتا ہے رنج و غم کچھ بھی نہیں مانا کہ خیال و خواب دنیا ہے ۔ مگر		جاہ و حشم و طبل و علم کچھ بھی نہیں جب ہم ہیں تو کیسے کہیں ہم کچھ بھی نہیں

رو ما ہیں ہر اک چیز کا دیوتا تھا جدا لیکن کیا تہ کی بات تھی اس میں جو		سندر ایک اس کا آسماں فرسا تھا تھا پست ہر اک سے بتکدہ عزت کا
جوہر نہ ہوں ذات میں جہاں کچھ بھی نہیں کچھ کر کے دکھاؤ تم کچھ ہو کے دکھاؤ		شیخ و مرزا و میر و خاں کچھ بھی نہیں یاں قدر فلاں ابن فلاں کچھ بھی نہیں
شادی سے ہے جہاں غم بھی وہاں ہوتا ہے ہر چند کہ گل سے ہے صاحب مال و جمال		ہنستا ہے جو بہت وہی روتا ہے شبنم کے آنسوؤں سے منہ دھوتا ہے
مفلس سے ہے لباس صاف اور پاک نہیں دہقاں ہیں یہ اور ایسے لاکھوں ہیں عیب		تقریر فصیح شستہ ـ بیباک نہیں پر شہریوں کی طرح سے چالاک نہیں
یہ گو ہر معنی کے پرکھنے والے سچ ہے انہیں کیا ملے سخن کی لذت		ایک واہ کو ہیں عزیز رکھنے والے جو خود نہیں خون دل سے چکھنے والے
نا قدری احباب کا غم کیا ضامن یاد آئیں گی تیرے بعد تیری باتیں		ان لوگوں کا ہے یہی طریقہ ضامن ہیں مردہ پرست اہل دنیا ضامن
حاصل کیا کیسی محنتوں سے یہ کمال شاید دے کوئی اوس کے ابرو سے مثال		لیکن نہ ہوا نصیب عارض کا جمال اسواسطے بدر گھٹ کے بنتا ہے ہلال
عیاری و مکر کی ہیں جتنی گھاتیں ! لیکن جو کرو کبھی دیانت کا ذکر		رکھا ہے اون کا نام میٹھی باتیں یاروں کی تلخ ہوتی ہیں اوقاتیں

ہوتا ہے کہیں گرا جو ٹیوں کا شمار لیکن اپنا ہے یہ وظیفہ ضامن		بندھتی ہے فضیلت کی کہیں پر دستار افلاس پہ لاکھ بار شیطان کی مار
سر سے سودائے یار کیونکر نکلے کیا جانتے تھے عشق میں ہوگی یہ خلش		دل سے مژگاں کا خار کیونکر نکلے نشتر ہے جگر کے پار کیونکر نکلے
ثابت ہے اصول ارتقا گر بہ سند ہے اپنے تنزل سے ہمیں اندیشہ		قائل ہیں تقہقر کے بھی ارباب خرد پھر ابن قرد کہیں نہ ہو جائے قرد
ہرم کون و فساد ہے وحشت دِ غا ادنیٰ کے لئے کہیں نہیں جائے قرار		ہر دم ہے جہاں بقا کی خاطر جھگڑا فطرت کو پسند ہے بقائے اولیٰ
کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو کوئی کام ہر شے ادنیٰ ہی سے ہوئی ہے اعلیٰ		لازم ہے سلیقہ سے کرو اسکو تمام خوبی آغاز کی ہے حسن انجام
کہتے ہیں کہ مقراض محبت ہے قرض ممکن ہے کہ یہ ہو پہ شک اسمیں نہیں		ہم چشموں میں باعث ندامت ہے قرض دولت کا عدو دشمن راحت ہے قرض
عاشق ہوا دل دیا بہت خوب کیا بدتر زگنہ عذر گنہ ہے ضامن		بادہ سر رہ پیا بہت خوب کیا جو اس کے سوا کیا بہت خوب کیا
سہو و نسیاں سے ہر بشر ہے مجبور یہ بھول گئے کہ خود سراپا ہیں خطا		کیوں بنتے ہیں نکتہ چیں خدا کے مقہور کرنے لگے دوسروں کا اظہار قصور

کھوتی ہے وقار جس طرح سے عسرت
یارب نہ ہو منظور مٹانا جو ہمیں!

کرتی ہے یونہیں سلب شرافت دولت
دے فقر و غنا کی درمیانی حالت

الفت میں آبرو گنوائی ضامن
اس پر بھی نہیں وفا کے قائل وہ اگر

کیا کیا نہ جہاں کی خاک اڑائی ضامن
یہ ہے ترے قسمت کی برائی ضامن

کیوں داغ بدل ہے لالہ معلوم نہیں
سب ایک طرف غم رقابت ان کا

کیوں گرد قمر ہے ہالہ معلوم نہیں
مجھ کو ہوا کیوں حوالہ معلوم نہیں

دیوار پہ زنداں کی ہوں گر نقش و نگار
آرائش ظاہری سے حاصل ضامن

قیدی کو نہ ہوگی اس سے فرحت زنہار
جب دل کو نہیں نصیب اک لحظہ قرار

جس کو نہ تامل کی ہو عادت مطلق
ناصح کیطرف سے پنبہ در گوش ہے جو

ہے کاغذ باد اوس کو حکمت کا ورق
وہ جہل کا لیتا ہے فلاطوں سے سبق

کب عاریتی حشم سے ارماں نکلا
گو تخت صبا دمنطق طیر نہ تھے

جب چھن گئی پوشاک تو عریاں نکلا
ناٹک میں ہر اکٹر سلیماں نکلا

آساں ہے عاقلوں پہ ہر درس دق
اک ذرہ ناچیز ہے تا شمس و قمر

پتے کے کھڑکنے سے یہ لیتے ہیں سبق
دیکھو جسے ہے نسخہ قدرت کا ورق

شہرت ہے کمال کی وطن کے باہر
ضامن مکی ہوئے جو کستوری سے

گو ہر کی ہے آبرو عدن کے باہر
پھر قدر کہاں چلو دکن کے باہر

رو چکا مرے سب نہ پوچھو ہرگز بیٹھا ہوں شاہراہ مایوسی پر	کیا حال ہے دل کا اب نہ پوچھو ہرگز منزل طے ہوگی کب نہ پوچھو ہرگز
کچھ غم نہیں گر طاعت واجب ہے قضا ضامن ہے گر حرام جنت اوس پر	غفار ہے بے نیاز ہے اپنا خدا ہو خدمت قوم کا نہ جس کو چسکا
رہتے نہیں ایک حال پر لیل و نہار صد شکر کہ گھٹ رہی ہے تاریکی جہل	آتا ہے خزاں کے بعد ہی دور بہار ہیں صبح ترقی کے نمایاں آثار
آب حیواں سے خضر نے کیا پایا ہے علم میں بھید زندگی کا مخفی	کیا لطف حیات جاوداں کا پایا سب کچھ پایا اگر یہ چشمہ پایا
ہے کوئی صلہ خوب نہ انعام اچھا اعمال کا ہے خلوص نیت پہ مدار	شہرت اچھی ہے اور نہ ہے نام اچھا سب کام اچھے ہیں گر ہو انجام اچھا
ضامن دل خود کام سے ناکام اچھا تم نیک نہ بن سکو تو بد بھی نہ بنو	وہ کام کرو جس کا ہو انجام اچھا دنیا میں ہے بدنام سے گمنام اچھا
ہو غور نہ گر حقائق اشیا میں مانند حباب چشم بن جا ہمہ تن	کیا فرق ہے بے بصر میں اور بینا میں اک دم کی بھی فرصت ہو گر اس دنیا میں
اک حال پہ قائم کوئی صحبت نہ رہی ضامن پھر ہم ہیں اور غم تنہائی	مرغوب ہوئی جو وہی صورت نہ رہی چندے یکجائی سے شہامت نہ رہی

[illegible] از مصنف۔

تعلیم مدارس میں بہت دن پائی مدت تک خاک افسوں کی چھانی	پھر پاس کیا کوئی بصد رسوائی یوں دس کی کہیں سے نوکری ملی تو آئی
کیوں پھر فلک نے آج بدلا ہے رنگ کیا موت کو اور کوئی حیلہ ہی نہیں تھا	کیوں ہم سے زمانہ ہو گیا برسر جنگ کیوں حلقہ گرداب بنے کام نہنگ
رود موسی کہاں یہ طوفان کہاں مرضی جو کچھ تیری رضینا بقضا	نالے کو سمندر کی ملی شان کہاں خالق سے بشر لڑے یہ امکان کہاں
جب شہر کی وہ بہار یاد آتی ہے چھاتی پر سانپ لوٹنے لگتا ہے	یاروں کو لہو کے اشک رلواتی ہے رود موسی پہ جب نظر جاتی ہے
آفت دیدہ ہوں اور دل افسردہ ہوں حیران ہوں خود کون ہوں کس حال میں ہوں	زخم تیغ غم نہاں خوردہ ہوں بس اتنی خبر ہے کہ پدر مردہ ہوں
ہر حال میں راضی برضا رہ ضامن غم شہ کا غم پدر میں بھولے نہ کہیں	پیش آئے جو سرد و گرم وہ سہہ ضامن یا ابن علی خدا سے یہی کہہ ضامن
صنعت صنعت ہے اور خلقت خلقت تصویر انسان کی نہ ہوگی انساں	حکمت حکمت ہے اور فطرت فطرت سلک معنی نہ ہوگا کلک قدرت
سارے عالم میں یہ مثل ہے مشہور ضامن اس کو تو ہم نے دیکھا بھی نہیں	جو آنکھ سے دور ہے وہ ہے دل سے دور پھر دل کا سرور وہ ہے وہ آنکھ کا نور

۵۔ طغیانی رود موسی ۱۹۰۸ء کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ کسی سر پہ نہ آفت لائے پھندے میں بُرے پھنسے تھے ضامن تم بھی	دل کو نہ کسی کے زلف میں الجھائے بچ کر کیا آئے سمجھو لاکھوں پائے
اے دل ہے اگر خواہش حسن انجام ہو جلد بھی اچھا بھی ہو یہ مشکل ہے	چھوٹے نہ تحمل اور نہ تامل کی لگام جلدی کا کام تو ہے شیطاں کا کام
جلدی نہ کرو سوچ لو کچھ برتا ہے پکا کر لو ارادہ پھر کام کرو	چلتا ہے بہت دوڑ کے جو گرتا ہے کچا چا تو کڑی پڑے کرتا ہے
دور اندیشی کی گر نہ عادت ہوگی اردگے جو تیر بے نشانہ تاکے	حاصل ہر آرزو سے حسرت ہوگی چڑیا اڑ جائے گی خجالت ہوگی
دردی کشِ جامِ خوش کلامی ہوں نہیں دو پشت سے ہوں نظام کا مدح سرا	صہبا کدۂ سخن میں جامی ہوں نہیں اس عہد میں دوسرا نظامی ہوں نہیں
کیا جانیے کیا جنوں میں کہہ جاتے ہیں ہے جذبۂ شوق ایک موج طوفاں	منہ دیکھ کے سننے والے رہ جاتے ہیں لے جائے جدھر یہ سیل بہ جاتے ہیں
فارغ غم زندگی سے ہو بیٹھے ہیں دنیا اندھیر ہو رہی ہے ضامن	تنہا ایک پسر اوس کو بھی رو بیٹھے ہیں جب سے نورِ نگاہ کھو بیٹھے ہیں
دنیا میں ہزار حیف آصغر نہ رہا بھائی کے داغ پر ملا داغ پسر	تھا قوت بازو جو برادر نہ رہا کیا لطفِ حیات کاظم اکبر نہ رہا

سینہ مرا داغ داغ اکبر نے کیا نام اب وجد کون کریگا روشن	بیکار دل و دماغ اکبر نے کیا گل اس گھر کا چراغ اکبر نے کیا
مالک میرے صبور ہے نام ترا تسلیم و رضا کی راہ دکھلا دے اسے	دے صبر مصیبت میں یہ ہے کام ترا ضامن بھی ہے ایک عبد ناکام ترا
اچھے تھے جہاں سے جلد جانیوالے جن سے تھی امید لاش اٹھانیکی ہیں	گھر چھوڑ کے قبر کے بسانیوالے ہم ٹھہرے ہیں اونکی لاش اٹھانیوالے
حالات زمانہ سے نہ انجان ہو دنیا بھی خراب عاقبت بھی برباد	کیوں اپنے عدو آپ مری جان ہو اسلام کا دعوی ہے مسلمان ہو
داغ غم عاشقی کو گل سمجھا ہوں ہر چیز میں دیکھتا ہوں جلوہ تیرا	دل خون ہوا ہے جام مل سمجھا ہوں ہر جزو کو میں مظہر کل سمجھا ہوں

قطعات تاریخ

تاریخ کتاب یادگار دربار منشی مطبع اخبار صدائے ہند لاہور

چھپ کر مطبع سے جب کہ نکلی تاریخ ضامن یہ سال طبع لکھا ہم نے	دلشاد ہوا وہ جس نے دیکھی تاریخ دربار کی یادگار اچھی تاریخ ۱۹۱۳ م

تاریخ وفات امیر الشعرا حضرت منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی

نوحہ خواں دل ہے امیر احمد مینائی کا — صبر کا ہاتھ سے اب چھٹتا ہے دامن افسوس
ہند سے آکے دکن میں ہوا راہی عدم — مولد اوس کا تھا کہاں کیا ہوا مدفن افسوس
اوس کی رحلت کی کہی ہم نے بھی ضامن تاریخ — از سر حسرت و یاس و غم و شیون افسوس
۱۹ ہ ۳ ۱

تاریخ طبع دیوان صاحبزادہ محمد عالمگیر محمد خاں صاحب عالم

چھپ گیا دیوان عالم با صد آب و تاب ضامن — جسکی اک اک بیت موج بحر خوبی بیگماں ہے
بہر سال طبع تم یہ مصرع برجستہ لکھدو — عالم معنی کلام عالم آتش زباں ہے
۱۹ ۱۳ہ

تاریخ وفات حضرت حاجی مولوی سید کاظم حسین شیفتہ نقوی کنتوری

حضرت شیفتہ ہوئے افسوس — سوے دار السلام راہ گرائے
سال رحلت کہا یہ ضامن نے — وائے کاظم حسین شیفتہ وائے
۱۸ ۱۹ ۶

دیگر

سید ذی مرتبہ کاظم حسین! — اہل حسب اہل نسب شیفتہ!
شاعر و نثار و محدث فقیہ — تاج سر علم و ادب شیفتہ!
ذات سے تھا آپ کی اک فیض عام — نشر ہنر کے تھے سبب شیفتہ
عمر تجرد میں گذاری تمام — رہن علائق ہوئے کب شیفتہ
راہی فردوس بریں ہو گئے — وا اسفا ہائے غضب شیفتہ
لکھا ضامن نے یہ سال وفات — جانب جنت گئے اب شیفتہ
۱۳۳۷ہ

تاریخ وفات حضرت آیات جدی و مولائی حجۃ الاسلام فقیہ اہل بیت اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام مولانا حکیم سید غلام حسنین الشہیر بعلامہ کنتوری

ہیں علامۂ کنتور کے !
بزم جہاں کے لئے اوسکا وجود
ناصر ملت تھا وہ ملت کرے
دین کی نصرت میں قلم اوسکا تھا
حجت اسلام حکیم و فقیہ
خسرو اقلیم کمال و شرف
زبدۂ سادات بنی فاطمہ
قبلہ و کعبہ تھا مرا جد مرا
آتی ہے دل سے یہی ضامن صدا

جی کو ہو کسطرح سے چین آہ آہ
تھا سبب زینت و زین آہ آہ
کھول کے دل شیون و شین آہ آہ
تیغ جبیب و بن قین آہ آہ
ہادی راہ ثقلین آہ آہ
ذاکر لب تشنہ حسین علی آہ آہ
نسل شہ بدر و حنین آہ آہ
کیوں نہ کروں درد سے بین آہ آہ
سید غلام حسنین ااہ اا ہ
۱۳۳۷ھ

تاریخ طبع دیوان ہذا از مصنف

دیکھیں احباب آکے نیرنگ خیال
صورتکدۂ معنی و ارژنگ خیال
تدوین کا سال نام سے ظاہر ہے
ہی طبع کا سنہ چھپا ہی ارژنگ خیال